ISSN 2221-1659

سہ ماہی سماجی و دینی تحقیقی مجلّہ

نورِ معرفت

جلد: 11 شمارہ: 2 مسلسل شمارہ: 48 اپریل تا جون 2020ء

- مکالمہ بین المذاہب کے اصول
- خدمت خلق، فلاح ونجات کا وسیلہ
- مغربی تہذیب کے رجحانات واثرات
- مکلی کا قبرستان، ایک اہم ثقافتی، ادبی ورثہ
- انسداد غربت وافلاس: سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں
- عصر حاضر کی اسلامی تحریکیں، مسلم امہ اور عالمی منظر نامہ
- نبی اکرم ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کے سیاسی وثیقہ جات پر کتب
- *US HEGEMONIC INTERESTS AND THE STRATEGIC DILEMMA IN IRAQ*
- *THE PRINCIPLE OF MASLAHA & THE FOREIGN POLICY OF A MUSLIM STATE*

نور الہدیٰ ٹرسٹ اسلام آباد
www.nmt.org.pk

Quarterly social & religious research journal

NOOR-E-MAREFAT

Indexed by:

https://www.australianislamiclibrary.org/noor-e--marfat.html

https://www.iri.aiou.edu.pk/indexing/?page_id=37857

https://www.archive.org/details/@noor-e-marfat

Applied for Indexing in

https://orcid.org

http://tehqeeqat.org

https://www.brill.com

https://www.ebsco.com

https://www.noormag.ir

https://www.almanhal.com

https://www.scienceopen.com

https://www.aiou.academia.edu/NooreMarfat

https://www.scholar.google.com/citations?user=ZAJjGSMAAAAJ&hl=en

ISSN 2221-1659 Declaration No: 7334

سہ ماہی سماجی و دینی تحقیقی مجلّہ

نورِ معرفت

جلد: 11 شمارہ: 2 مسلسل شمارہ: 48

اپریل تا جون 2020ء بمطابق شعبان تا شوال 1441ھ

Recognized in "Y" Category by

Higher Education Commission, Pakistan.

مدیر

ڈاکٹر شیخ محمد حسنین نادر

نور الہدیٰ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)، اسلام آباد

E-mail: editor.nm@nmt.org.pk; noor.marfat@gmail.com

رجسٹریشن فیس پاکستان، انڈیا: 800روپے؛ مڈل ایسٹ: 70ڈالرز؛ یورپ، امریکہ، کینیڈا: 150 ڈالرز۔

مقالہ نگاروں کے لئے چند ضروری ہدایات

جیسا کہ مجلّہ نور معرفت کے نام سے واضح ہے، اس کا Scope سماجی، دینی علوم و موضوعات پر تحقیقی مقالات فراہم کرنا ہے۔ یہ مجلّہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر معاشرتی رواداری اور ادیان ومذاہب کے درمیان تعمیری مکالمے کی فضا کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ عدل وانصاف پر مبنی عالمی اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے فکری بنیادیں فراہم کرتا اور ٹھوس منطقی اور عقلی دلائل کی روشنی میں اسلامی تصوّرِ کائنات کا دفاع، اس کی ترویج اور عصر حاضر کے انسان کے عقیدتی اور فکری مسائل کا حل اسلامی تعلیمات کی روشنی میں پیش کرتا ہے۔ اس کے علاوہ، یہ مجلّہ یونیورسٹیز اور دینی علمی مراکز کے اساتذہ اور طلاب کے درمیان تحقیقی ذوق پیدا کرتا اوران کے ریسرچ ورک کو شائع کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی یکجہتی ، سالمیت، مذہبی رواداری اور باہمی محبت کے فروغ کو ہمیشہ پہلی ترجیح دی جاتی ہے۔ مجلّہ میں ایسے مقالات کی اشاعت ترجیح پر ہوتی ہے جو علمی، تحقیقی ہونے کے ساتھ عصر حاضر کے انسان کی عملی مشکلات کا راہ حل پیش کرتے ہوں۔

تفسیر وعلوم قرآن، حدیث ورجال، فقہ واصول، فلسفہ وکلام، سیرت وتاریخ، تقابل ادیان، تعلیم وتربیت، ادبیات، عمرانیات، سیاسیات، اقبالیات، تہذیب وتمدن اور قانون وغیرہ مجلّہ نور معرفت کے مستقل موضوعات ہیں۔ بطور کلی، تمام انسانی علوم پر اسلامی نکتہ نگاہ سے لکھے گئے مقالات کی مجلّہ ہٰذا میں اشاعت بلا مانع ہے۔ لہٰذا یہ مجلّہ علماء اور دانشور طبقہ کو دعوت دیتا ہے کہ وہ دینی، سماجی موضوعات پر اپنے قیمتی مقالات سے اس مجلّہ کے صفحات کو مزیّن فرمائیں۔ تاہم ضروری ہے کہ مقالات کی تدوین میں درج ذیل ہدایات کی مکمل پابندی کی جائے:

1. مقالہ غیر مطبوعہ اور ترجیحی بنیادوں پر کمپوز شدہ ہو۔ ترجیحی بنیادوں پر ایسے موضوع پر ہو جو ادارہ تجویز کرے۔
2. مقالہ کی ضخامت 5500 الفاظ سے کم اور 9000 الفاظ سے زائد نہ ہو۔ مقالہ کلیدی کلمات پر مشتمل ہو۔ نیز 140120- الفاظ پر مشتمل اردو، انگریزی خلاصہ (Abstract) بھی بھیجا جائے۔ مقالہ کی تیاری میں اصلی مآخذ اختیار کریں۔
3. اگر مقالہ کی Plagiarism Report 18% سے زائد ہوئی تو قابل اشاعت نہ ہوگا۔
4. مجلّہ کا مقالہ نگار کی تمام آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ لہٰذا مجلّہ مقالات کی تہذیب کا حق رکھتا ہے۔
5. مقالات Peer Review کے بعد ماہرین کی منظوری سے شائع کیے جائیں گے۔
6. **References** میں منابع (Sources) کا نام *Italicized* شکل میں لکھا جائے۔ نیز حوالہ جات اور کتابیات مقالہ کے آخر میں CMOS کے مطابق لکھی جائیں۔ کتاب سے حوالہ Endnotes کی صورت میں درج ذیل طریقہ سے تحریر فرمائیں:

Number. First name, Last name, *Title of Book* (City: Publisher, year), page[s] cited [or chapter number, if no page numbers], URL [incorporating DOI when possible]. For Example:

1. Peter W. Rose, *Class in Archaic Greece* (Cambridge: Cambridge University Press, 2012, 95).

1۔ المتقی الہندی، علاء الدین علی، *کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال*، ج12 (بیروت، دار الکتب العلمیۃ، 1424ھ)، 294۔

7. علمی تحقیقی مجلات سے حوالہ جات میں Endnote کے لئے درج ذیل طریقہ اپنائیں:

Number. First name Last name, ''Title of Article'', Journal volume, no. issue (year): page[s] cited, URL [when online version is consulted].

مثال کے طور پر:

1. Rex Buck Jr. and Wilson Wewa, "We Are Created from This Land", Oregon Hist orical Quarterly 115, no. 3 (2014): 303.
https://doi-org.uml.idm.oclc.org/10.5403/oregonhistq.115.3.02

1۔ سید رمیز الحسن، موسوی، "عبقات الانوار فی امامۃ الائمۃ الاطہار"، سہ ماہی سماجی، دینی تحقیقی مجلّہ نور معرفت، جلد 7، شمارہ 4 (2017): 170۔

https://iri.aiou.edu.pk/indexing/wp-content/uploads/2018/04/10-Abqat-ul-Anwar-fi-Imamat-il-Aemmatil-Athar", *Quarterly "Noor-e-Marefat* 7, no.4 (2017): 170.

8. کتب کی **Bibliography** کے لئے درج ذیل طریقہ اپنائیں:

Last name, First name. *Title of Book,* City: Publisher; year. URL [incorporating DOI when possible]. For example:
Rose, Peter W. *Class in Archaic Greece*. Cambridge: Cambridge University Press, 201.

مثال کے طور پر: الزبیدی، سید مرتضی، تاج العروس، بیروت، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، 1994ء۔

9. علمی تحقیقی مجلات کی **Bibliography** کے لئے درج ذیل طریقہ اپنائیں:

Last name, First name. "Title of Article", *Journal* volume, no. issue (year): page span. URL [when online version is consulted]. For example:
Buck, Rex, Jr. "We Are Created from This Land",*Oregon Historical Quarterly* 115, no. 3 (2014): 298-323.

مثال کے طور پر: موسوی، سید رمیز الحسن، "عبقات الانوار فی امامۃ الائمۃ الاطہار" سہ ماہی سماجی، دینی تحقیقی مجلّہ نور معرفت، جلد7، شمارہ 4 (2017): 165-184۔

https://iri.aiou.edu.pk/indexing/?cat=5128

10. اگر کسی کتاب کا مولف معلوم نہ ہو تو Endnote میں خود کتاب کا عنوان سب سے پہلے درج ہوگا۔ نیز اگر Endnote میں مطلوبہ بعض معلومات جیسے طباعت کا سال یا ناشر کا نام وغیرہ میسر نہ ہوں تو ان کی جگہ "ندارد" لکھا جائے۔ مثال کے طور پر:

ناصر مکارم، شیرازی، تفسیر نمونہ، ج1، ترجمہ: سید صفدر حسین نجفی (لاہور، مصباح القرآن ٹرسٹ، سن ندارد)، 58۔

11. معروف شہروں کے نام کے ساتھ ملک یا صوبہ کا لکھنا ضروری نہیں ہے۔ لیکن غیر مشہور شہروں کے نام کے ساتھ ملک، صوبہ کا نام لکھنا بہتر ہے۔ نیز صفحہ نمبر درج کرنے سے پہلے ص یا صص نہ لکھنا بہتر ہے۔ محض نمبر لکھنے پر اکتفاء کریں۔

12. کسی بھی منبع (Source) سے پہلی بار حوالہ میں منبع کی مکمل تفصیلات درج کریں۔ لیکن سابقہ منبع سے بلا فاصلہ حوالہ میں ایضا (Ibid) لکھیں اور اگر جلد یا صفحہ کی تبدیلی ہے تو درج کریں۔ مثال کے طور پر: ایضا، ج2، 109۔ لیکن اگر درمیان میں کسی دوسرے منبع کا حوالہ حائل ہوا ہے تو پچھلے منبع کے مصنف کا دوسرا نام، کتاب کا نام، جلد اور صفحہ نمبر درج کریں۔ مثال کے طور پر: شیرازی، تفسیر نمونہ، ج1، 121۔

13. کسی ایک مطلب کے بارے میں ایک سے زیادہ حوالہ جات دینے کی صورت میں ہر حوالے کو سابقہ حوالے سے (؛) کے ذریعے جدا کریں۔ مثال کے طور پر:

1۔ خورشید احمد، سوشلزم یا اسلام (دہلی، مرکزی مکتبہ اسلامی، 1982ء)، 61؛ حقی، شان الحق، فرہنگ تلفظ (اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، 2008)، 51۔

ضروری نوٹ: مزید معلومات کے لئے آن لائن Chicago Manual of Style Reference ملاحظہ فرمائیں۔

مجلس نظامت

مدیر اعلیٰ و ناشر — سید حسنین عباس گردیزی

محقق، مترجم و چیئرمین نور الہدیٰ ٹرسٹ، اسلام آباد۔

سرپرست اعلیٰ — پروفیسر سید امتیاز علی رضوی

ڈائریکٹر دی ایمز سکول اینڈ کالج، اسلام آباد۔

سرپرست — سید علی مرتضیٰ زیدی

چیئرمین فاونڈیشن برائے جامع سماجی ترقی، کراچی۔

معاون تحقیقی امور — سید رمیز الحسن موسوی

محقق، مترجم و ڈائریکٹر نور الہدیٰ مرکز تحقیقات، اسلام آباد۔

مجلس ادارت

ڈاکٹر شیخ محمد حسنین نادر

مدیر سہ ماہی مجلّہ نور معرفت، اسلام آباد۔

ڈاکٹر حافظ محمد سجاد

چیئرمین شعبہ بین المذاہب مطالعات، AIOU، اسلام آباد۔

ڈاکٹر سید نثار حسین ہمدانی

اے۔ جے۔ کے یونیورسٹی، آزاد کشمیر۔

ڈاکٹر روشن علی

اسٹنٹ پروفیسر اسلام آباد ماڈل کالج فار بوائز، اسلام آباد۔

ڈاکٹر قیصر عباس جعفری

معاون مدیر مجلّہ نور معرفت، اسسٹنٹ پروفیسر NDU، اسلام آباد۔

ڈاکٹر عبدالباسط مجاہد

شعبۂ تاریخ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

ڈاکٹر ساجد علی سبحانی

جامعۃ الرضا، اسلام آباد۔

ڈاکٹر کرم حسین ودھو

ممبر ریجنل ڈائریکٹوریٹ آف کالجز، لاڑکانہ۔

بین الاقوامی مجلس مشاورت

ڈاکٹر سید تلمیذ حسنین رضوی
نیوجرسی، امریکا

ڈاکٹر غلام حسین عدیل
لندن، برطانیہ

ڈاکٹر سید راشد عباس نقوی
تہران، ایران

ڈاکٹر سکینہ حسین
آسٹریلیا

ڈاکٹر عابد حسین حیدری
یو-پی، انڈیا

ڈاکٹر غلام حسین میر
قم، ایران

قومی مجلس مشاورت

ڈاکٹر سید قندیل عباس
ایس۔پی۔آئی۔آر۔ قائداعظم یونیورسٹی، اسلام آباد۔

ڈاکٹر عافیہ مہدی
لیکچرر نمل یونیورسٹی، اسلام آباد۔

ڈاکٹر محمد ریاض
بلتستان یونیورسٹی، اسکردو۔

ثاقب اکبر
چیئرمین البصیرہ ٹرسٹ، اسلام آباد۔

ڈاکٹر ندیم احمد بلوچ
المصطفیٰ انٹرنیشنل یونیورسٹی، اسلام آباد۔

رازق حسین
پی۔ایچ۔ڈی اسکالر بین الاقوامی تعلقات، QAU، اسلام آباد۔

معاون دفتری امور : **طاہر عباس طاہری**

کمپوزنگ و ڈیزائننگ : **بابر عباس**

مقالہ نگاروں کا تعارف

ڈاکٹر حافظ محمد ثانی۔ ڈائریکٹر سیرت چیئر، چیئرمین شعبہ قرآن اور سنت، فیڈرل اردو یونیورسٹی، کراچی۔

بخت شید۔ پی۔ایچ۔ڈی اسکالر (حدیث)، انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

محمد اکرم حریری۔ پی ایچ ڈی ALU، اسلام؛ سابق ریسرچ ایسوسی ایٹ، اکیڈمی آف اسلامک اسٹڈیز یونیورسٹی ملایا، ملائیشیا۔

شازیہ رشید عباسی۔ اسلامک اسٹڈیز ڈیپارٹمنٹ آف لیکچر، فیڈرل اردو یونیورسٹی، اسلام آباد۔

محمد اکرم۔ پی ایچ ڈی سکالر، یونیورسٹی آف گجرات، گجرات۔

ڈاکٹر محمد حسیب۔ اسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ یونیورسٹی آف گجرات، گجرات۔

تہمینہ فاضل۔ پی ایچ ڈی ڈی اسکالر، شعبہ اسلامی علوم بہاؤالدین ذکریا یونیورسٹی، ملتان۔

ڈاکٹر منزہ حیات۔ اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامی علوم بہاؤالدین ذکریا یونیورسٹی، ملتان۔

طالب علی اعوان۔ پی ایچ ڈی اسکالر، یونیورسٹی آف گجرات، گجرات۔

سید اسد علی کاظمی۔ پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ ادبیات فارسی، تہران یونیورسٹی۔

محمد انصر جاوید۔ پی ایچ ڈی اسکالر، گفٹ یونیورسٹی گوجرانوالہ۔

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر۔ ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ، اسلامک اسٹڈیز، گفٹ یونیورسٹی گوجرانوالہ۔

ڈاکٹر سید قندیل عباس۔ اسکول آف پولیٹکس اینڈ انٹرنیشنل ریلیشنز، QAU، اسلام آباد۔

سید فراز حسین نقوی۔ ریسرچ اسکالر ریجنل اسٹڈیز۔

رازق حسین۔ پی۔ایچ۔ڈی اسکالر بین الاقوامی تعلقات، QAU، اسلام آباد۔

فہرست

صفحہ	مقالہ نگار	موضوع	نمبر شمار
8	مدیر	اداریہ	۱
11	ڈاکٹر حافظ محمد ثانی	نبی اکرم ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کے سیاسی وثیقہ جات پر کتب- ایک تحقیقی جائزہ	۲
32	محمد اکرم	مغربی تہذیب کے رجحانات واثرات	۳
54	محمد انصر جاوید	(برصغیر کے ماثور تفسیری ادب کے تناظر میں) مکالمہ بین المذاہب کے اصول	۴
78	طالب علی اعوان	عصر حاضر کی اسلامی تحریکیں، مسلم امہ اور عالمی منظر نامہ	۵
102	محمد اکرم حریری	خدمت خلق، فلاح ونجات کا وسیلہ (اسلامی نقطہ نظر سے ایک تجزیاتی مطالعہ)	۶
117	تہمینہ فاضل	انسداد غربت وافلاس: سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں	۷
131	سید اسد علی کاظمی	مکلی کا قبرستان، ایک اہم ثقافتی، ادبی ورثہ	۸
ENGLISH ARTICLES			
1-19		***US HEGEMONIC INTERESTS AND THE STRATEGIC DILEMMA IN IRAQ*** *Syed Qandil Abbas*	۹
20-37		***HOW THE PRINCIPLE OF MASLAHA CAN GUIDE THE FOREIGN POLICY OF A MUSLIM STATE*** *Raziq Hussain*	۱۰

اداریہ

سماجی علوم میں سیاسی انتظامات یاPOLITICAL ARRANGMENTS کی اہمیت کا کوئی انکار نہیں۔ایک مسلم سماج ہونے کے ناطے اسلامی جمہوریہ پاکستان کا سیاسی نظام ہماری زندگیوں پر براہ راست اثرانداز ہوتا ہے۔ بیرونی دنیا کے ساتھ ہمارے تعلقات کی نوعیت بھی ہماری تہذیبی روایات کی تقویت یا تخریب کا موجب بنتی ہے۔جب تک مسلم ممالک، منجملہ مملکت خدادا پاکستان کی خارجہ پالیسی کے بنیادی خدّوخال، دین اسلام کے دیے گئے قالب کے اندر وضع نہیں کیے جاتے، ہمیشہ عالمی روابط کے دروازے سے عالمِ اسلام پر تہذیبی یلغار ہوتی رہے گی۔ بنابریں، تحقیقی معیارات پر یہ طے کرنا بہت ضروری ہے کہ ایک اسلامی مملکت کی خارجہ پالیسی کے بنیادی اصول کیا ہیں؟ اس حوالے سے خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے وہ وثیقہ جات جو آپ نے دنیا کے مختلف حکمرانوں کو لکھوائے، ایک انتہائی اہم SOURCE ہیں۔اسی طرح آپ کے بعد آپ کے خلفاء رضی اللہ عنہم نے بیرونی دنیا کے ساتھ اپنے تعاملات کی بنیاد جس منہج پر قائم کی اس کا مطالعہ اور اسے مسلمان ممالک کی خارجہ پالیسی کی تدوین کا منبع قرار دینا انتہائی ضروری ہے۔ اس حوالے سے مجلّہ نور معرفت کے زیر نظر شمارے میں ایک تحقیقی مقالہ "نبی اکرم ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کے سیاسی وثیقہ جات پر کتب۔ایک تحقیقی جائزہ" کے عنوان سے شامل ہے۔یقینا یہ مقالہ ریاست مدینہ کی خارجہ پالیسی کے استخراج میں بہترین معاون ثابت ہو سکتا ہے۔

اس شمارے کا ایک انگریزی مقالہ بھی HOW THE PRINCIPLE OF MASLAHA CAN GUIDE THE FOREIGN POLICY OF A MUSLIM STATE کے عنوان سے عالم اسلام اور بالخصوص مملکت خداداد پاکستان کی خارجہ پالیسی کے تدوین کے بنیادی اصولوں کی بحث پر مشتمل ہے۔ دراصل، آج کے نازک دور میں بین الاقوامی روابط نے جہاں انسانی سماج کی پیشرفت اور ترقی کی راہیں کھولی ہیں اور بیرونی دنیا سے کٹ کر صنعت، ٹیکنالوجی اور سماجیات و سیاسیات کے میدانوں میں پیشرفت ناممکن ہے، وہاں یہ روابط عالمِ اسلام میں تہذیبوں کے تعامل کی بجائے تہذیبی یلغار کو بطور ارمغان لائے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ مغربی تہذیب نے انتہائی غیر محسوس انداز میں اسلامی ممالک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔اس سے بڑاالمیہ یہ ہے کہ ہمارے ذہنوں سے اس غارت پر احساسِ زیاں بھی جاتا رہا ہے۔ اس پس منظر میں مغربی تہذیب کے رجحانات اور اسلامی معاشروں پر اس کے اثرات کا تحقیقی جائزہ لینا بہت ضروری ہے۔ مجلّہ نور معرفت کے تازہ ترین شمارے میں "مغربی تہذیب کے رجحانات واثرات" کے عنوان سے ایک اردو مقالہ اور US HEGEMONIC INTERESTS

AND THE STRATEGIC DILEMMA IN IRAQ کے عنوان سے ایک انگریزی مقالہ شامل ہیں۔ ان مقالات کا مطالعہ چشم کشا ہے۔ یہ مقالات عالم اسلام کے خلاف استعمار کی ریشہ دوانیوں اور غلبے کی منحوس توقعات سے پردہ کشائی کرتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ ان مقالات کی اشاعت ہمارے قارئین کو مسلم ممالک اور اسلامی تہذیب کی حفاظت کا بھرپور احساس دلائے گی۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ دَورِ حاضر کی تہذیبوں کی جنگ میں عالم اسلام کو DEFENSIVE کی بجائے OFFENSIVE پوزیشن اپنانے کی ضرورت ہے جس کا ہتھیار تیر و تبر نہیں، ادیان ومذاہب کے درمیان تعمیری مکالمے کا فروغ ہے۔ مجلّہ نور معرفت کی ایک عمدہ پالیسی یہی ہے۔ دراصل، اسلام تلوار کی جھنکار سے نہیں، اپنی عالیشان تہذیبی روایات، تعلیمات کی مضبوطی، استدلال کی منطق اور مکالمے کی بنیاد پر پھیلا ہے۔ تعمیری مکالمہ سے حق کی قبولیت کا امکان بہت بڑھ جاتا ہے جبکہ جنگ وجدال، بحث و تمحیص اور مناظروں میں مدّمقابل کو شکست تو دی جائے سکتی ہے لیکن اس سے عقول کو قانع اور قلوب کو رام نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا بین الادیان و المذاہب مکالمے کا فروغ، انسانی وحدت اور مسالمت کی طرف تنہا راستہ ہے جو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس مکالمہ کے بنیادی اصول مرتب کیے جائیں جن کی پیروی ضروری ہو۔ مجلّہ نور معرفت کے زیر نظر شمارے کا تیسرا مقالہ "برصغیر کے ماثور تفسیری ادب کے تناظر میں مکالمہ بین المذاہب کے اصول" کے عنوان سے ہماری مکالماتی ادبیات کو بہتر سے بہتر اور شگفتہ سے شگفتہ تر بنانے میں معاون ثابت ہوگا۔

اسلام کے عالمی پیغام کو پوری انسانیت تک پہنچانا اور عالمی اسلامی حکومت کے قیام کے لئے تگ ودَو کرنا، ایک ایسا اسلامی فریضہ ہے جس کے اثبات میں دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم اس امر کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے کہ آیا اس مقدس فرض کی تکمیل کی غرض سے اٹھنے والی تحریکیں صراطِ مستقیم پر رہیں یا اپنی جہت سے منحرف ہوئیں؟ کامیاب ہوئیں یا ناکام؟ صرف اسی تحلیلی تجزیہ کی روشنی میں مستقبل میں بہتر پالیسی اپنائی جاسکے گی۔ اس شمارے کا چوتھا مقالہ یہی جائزہ پیش کرتا ہے۔ "عصر حاضر کی اسلامی تحریکیں، مسلم امہ اور عالمی منظر نامہ" کے عنوان سے یہ مقالہ اسلامی دعوت اور ہدایت وارشاد کے بنیادی اسلامی اصول کی روشنی میں عالم اسلام میں اٹھنے والی مختلف اسلامی تحریکوں کا تعارف پیش کرنے کے ساتھ ساتھ، ان کے نکات قوّت وضعف سے پردہ کشائی کرتا ہے۔

اس شمارے کے اگلے دو مقالات کا تعلق سماجی فلاح وبہبود سے ہے۔ یہ مقالات درحقیقت، انسانی معاشروں کو درپیش اقتصادی چیلنجز سے نمٹنے کی عملی راہیں دکھاتے ہیں۔ پانچویں مقالے میں اسلامی نقطہ نظر سے "خدمت خلق، فلاح ونجات کا وسیلہ" کے عنوان سے اقتصادی استحصال کے جبر میں پسی انسانیت کے دکھوں کے مداوا کی عملی رہنمائی اور اخروی نجات اور فلاح کے حصول کی راہیں دکھائی گئی ہیں۔ اسی طرح چھٹے مقالہ میں "سیرت

طیبہ ﷺ کی روشنی میں انسداد غربت وافلاس" کے عنوان سے فقر وفاقے کا مقابلہ کرنے کی عملی تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ درحقیقت، ہمیں ہر میدان میں اسلامی تعلیمات کی بنیاد پر ایسے ضوابط اور پالیسیاں وضع کرنے کی ضرورت ہے جو انسانیت کو دنیاوی رنج والم سے حتی الامکان نجات دلا سکیں۔ اس غرض سے ہمیں اقتصادی میدان میں ترقی اور پیشرفت کے اسلامی اصولوں کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ امید ہے مجلّہ نور معرفت میں چھپنے والے یہ مقالات ہمارے پالیسی ساز اداروں کے لئے رہنمائی کا سامان فراہم کریں گے۔

"مکلی کا قبرستان، ایک اہم ثقافتی، ادبی ورثہ" کے عنوان سے مجلّہ نور معرفت کے اس شمارے کا آخری مقالہ بھی اپنی اہمیت وافادیت کے لحاظ سے دیگر مقالات سے کم نہیں۔ یہ مقالہ اپنی ثقافتی اور ادبی میراث کی اہمیت کا احساس دلانے کے ساتھ، اپنی حفاظت کرنے کی دُہائی دیتا ہے۔ ہر ملک و قوم کی ثقافتی اور ادبی میراث، اس کے تابناک ماضی اور شاندار استقبال کی علامت شمار ہوتی ہے۔ جو قومیں اپنی ثقافتی وادبی میراث کی حفاظت نہ کر سکیں، وہ ماضی کے آئینے میں اپنا مستقبل سنوارنے میں ناکام رہ جاتی ہیں۔ لہٰذا ارباب بست وگشاد کو یہ تلقین کہ وہ اپنی جغرافیائی، تاریخی، ثقافتی اور ادبی میراث کی حفاظت کریں، وہ نہیب ہے جو نور معرفت جیسے مجلات کی طرف سے مسلسل بلند ہوتی رہے تو بہت خوب ہے۔

یقیناً ان مقالات کے تمام مندرجات سے نہ خود ہمارا 100% اتفاق ضروری ہے اور نہ ہم اپنے قارئین سے کوئی ایسی توقع رکھتے ہیں۔ تاہم ان مقالات کی مجلّہ نور معرفت کے دامن میں جمع آوری اور اشاعت، ہمارا اعزاز ہے۔ ہم اپنی ہر اشاعت پر تنقیدی تبصروں کا پوری فراخدلی سے استقبال کرتے ہیں اور اگر یہ تبصرے تحقیقی اور معیاری ہوں تو انہیں مجلّہ نور معرفت کے دامن میں ضرور جگہ بھی دیتے ہیں۔ بہرصورت، ہمیں امید ہے کہ ہمارا یہ شمارہ، ہماری ملکی سالمیت اور تہذیبی ارتقاء کی راہیں ہموار کرنے میں معاون ومددگار ثابت ہوگا۔ ان شاء اللہ!

* * * * *

نبی اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے سیاسی وثیقہ جات پر کتب-ایک تحقیقی جائزہ

THE BOOKS ABOUT THE POLITICAL WRITE-UPS OF HOLY PROPHET(PBUH) & RIGHTEOUS CALIPHS(R.A) - A RESEACRH STUDY

Dr. Hafiz Muhammad Sani
Bakht Shaid

ABSTRACT

The importance of the letters and political contracts of the age of the Prophet and the righteous caliphs is evident for everyone in the academic world. When the Prophet laid down the foundations of the Islamic government in Medina, he established diplomatic relations with foreign countries, and wrote letters to different rulers to spread the Islamic call. Researchers have gathered these letters in their books, and have written many books on this issue. Dr. Hamidullah Khan has collected such letters in his book Majma' al-Wathai'q al-Siyasiyah fi al-Ahd al-Nabawi wa al-Khilafat al-Rashida. This article presents a brief overview of the books that were written during the period of the companions of the Prophets, along with a detailed introduction and a critical review of Dr. Hamidullah's book.

Key Words: *Epistle, Prophethood, Political Contracts, Righteous Caliphs.*

خلاصہ

علمی دنیا میں پیغمبرِ اسلام ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کے زمانہ کے مکتوبات اور سیاسی وثیقہ جات کی اہمیت سب پر عیاں ہے۔آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ میں جب اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی تو مختلف ممالک تک اسلامی دعوت کا پیغام پہنچانے کے لئے آپ ﷺ نے دنیا کے مختلف فرمانرواوں کو خط لکھے۔ محققین نے رسول اکرم ﷺ کے ان فرامین کو اپنی کتابوں میں محفوظ کیا اور اس موضوع پر بھی بہت سی کتابیں لکھیں۔ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم نے بھی " مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ فی العھد النبوی والخلافۃ الراشدۃؓ" کے نام سے مکاتیب کا ایک بیش بہا مجموعہ مرتب کیا ہے۔ اس آرٹیکل میں رسول اکرم ﷺ کے مکاتیب پر عہدِ صحابہ سے جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کا اجمالی تعارف پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر حمید اللہ کی کتاب کا تفصیلی تعارف اور تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔

کلیدی کلمات: مکاتیب نبوی، سیاسی وثیقہ جات، خلفائے راشدینؓ۔

رسولِ اکرم ﷺ کے مکاتیب اور سیاسی وثیقہ جات کی دینی وسیاسی اہمیت

رسول اکرم ﷺ نے نہ صرف مسلمانوں کے تحفظ کے لئے، بلکہ عالم گیر اور ہمہ گیر امن کی خاطر ایسے معاہدات کیے جن میں ہر شخص کو رائے اور ضمیر کی مکمل آزادی کے ساتھ ساتھ فیصلہ کرنے کا موقعہ دیا گیا۔ اس طرح سیرتِ مقدسہ کا یہ پہلو جو بین الاقوامی حیثیت رکھتا ہے، نمایاں ہو کر ہمارے سامنے ہے۔ "مکتوباتِ نبوی ﷺ" میں تمام ایسے سیاسی اور معاشرتی معاہدے شامل ہیں جن کے ذریعے مدینہ منورہ ایک ایسے متحد مرکز میں تبدیل ہو گیا، جو چند سال کی مختصر ترین مدت میں نہ صرف دینی وروحانی بلکہ سیاسی اور معاشرتی حیثیت سے بھی دنیا کا سب سے بڑا صدر مقام بن گیا۔ رسول اکرم ﷺ کے مکاتیب اور سیاسی وثیقہ جات میں "میثاق مدینہ" کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر حمید اللہ اپنی کتاب "رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی" میں رقمطراز ہیں کہ: "مکتوباتِ نبوی ﷺ کو جمع کرنے کا شوق عہدِ صحابہ ہی سے نظر آتا ہے، کسی دور کی سیاست کو سمجھنے کے لئے مورخوں کے عام تذکروں سے زیادہ اس دور کی سرکاری دستاویزوں پر اعتماد کرنا صحیح ہوتا ہے، اگرچہ عہدِ نبوی ﷺ کی بہت سی دستاویزیں زمانے کی دست بُرد سے اب ناپید ہو گئی ہیں، تاہم پھر بھی کسی اور قدیم نبی یا حکمراں کے برخلاف رسولِ عربی ﷺ کے سلسلے میں اس حوالے سے جتنا مواد محفوظ ہے، وہ بے نظیر ہے۔"[1]

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی کتاب "The First Written Constitution in the World" میں تحقیق اور دلائل سے ثابت کیا ہے کہ "میثاقِ مدینہ" جس کے لئے مکاتیبِ نبوی ﷺ اور عہدِ نبوی ﷺ کے "سیاسی وثائق" میں کتاب اور "صحیفہ" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، یہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور ہے۔[2] ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں: یہ معاہدہ اس عہد کی قانونی عبارت اور دستاویز نویسی کا ایک مکمل نمونہ ہے، اس کی اہمیت مسلم مورخوں سے کہیں زیادہ مغربی مفکرین نے محسوس کی۔ ولہاوزن، ولیم میور، گریملے، اسپرنگر، وینسنک، کاتتانی، پول وغیرہ کے علاوہ ایک جرمن محقق رانکے (Ranke) نے مختصر تاریخِ عالم لکھتے ہوئے بھی عہدِ نبوی ﷺ کی اس دستاویز کا ذکر کرنا ضروری خیال کیا ہے۔"[3] اس تحریری معاہدے کی بدولت بقول ولیم میور "آپ ﷺ نے ایک عظیم مدبّر حکومت اور سیاست دان کی طرح مختلف الخیال، مختلف العقیدہ اور باہم منتشر لوگوں کو متحد کرنے کا کام بڑی مہارت سے انجام دیا۔ آپ ﷺ ایک ایسی ریاست اور ایسے معاشرے کا آغاز کرنے میں کامیاب ہو گئے جو بین الاقوامیت کے اصول پر مبنی تھا۔"[4]

آپ ﷺ کے یہ مکاتیب، سیاسی وثیقہ جات اور معاہدات امن وسلامتی اور مذہبی رواداری کا واضح اعلان ہیں۔ یہ غیر مسلم شہریوں کے حقوق کا بنیادی ماخذ اور سیاسی اصول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بعد میں خلفائے اسلام نے غیر مسلم شہریوں کے لیے جو قانون بنائے، ان کی اصل بنیاد یہی معاہدات ہیں۔ عہدِ رسالت ﷺ کا یہ ریکارڈ آنحضرت ﷺ

کی سیرت، حضور اکرم ﷺ کے اخلاق و عادات، اسلامی عقائد، عبادات و تعزیرات کے بے شمار مسائل، اسلامی تہذیب و تمدن کی خصوصیات، حکومتِ اسلامی کے سیاسی نظریات اور اسلامی تاریخ کے اہم ابواب کے لئے یہ خطوط بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔[5] اس تناظر میں مکاتیب رسول اکرم ﷺ اور آپ کے سیاسی وثیقہ جات کی اہمیت بہت واضح ہے کہ یہ دستاویزات در حقیقت، عالم اسلام کے اندر ملکی و بین الاقوامی سیاسی روابط اور قوانین کی تشکیل کا بنیادی منبع ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ مکاتیب الرسول ﷺ اور عصر نبوی اور خلفائے راشدین کے عصر کے سیاسی وثیقہ جات کے منابع کی حتی الامکان تنقیح کی جائے تاکہ ان منابع سے استفادہ کرتے ہوئے ممالک اسلامیہ کے ارباب سیاست قانون سازی کر سکیں۔ عہد نبوی ﷺ اور خلفائے راشدین کے عصر کے مکاتیب اور سیاسی وثیقہ جات پر عالم اسلام کے معروف محقق، سیرت نگار اور مذہبی اسکالر ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تصنیف "الوثائق السیاسیۃ" ایک قابل ذکر اثر اور خاص اہمیت کی حامل کتاب ہے۔ اس بین الاقوامی شہرت یافتہ کتاب میں عہدِ نبوی ﷺ اور دورِ خلافتِ راشدہ کی تین سو سے زیادہ تحریری دستاویزات اور مکتوبات کو انتہائی محنت اور تحقیق و جستجو کے بعد جمع کیا گیا ہے۔ زیر نظر مقالہ میں اس کتاب کا ایک عملی، تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کے مکاتیب اور سیاسی وثیقہ جات کی تدوین کا مختصر جائزہ

اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں رسول اکرم ﷺ کے مکاتیب اور سیاسی وثیقہ جات کی تدوین کے شواہد ملتے ہیں۔ عرب قبائل رسول اکرم ﷺ کے دعوتی خطوط و رسائل اور آپ ﷺ کے مکتوباتِ گرامی کو قدر و منزلت، عزت و عظمت اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے اور آپ ﷺ کے مکتوبات کی ناقدر شناسی کو باعث وبال تصور کرتے تھے۔ اس امر کے بھی شواہد ملتے ہیں کہ قبیلہ کے افراد باقاعدہ جمع ہو کر ان کو پڑھتے اور سنتے اور اس امر کا بطور خاص اہتمام کرتے تھے۔ قاضی اطہر مبارکپوری اس حوالے سے لکھتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ نے سمعان بن عمرو بن قریط عرنی کے پاس دعوتی مکتوب روانہ فرمایا، جو چمڑے کے ایک ٹکڑے پر تحریر تھا۔ سمعان بن عمرو نے نامۂ مبارک سے اپنے ڈول کی پیوند کاری کردی۔ اس پر ان کی بیٹی نے ان سے کہا: ماأراك إلّا سيُصيبك قارعة اتاك كتاب سيّد العرب ﷺ فرقعتَ به دلوَك[6] یعنی: "میں دیکھ رہی ہوں کہ تم پر بہت جلد کوئی مصیبت آنے والی ہے، سیّد العرب ﷺ کا خط آپ کے نام آیا اور آپ نے اس سے ڈول کی پیوند کاری کردی۔" ابو عمارہ عبد خیر ہمدانی کا بیان ہے کہ: " میں بچپن میں اپنے وطن یمن میں تھا، اسی زمانے میں ہمارے قبیلے کے پاس رسول اللہ ﷺ کا دعوتی مکتوب آیا۔ اس کے پڑھنے اور سننے کے لئے باقاعدہ اہتمام کیا گیا۔ منادیٰ ہوئی، لوگ ایک میدان میں جمع ہوئے، میرے والد بھی گئے اور دوپہر تک وہاں سے واپس لوٹے۔ انہوں نے میری والدہ سے کہا: اے امِّ فلاں! ہم

مسلمان ہوگئے ہیں، تم بھی اسلام قبول کرلو۔ ہم نے دین (کفر وشرک پر مبنی اپنا سابقہ مذہب) بدل دیا ہے، تم بھی دین بدل ڈالو۔ "[7]

"مغازی" کے مشہور عالم مجالد بن سعید بن عمیر ہمدانی کوفی متوفی 144ھ کے دادا عمیر ذومران ہمدانی کے نام رسول اللہ ﷺ نے دعوت نامہ روانہ فرمایا تھا، جو قبیلہ بنو ہمدان میں محفوظ تھا اور مجالد بن سعید نے اس کی زیارت کی تھی، ان کا بیان ہے: کتاب رسول اللہ ﷺ الی جدّی عندنا[8] یعنی: "رسول اللہ ﷺ نے میرے داد کے نام جو خط لکھا تھا وہ ہمارے پاس موجود ہے۔" قاضی اطہر مبارکپوری نے رسول اکرم ﷺ کے بعض مکتوباتِ گرامی اور سیاسی وثیقہ جات کے حوالے سے اس قسم کی متعدد روایتیں اور نظائر پیش کیے ہیں۔[9] اس سلسلے میں ایک روایت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ ہلال بن حارث مزنی کو رسول اللہ ﷺ نے ایک قطعۂ زمین کی جاگیر عنایت فرما کر تحریر لکھوا دی۔ بعد میں ان کی اولاد نے وہ زمین حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ہاتھ فروخت کردی۔ اس سلسلے میں راوی کا بیان ہے: وجاؤا بکتاب القطعة التی قطعها رسول الله لأبیهم فی جریدة قال: فجعل عمر یمسحها علیٰ عینیه[10] یعنی: "ہلال بن حارث کی اولاد رسول اللہ ﷺ کا مکتوب لائی، جو ان کے والد کے نام ایک شاخ پر تحریر تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیز بار بار اسے اپنی آنکھوں سے لگاتے تھے۔"

نجران کے عیسائی وفد کو رسول اللہ ﷺ نے جو "صلح نامہ" عنایت فرمایا تھا، وہ مدتوں ان کے پاس محفوظ رہا، اس سلسلے میں بلاذری نے لکھا ہے: یحیٰ بن آدم قال: أخذتُ نُسخة کتاب رسول الله ﷺ لأهل نجران من کتاب رجل عن الحسن بن صالح و هی بسم الله الرّحمٰن الرّحیم هذا ما کتب النّبیّ رسول الله محمد للنّجران[11] ابن سعد نے ستّر سے زائد وفود کا تذکرہ کیا ہے، جو اپنے قبائل کے نمائندے اور ترجمان کی حیثیت سے خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے۔ ان کے ارکان کی تعداد بعض دفعہ چار سو یا اس سے زائد ہوتی تھی۔ قبائل اپنے وفود کی روانگی کے لیے بڑا اہتمام کرتے تھے، شیوخ وسردار، اعیان واشراف، شعراء وخطباء اور صاحبِ حیثیت افراد کا انتخاب ہوتا تھا، ان سب کے نام لکھے جاتے تھے، ارکان وفد اپنے قبائلی اور روایتی لباس وہیئت میں سج دھج کے ساتھ مدینہ منورہ حاضر ہوتے تھے، واپسی پر ارکانِ وفد کو گراں قدر عطیات سے نوازا جاتا تھا اور بنیادی امور کے لیے تحریریں دی جاتی تھیں۔ یہ تحریریں رسول اکرم ﷺ کے مکاتیب، وثیقہ جات کی حیثیت رکھتی تھیں، جنہیں یہ قبائل بڑے اہتمام سے محفوظ رکھتے تھے۔[12]

مکاتیبِ نبوی ﷺ کی خصوصیات وامتیازات

رحمۃ للعالمین ﷺ کے خطوط اور مکتوبات میں طوالتِ بیان، عبارت آرائی، تکلّف وتصنّع اور لفظ و بیان کی نمائش کے بجائے سادگی، حقیقت پسندی، بے تکلفی اور اختصار کا طرز نمایاں ہے۔ ان میں پیغمبرانہ امانت وصداقت کے انتہائی

عزم و یقین کے ساتھ حق کی دعوت ہے۔ اصول دین کی تبلیغ ہے۔ سیاسی اور معاشرتی معاہدوں میں جن سے عہد نبوی ﷺ کی سیاسی تاریخ واضح ہوتی ہے۔ مقبوضہ املاک کی بحالی کا وعدہ ہے۔ اسلام کے احکام و مصالح اور تشریعی مسائل وغیرہ امور کا ذکر ہے۔ آپ ﷺ کے وثیقہ جات اور مکتوبات کے ایک ایک لفظ سے مخاطب کے لیے درد مندی اور خیر اندیشی کے دلی جذبات مترشح ہوتے ہیں۔ ان کا اندازِ بیان "از دل خیزد، بر دل ریزد" کی اپنی مثال آپ ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ زمانے کے انقلابات اور لیل و نہار کی ہزاروں گردشوں کے باوجود ان میں آج بھی وہی نورِ ہدایت اپنی پوری تابناکی اور رعنائی کے ساتھ جلوہ آرا ہے، جس نے چودہ سو سال پہلے دنیا میں ایک عظیم انقلاب بر پا کیا۔[13] عہدِ نبوی ﷺ کے وثیقہ جات اور مکتوباتِ نبوی ﷺ میں جن لوگوں سے خطاب کیا گیا ہے وہ چار مشہور مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے تھے۔ مشرکینِ عرب، عیسائی، یہودی اور زرتشتی (مجوسی)، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مکتوبِ گرامی اہل سندھ کی جانب بھی ارسال فرمایا تھا، جو نتیجہ خیز ثابت ہوا اور سندھ کے کچھ لوگ مشرف بہ اسلام ہو کر بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے۔ ہرقل (Herclius) اور مقوقس (Muqawqis) کے نام جو خطوط لکھے گئے، ان میں آپ ﷺ کے اسم گرامی کے ساتھ عبداللہ (خدا کا بندہ) خصوصیت کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ اس میں مکتوب الیہم کے عقیدے کی نہایت لطیف پیرائے میں تردید کی گئی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کا رسول، اللہ کی مخلوق ہے، نہ کہ "اس کا بیٹا" جیسا کہ عیسائیوں میں حضرت مسیح علیہ السلام اور یہودیوں میں حضرت عزیر علیہ السلام کے متعلق عقیدہ پایا جاتا ہے۔[14]

شہنشاہِ فارس خسرو پرویز وغیرہ کے نام خط میں اللہ کی توحید پر خاص زور دیا گیا ہے، کیوں کہ فارس کے زرتشتیوں کے یہاں یزداں واہر من، یعنی خیر و شر کے دو خداوں کا عقیدہ موجود تھا۔ اس لیے انہیں یہ بتانے کی ضرورت تھی کہ اللہ ایک ہے اور صرف وہی عبادت کے لائق ہے۔ پھر صاف لفظوں میں اسلام کے عالم گیر مذہب ہونے اور اقوام عالم کی جانب اپنے مبعوث ہونے کا اعلان کیا گیا ہے، تاکہ زرتشتیوں کو جو نبوت کے مفہوم سے ناآشنا تھے، یہ خیال نہ ہو کہ آپ ﷺ صرف عربوں کی اصلاح کے لیے مامور ہوئے ہیں، اس کی تردید کر کے بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ تمام اقوام کے لیے اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ بت پرست مشرکینِ عرب کے نام خطوط میں بھی اللہ کی توحید پر خاص زور دیا گیا ہے اور غیر اللہ کی عبادت سے روکا گیا ہے، جو اس زمانے کا عام رواج ہو چکا تھا۔ یہود کے نام نامۂ مبارک میں تورات کے حوالے سے اپنی نبوت پر استدلال کیا گیا ہے۔ تمام مکتوباتِ گرامی میں جو چیز قدرِ مشترک ہے، وہ توحیدِ ربّانی، اسلام کی دعوت اور دینی احکام و مسائل ہیں۔[15] آپ ﷺ کے وثائق اور مکاتیبِ گرامی عموماً حسب ذیل اجزائے ترکیبی پر مشتمل ہیں:

(الف) شروع میں بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم۔

(ب) بحیثیت مرسل رسول اللہ ﷺ کا اسمِ گرامی مع ضروری صفات اور کوئی ایسا لفظ جن سے من جانب کا مفہوم ادا ہوتا ہو۔

(ج) مکتوب الیہ کا نام مع لقب۔

(د) امن وسلامتی کا مفہوم ادا کرنے والا فقرہ۔

(ہ) نامۂ مبارک کا مضمون مختصر، پرزور اور شستہ الفاظ میں۔

(و) آخر میں مہرِ نبوی ﷺ۔[16]

وثائق اور مکتوباتِ نبوی ﷺ کی جامعیت اور اثر انگیزی

مکتوباتِ نبوی ﷺ میں لطافت ہے۔ انشا پردازی ہے، ایجاز واختصار ہے۔ اُنس و محبت کی فضا ہے۔ ان میں عام انسانی جذبے کو متاثر کرنے کے جملہ عناصر موجود ہیں، جملے عموماً چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔ خطوط کے الفاظ نہایت معنیٰ خیز ہیں۔ یہ اس عظیم اور انقلاب آفریں شخصیت کی تحریریں ہیں، جس نے پوری دنیا کے فکر و تصور کے زاویے بدل دیے، جس نے دور جاہلیت کی عرب جیسی پسماندہ قوم کو سارے جہاں کی قیادت بخش دی۔ اس نے ایک دین عطا کیا۔ ایک طرزِ حیات سکھایا، ایک نئی سیاست اور تہذیب دی۔ نیا نظام عدالت بخشا، ایک صحت مند حکمت اور سرگرم عمل دانش عنایت کی۔ ایسے ضوابط دیے جو پوری دنیا میں انسانوں کے ایک عظیم گروہ کا چودہ سو برس سے ہر مشکل اور تاریخ کے ہر نئے موڑ پر ساتھ دیتے رہے ہیں۔ ان خطوط میں تبلیغی جذبے کی آبیاری کا سامان بھی ہے اور تزکیۂ باطن اور اصلاح نفس کے لیے رہنمائی بھی موجود ہے۔ اس طرح یہ خطوط انفرادی اور اجتماعی دونوں لحاظ سے اپنے اندر بڑی اہمیت اور ہمہ گیر افادیت رکھتے ہیں اور نسل انسانی کے ہر فرد بشر کے لیے مشعلِ راہ اور شمع ہدایت ہیں۔[17]

عہدِ نبوی ﷺ کے وثیقہ جات اور آپ ﷺ کے مکتوباتِ گرامی کی علمی و ادبی اہمیت

عہدِ نبوی ﷺ کے وثیقہ جات اور آپ ﷺ کے مکتوبات بڑی علمی اور ادبی اہمیت کے حامل ہیں۔ علی بن حسین علی الاحمدی نے اپنی کتاب ''مکاتیب الرسول ﷺ'' میں رسولِ اکرم ﷺ کے مکتوباتِ گرامی کی علمی و ادبی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا: "ان کی علمی وادبی اہمیت مسلّم ہے، اثرانگیزی نمایاں ہے،ان میں مطلوبہ مقاصد کی ترجمانی، جامعیت وہمہ گیریت، علمی وادبی اسلوب، اختصار و معنویت، کلام کی سادگی، پر تکلف جملوں سے گریز، غیر ضروری طوالت اور فلسفیانہ موشگافیوں سے دامن بچاتے ہوئے پیغام کی اثر انگیزی اور مقاصد و اہداف کے حصول

کو بنیادی اہمیت دی گئی ہے۔"[18] مولانا سیّد محبوب احمد رضوی عہدِ نبویﷺ کے سیاسی وثیقہ جات اور مکاتیبِ نبویﷺ کی علمی وادبی اہمیت کے متعلق لکھتے ہیں:

"حضور اکرمﷺ کے مکاتیب عام طور پر بہت مختصر ہوتے ہیں۔ ان میں لفظ و بیان کی نمائش کے بجائے سادگی اور حقیقت پسندی کا طرز نمایاں ہے۔ ان میں فلسفیانہ موشگافیوں اور منطقی نکتہ آفرینیوں کے بجائے پیغامِ نبویﷺ کی سادگی، دل نشینی اور خلوص کا نقش دل پر اثر کرتا جاتا ہے۔ آپﷺ سادہ اور عام فہم انداز میں اپنی دعوت کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانا چاہتے تھے۔ دوسرے رہنمائوں کی طرح یہ جذبہ کارفرمانہ تھا کہ خطوط کے ذریعے اپنی سیادت و قیادت کے لیے زمین ہموار کی جائے اور اس طرح اپنی پرزور نگارش اور سحر بیانی کا مظاہرہ کرکے مرعوب بنایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ مکاتیبِ نبویﷺ میں حشووزوائد کا کہیں دور دور تک گزر نہیں ہے، یہ مقدس تحریریں روح پرور بھی ہیں اور ایمان افروز بھی۔ یہ جہاں اپنی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہیں۔ وہیں دوسری جانب ان میں وہ گہرائی اور کشش بھی ہے، جو لکھنے والے کی صداقت پر دلالت کرتی ہے۔ یہ وثائق اور مکاتیب صدق و راستی کی ایک دنیا اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ ان کے چند لفظوں میں جو کشش ہے، وہ ایک پورے دفتر میں نہیں مل سکتی۔ ان خطوط کے مطالعے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ساتویں صدی عیسوی کا اندازِ فکر کیا تھا؟ روح کی تشنگی اور دلوں کی بیداری کا کیا عالم تھا؟ کفر کی سیاہی اور شرک کی ظلمت کی کیا کیفیت تھی؟ اسلام جو اس وقت کا ایک بڑا انقلاب تھا، کیا پیغام لے کر آیا؟ اور اس پیغام کے جو اثرات و نتائج مرتب ہوئے، ان کی نوعیت کیا تھی؟ عہدِ نبویﷺ کے انقلاب کو سمجھنے میں یہ مکتوباتِ گرامی بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ مکتوب الیہم جن میں عیسائی، یہودی، مجوسی اور مشرک، ہر طرح کے افراد شامل تھے۔ آپﷺ نے انہیں کس طرح مخاطب فرمایا۔ ان سے کس حسنِ سلوک کے ساتھ پیش آئے؟ اور یہ کہ خود ان لوگوں پر کیا اثرات مرتّب ہوئے؟ انہوں نے اسلام کا خیر مقدم کیا، یا اسے رد کر دیا؟ یہ سب باتیں مکاتیبِ نبویﷺ سے معلوم ہوتی ہیں۔"[19]

عہدِ رسالتﷺ میں سیاسی وثیقہ جات اور مکاتیبِ نبویﷺ تحریر کرنے والے حضرات صحابہ کرام

عہدِ نبویﷺ کے سیاسی وثیقہ جات اور رسول اکرمﷺ کے مکتوباتِ گرامی کے حوالے سے یہ بات بھی اہم ہے کہ عہدِ نبویﷺ کے انتظامی کارپردازوں میں کاتبینِ نبویﷺ کو بڑی اہمیت حاصل تھی کہ وہ وحیٔ الٰہی جو قانونِ اسلامی کا اولین واہم ترین سرچشمہ ہے، کے علاوہ معاہدات وخطوط وفرامین کے لکھنے والے اور نبویﷺ انتظامیہ کے سیکریٹری تھے۔ متعدد مورخین اور مصنفین کے یہاں ان کی تعداد مختلف ہے، تحقیق کے مطابق ان کی کم از کم تعداد پینتالیس تھی، امکان یہ ہے کہ ان کی تعداد اس سے کہیں زیادہ رہی ہوگی۔ اس کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ رسولِ اکرمﷺ کو جب ضرورت ہوتی تو آپﷺ موجود لوگوں میں سے کسی سے بھی یہ خدمت لے لیتے، البتہ

مخصوص اور اہم خدمات کے لیے مخصوص حضرات ہی متعین تھے، جیسا کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان اموی اور حضرت زبیر بن عوام اسدی وغیرہ کی مثالوں سے معلوم ہوتا ہے۔[20]

محمود شیت خطاب نے اپنی کتاب ''سفراء النبی ﷺ'' میں رسول اکرم ﷺ کے مکاتیب گرامی اور سیاسی وثیقہ جات تحریر کرنے والے صحابہ کرام کا تفصیلی تذکرہ کرتے ہوئے نام بنام ہر ایک کا مختصر تعارف کرایا ہے۔[21] سیاسی وثائق، خطوط وفرامین اور آپ ﷺ کے مکتوبات لکھنے والوں میں سر فہرست حضرات میں حضرت علی مرتضیٰ ہاشمی، ابی ابن کعب خزرجی، معاویہ اموی، خالد اموی، مغیرہ ثقفی، علاء بن عقبہ، ارقم مخزومی، ثابت خزرجی، عثمان اموی، شرحبیل کندی، جہیم بن صلت مطلبی، علاء بن حضرمی، عبداللہ بن زید انصاری، عبداللہ بن ابی بکر تیمی، محمد بن مسلمہ اوسی، زبیر بن عوام اسدی، قضاعی بن عمرو، ابان اموی، یزید بن ابی سفیان اموی، ابوسفیان بن حرب اموی، عامر بن فہیرہ تیمی، طلحہ بن عبیداللہ تیمی، عبداللہ بن رواحہ خزرجی، خالد بن ولید مخزومی، حاطب وحویطب (فرزندان عمرو) عامری، حذیفہ بن یمان غطفانی اوسی، حصین بن نمیر، ابو ایوب انصاری، معیقب بن ابی فاطمہ دوسی، عمرو بن عاص سہمی، بریدہ بن حصیب اسلمی، ابوسلمہ مخزومی، عبدربہ، عبداللہ بن عبداللہ بن ابی بن سلول خزرجی کے اسمائے گرامی مذکورہ بالا کاتبین وحی کے علاوہ بتائے جاتے ہیں۔ یہاں بھی اس امکان سے صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا کہ ان کے علاوہ متعدد دوسرے صحابۂ کرام بھی اس طبقے میں شامل تھے۔[22]

جبکہ مخصوص معاملات کے کاتبوں میں حضرت حصین بن نمیر اور مغیرہ بن شعبہ شامل تھے، جو خفیہ امور سے متعلق دستاویزات تحریر کرتے تھے۔ جبکہ حضرت زبیر بن عوام اور جہیم بن صلت صدقات و محاصل کے کاتب تھے۔ حضرت حذیفہ بن یمان اراضی کی پیداوار کے اور حضرت شرحبیل بن حسنہ بادشاہوں اور حکمرانوں کے نام فرامین رسالت کے کاتب تھے۔ حضرت معاویہ اموی کا بعض مواقع پر خاص طور سے انتظار کیا گیا تھا۔ حضرت معیقب بن ابی فاطمہ دوسی نہ صرف کاتبِ نبوی ﷺ تھے، بلکہ صاحبِ خاتم نبوی ﷺ بھی تھے۔ ایک روایت کے مطابق یہی خدمت حضرت حنظلہ بن ربیع اسدی بھی انجام دیتے تھے۔[23] ان کاتبوں کا تعلق سابقین، متوسطین اور متاخرین اسلام تینوں طبقات سے تھا۔ سترہ کے لگ بھگ سابقین اولین میں بقیہ میں سے اکثر متاخرین میں شامل تھے۔ اکثر و بیشتر جوان طبقہ کے تھے، تقریباً اکتیس حضرات کا تعلق وسطی قبائل قریش وانصار سے تھا، جب کہ بقیہ میں سے اکثر ان کے حلیفوں میں شامل تھے۔ ایک دو کے سوا جن کا تعلق مشرقی ومغربی قبائل ثقیف واسلم سے تھا، سب کے سب مکہ کے مہاجر یا مدینہ کے انصار اور باشندے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان سب کی تقرری ان کے کاتب ہونے کی صلاحیت کے علاوہ ان کی دیانت وامانت اور اعلیٰ کردار کے سبب ہوئی تھی۔[24] کاتبینِ نبوی ﷺ کی مجموعی تعداد چھپن (56) تک پہنچتی ہے، ان کاتبین نبوی ﷺ کو پانچ قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

1) وہ حضرات صحابہ جن سے رسول اکرم ﷺ قرآنی آیات اور خطوط لکھواتے تھے، ایسے حضرات چونتیس (34) ہیں۔ جنہیں کاتبین نبی ﷺ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
2) کاتبین جامعین۔ یعنی وہ حضرات صحابہ جو بطورِ خود قرآن کریم کو کتابت و تحریر کے ذریعے ضبط اور جمع فرماتے تھے، ان کی تعداد چھ ہے۔
3) کاتبینِ مصاحف۔ یعنی وہ حضرات جو مصاحفِ عثمانی کی کتابت میں شریک رہے ہیں۔ یہ تین ہیں۔
4) کاتبینِ حدیث۔ یعنی وہ حضرات جو وحی خفی اور احادیثِ نبوی ﷺ کی کتابت کا خاص طور پر اہتمام فرماتے تھے۔ یہ سات ہیں۔
5) کاتبینِ محض۔ یعنی وہ حضرات جو طرزِ کتابت اور اسلوبِ تحریر سے بخوبی واقف تھے، ایسے حضرات چھ ہیں۔ اس طرح پانچوں اقسام پر مشتمل حضراتِ کاتبینِ صحابہ کی کل تعداد چھپن (56) ہو جاتی ہے۔[25]

رسولِ اکرم ﷺ کے سیاسی وثیقہ جات اور مکتوباتِ گرامی پر لکھی گئی کتب، عہد بعہد کتابیاتی جائزہ

عہدِ نبوی ﷺ دورِ خلافتِ راشدہ، اموی اور عباسی عہد کے اوائل تک رسول اکرم ﷺ کے مکاتیب، سیاسی وثیقہ جات اور عہدِ خلافتِ راشدہ کی سیاسی، دعوتی معاہداتی اور دیگر تحریروں کو شخصی اور ذاتی طور پر محفوظ کیا جاتا رہا۔ متعدد صحابہ کرام نے ان کی حفاظت کا تحریری اہتمام کیا اور یوں یہ سرمایہ عہد بعہد محفوظ ہوتا رہا۔ تاوقتیکہ اس کی باقاعدہ تدوین عمل میں آئی۔ رسول اکرم ﷺ اپنے عہد نامے، صلح نامے، قطائع نامے، دعوت نامے اور اس قسم کی دیگر تحریریں اور رسائل ان کاتبوں سے املاء کراتے تھے، پھر ان کو سن کر توثیق و تصدیق فرماتے تھے، اس لیے یہ تحریریں وحی الٰہی کے بعد بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ ان کے مستند اور معتبر ہونے میں کسی شک و شبہے کی گنجائش نہیں۔[26] رسول اللہ ﷺ کے ان مکاتیبِ گرامی اور وثائق پر مشتمل تحریروں کی اہمیت کا اندازہ مشہور تابعی امام محمد بن سیرین متوفی 110ھ کے اس قول سے ہوتا ہے جس میں انہوں نے فرمایا: لوکُنتُ متخذًا کتاباً لاتخذتُ رسائل النّبی ﷺ[27] یعنی: "اگر میں احادیثِ نبوی ﷺ کو کتاب میں لکھتا تو رسول اللہ ﷺ کے خطوط، مکاتیب اور رسائل کو ضرور لکھتا۔"

ان مکاتیب کی ابتدا ہی سے اہمیت تسلیم کی گئی اور حتیٰ المقدور تمام امکانی کوششوں کو بروئے کار لاتے ہوئے رسول اکرم ﷺ کے مکاتیب گرامی اور وثائق کو محفوظ کیا جاتا رہا۔ اس سلسلے میں مکاتیبِ نبوی ﷺ کی باقاعدہ تدوین اور انہیں کتابی شکل میں جمع کرنے کا سہرا علامہ ابوالحسن علی بن محمد المدائنی المتوفی 215ھ کے سر ہے، جنہوں نے عہدِ

نبویﷺ کے وثائق اور مکتوباتِ گرامی کو باقاعدہ تحریری شکل میں مدوّن کیا۔ ابن ندیم نے "مکاتیب" کے موضوع پر ان کی مندرجہ ذیل تصانیف کا ذکر کیا ہے:

(1) کتاب عہود النّبیﷺ (2) کتاب رسائل النّبیﷺ (3) کتاب صلح النّبیﷺ (4) کتاب کتب النبیﷺ (5) کتاب من کتب النّبیﷺ (6) کتاب الخاتم والرسل[28]

علامہ ابوالحسن علی بن المدائنی کی مذکورہ بالا تصانیف کے بعد وادی مہران، باب الاسلام سندھ کے نامور محدث، ابو جعفر محمد بن ابراہیم الدیبلی المتوفی 322ھ کو یہ شرف اور امتیاز حاصل ہے کہ "مکاتیب" کے موضوع پر دستیاب باقاعدہ کتابوں میں موصوف کی کتاب ''مکاتیب النبیﷺ'' کو اولین کتاب کی حیثیت حاصل ہے۔ محدث ابو جعفر الدیبلی نے اس جزء میں رسول اکرمﷺ کے پچیس (25) مکتوبات گرامی جمع کیے ہیں۔ تمام کے تمام مکاتیب حضرت عمرو بن حزم سے مروی ہیں۔ یہ مکاتیب مختلف موضوعات سے متعلق ہیں۔ بعض ان میں جاگیر کے وثیقے ہیں۔ بعض امان نامے ہیں اور بعض دیگر احکام ہیں۔ ان میں ایک تفصیلی ہدایت نامہ بھی ہے جو آنحضرتﷺ نے حضرت عمرو بن حزم کے لیے اس وقت تحریر کروایا تھا جب انہیں یمن کا حاکم مقرر کرکے بھیجا جارہا تھا۔[29]

بعد ازاں 779 ھجری میں محمد بن علی بن احمد بن حدیدۃ الانصاری نے "المصباح المُضیٔ فی کتاب النّبی الأمّی و رسلہ إلی ملوك الأرض من عربی وعجمی" کے عنوان سے کتاب تصنیف کی۔[30] یہ کتاب دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن سے 1397ھ میں شائع ہوچکی ہے۔ اس کتاب کو انہوں نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، پہلے حصے میں آنحضرتﷺ کے کاتبین اور سفراء کا تذکرہ ہے اور دوسرا حصہ مکاتیب پر مشتمل ہے، اس میں بیشتر مکاتیب وہ ہیں جو رسول اکرمﷺ نے مختلف فرماں روایان مملکت کو ارسال فرمائے تھے۔[31]

اس کے بعد محمد بن طولون الصالحہ الدمشقی المتوفی 953ھ کی کتاب ''اعلام السائلین عن کتب سیدالمُرسلینﷺ'' کا پتا چلتا ہے۔ صلاح الدین المنجد کے مطابق یہ کتاب 1348ھ میں مطبعۃ القدسی دمشق سے شائع ہوچکی ہے۔[32] حافظ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی المتوفی 902ھ نے متعلقہ موضوع پر عمارہ بن زید کی ایک کتاب کا ذکر کیا ہے جس کا عنوان "مکاتبات النبیﷺ للأشراف والملوك" ہے۔[33] بارہویں صدی ہجری میں محمد احمد الحمدی الفحصی نے "تحفۃ الظرفاء فی الجمع مافی الکلاعی من الرسائل النبویۃ والصحابۃ والخلفاء" کے نام سے اس موضوع پر کتاب مدون کی۔ علاوہ ازیں، ابوالحجاج حافظ کی "من رسائل النبیﷺ" قاہرہ سے، علی حسین علی احمدی کی کتاب "مکاتیب الرسولﷺ" قم ایران سے 1379ھ اور بعد ازاں دارالمھاجر بیروت سے شائع ہوئی۔[34] عبدالرضا علی کی "مجموعۃ رسائل النبیﷺ" نجف عراق سے 1964ء میں عون الشریف قاسمی کی "دبلوماسیۃ محمدﷺ" خرطوم

سوڈان سے بغیر سن اور تاریخ کے ذکر کے طباعت سے آراستہ ہوئی۔[35] مذکورہ موضوع پر خالد سیّد علی کی کتاب "رسائل النّبی ﷺ الیٰ الملوک والأمراء والقبائل" مکتبۃ التراث کویت سے 1407ھ میں شائع ہوئی۔ جب کہ عرب مصنف علی بن حافظ بن سالم الوداعی کی کتاب "فقہ الدّعوۃ فی رسائل الرّسول ﷺ الیٰ الملوک والأمراء" وزارۃ التعلیم العالی جامعہ طیبہ المملکۃ العربیۃ السعودیۃ " سے شائع ہوئی، جس میں رسول اکرم ﷺ کے مکتوباتِ گرامی اور سیاسی وثیقہ جات کی روشنی میں دعوت و تبلیغ کے اسالیب کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ مکتوباتِ نبوی ﷺ کو بھی پورے اہتمام سے جگہ دی گئی ہے۔ اسی طرح احمد زکی صفوت نے "جمہرۃ رسائل العرب فی عصور العربیۃ الزّاہرۃ" مطبوعہ المکتبۃ العلمیہ، بیروت میں بھی رسول اکرم ﷺ کے مکاتیب اور سیاسی وثیقہ جات کو مرتّب ومدوّن کیا گیا ہے۔

متعلقہ موضوع پر ابو بہلول غلام الرسول عائلی نقشبندی سندھی کی کتاب "جامع مکاتیب الرّسول ﷺ" کے نام سے دو جلدوں میں کاتب پبلشرز، لاڑکانہ (سندھ) سے 1432ھ/2011ء میں شائع ہوئی۔ "جامع مکاتیب الرسول ﷺ" میں جوکہ بارہ 12 ابواب پر مشتمل ہے، امام الانبیاء، سیّد المرسلین، ہادیِ اعظم حضرت محمد ﷺ کے 434 مکتوباتِ گرامی کو متعلقہ موضوع پر بنیادی مصادر و مراجع کی روشنی میں بھرپور استفادے کے بعد مرتّب و مدوّن کیا گیا ہے۔ ہر مکتوبِ گرامی کا مکمل عربی متن، مآخذ و مراجع کا مکمل حوالہ اور سلیس و عام فہم اردو ترجمہ تحریر کیا گیا ہے۔ بلاشبہ یہ اپنے موضوع پر ایک جامع تحقیقی کام اور گراں قدر علمی کاوش ہے۔ "جامع مکاتیب الرسول ﷺ" میں عربی، اردو، انگریزی کی 350 سے زائد کتب کی طویل فہرست مؤلفِ کتاب کی اس سلسلے میں بھرپور سعی و کوشش اور تحقیق کا پتہ دیتی ہے۔[36]

صاحبزادہ عبدالمنعم خان کی ضخیم کتاب "رسالتِ نبویہ ﷺ" عربی اور اردو ترجمے کے ساتھ 1936ء میں دہلی سے شائع ہوئی۔ جبکہ اردو زبان میں اس موضوع پر مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی کتاب "مکتوباتِ سید المرسلین ﷺ" ابتدا میں دہلی سے، بعد ازاں مختلف اشاعتی اداروں اور حال ہی میں لاہور کے اشاعتی ادارے مشتاق بک کارنر سے 2004ء میں دو سو تینتالیس (243) صفحات پر شائع ہوئی ہے، مذکورہ کتاب کا دیباچہ مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے تحریر کیا ہے۔ یہ کتاب تین حصوں میں منقسم ہے، پہلا حصہ اصول تبلیغ پر مشتمل ہے، دوسرا حصہ فرامین سید المرسلین ﷺ کے عنوان سے معنون ہے، جب کہ تیسرا حصہ نتائج وعبر کے نام سے موسوم ہے۔ اردو ہی میں متعلقہ موضوع پر مولانا سید محبوب رضوی کی کتاب "مکتوباتِ نبوی ﷺ" پاک و ہند کے مختلف اشاعتی اداروں سے بارہا شائع ہوچکی ہے، کتاب مذکور کا تازہ ترین ایڈیشن گوہر پبلی کیشنز لاہور سے شائع ہوا ہے۔ اس کتاب میں رسولِ اکرم ﷺ کے تبلیغی خطوط، بین الاقوامی سیاسی معاہدات، تشریعی قوانین اور آبادکاری کے احکام وغیرہ سے متعلق

مکتوباتِ نبوی ﷺ کو جمع کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ اردو ہی میں حیدرآباد دکن سے محمد عبدالجلیل کی کتاب فرمانِ نبوت ﷺ کے عنوان سے عرصہ ہوا شائع ہو چکی ہے۔

مکتوباتِ نبوی ﷺ پر عزیز ملک کی کتاب "مکاتیبِ رسول اللہ ﷺ" مطبوعاتِ حرمت راول پنڈی سے 1981ء میں اور مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری کی کتاب ''مکتوباتِ سلف'' دارالاشاعت کراچی سے 2001ء میں شائع ہوئی۔ جب کہ سید محمد نقوی (صدر الافاضل) کی کتاب "عہدِ نبوی ﷺ کے بعض مکتوبات" اظہار سنز لاہور سے 2011ء میں شائع ہوئی۔ تین سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب معلّم انسانیت، سرورِ کونین حضرت محمد ﷺ کے بعض دعوتی و سیاسی مکتوبات پر مشتمل ہے۔ کتاب کے مؤلف سید محمد نقوی نے جہاں مکتوباتِ نبوی ﷺ کو مرتّب و مدوّن کرنے کا اہتمام کیا، وہیں عہدِ نبوی ﷺ میں کتابتِ حدیث اور بعض صحابہؓ کرام کے مجموعہ ہائے حدیث پر بھی بحث کی ہے۔[37] مذکورہ کتاب میں مجموعی طور پر رسولِ اکرم ﷺ کے ستائیس (27) مکتوباتِ گرامی کو جمع کیا گیا ہے۔ مکتوباتِ نبوی ﷺ کی تخریج و تحقیق اور اس سلسلے میں متعلقہ مصادر و مراجع، حوالہ جات کا بھرپور اہتمام نظر آتا ہے، جب کہ کتاب کے آخر میں بعض مکتوبات نبوی ﷺ کا عکس پورے اہتمام سے شائع کیا گیا ہے۔

لیکن علی بن حسین بن علی الاحمدی نے اپنی کتاب مکاتیب الرسول میں 316 مکتوبات گرامی کا تذکرہ کیا ہے۔ چنانچہ موصوف نے رسول اکرم ﷺ کے بعض مکتوباتِ گرامی کی موضوعاتی ترتیب پر ایک فہرست درج کی ہے جس میں مکتوب گرامی کا موضوع، مکتوب الیہم کے اسمائے گرامی، اور ان کے مصادر و مراجع کا مختصر تذکرہ کیا ہے، چنانچہ انہوں نے دعوت اسلام کے لئے لکھے گئے مکتوبات گرامی 33، یہود مدینہ کے لئے ''مختلف معاہدات و امان ناموں پر مبنی مکاتیب 44، اراضی کے حوالے سے لکھے گئے مکاتیب نبوی ﷺ 19 جبکہ دیگر مختلف موضوعات پر 41 مکتوبات گرامی کا تذکرہ کیا ہے۔[38]

مجموعۃ الوثائق السّیاسیۃ فی العہد النّبوی ﷺ والخلافۃ الرّاشدۃ

یہ ماضی قریب کے مشہور محقق اور سیرت نگار ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی گراں قدر، معروف اور متداول علمی و تحقیقی کاوش ہے، جو پہلے پہل لجنتہ التالیف والترجمۃ والنشر قاہرہ مصر سے 1941ء میں شائع ہوئی۔ علمی حلقوں میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی اس کتاب کو بے پناہ پذیرائی حاصل ہوئی اور بلاشبہ متعلقہ موضوع پر اسے ایک اہم اور بنیادی ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ کتاب ڈاکٹر صاحب کی تصانیف میں سب سے اہم اور علمی و تحقیقی شاہکار ہے، عالم عرب میں انتہائی مقبول ہے۔ اس کے متعدد ایڈیشن مصر اور بیروت سے شائع ہو چکے ہیں۔ "الوثائق السیاسیۃ" دنیا بھر کے علمی

حلقوں میں حوالہ (Reference) کی کتاب مانی جاتی ہے، اگرچہ اس موضوع پر ہندوستان اور عالم عرب میں متعدد اہلِ علم نے قلم اٹھایا ہے، مگر ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی یہ کتاب اپنی جامعیت، حسن ترتیب اور تحقیقی معیار کے حوالے سے سب پر فائق اور ایک عظیم علمی دستاویز اور قیمتی اثاثہ ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ "مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی ﷺ و الخلافۃ الراشدہ" کی تالیف وتدوین کے متعلق لکھتے ہیں: "اپنے مطالعاتِ سیرت ﷺ کے سلسلے میں اس کی بھی کچھ خدمت کی سعادت حاصل ہوئی۔ 1360ھ میں "مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی ﷺ والخلافۃ الراشدہ" کے نام سے یہ کتاب مصر میں شائع ہوئی۔ اس میں عہد نبوی ﷺ کے کوئی پونے تین سو مکتوباتِ گرامی یکجا ہوئے۔ پھر خلافتِ راشدہ کا کچھ ذخیرہ ہے، اس کتاب کی اشاعت کے بعد کوئی ڈیڑھ دو درجن مزید مکتوباتِ نبوی ﷺ کا پتہ چلا ہے۔"[39] جبکہ اس عبارت سے متعلق حاشیے میں ڈاکٹر صاحب "الوثائق السیاسیۃ" کے طبع دوم، طبع سوم اور پھر ترجمے کے متعلق وضاحتی نوٹ میں لکھتے ہیں: "اس کتاب کی طباعتِ ثانی 1376ھ میں مصر میں ہوئی، جب کہ 1387ھ میں طبع ثالث ہوئی۔"[40]ڈاکٹر صاحب مزید رقمطراز ہیں: "کئی درجن اور خطوط کا بھی پتہ چلا ہے۔"[41]جب کہ "الوثائق السیاسیۃ" کے اردو ترجمے کے متعلق ڈاکٹر صاحب کی رائے یہ ہے: "اس کتاب کا اردو ترجمہ لاہور سے "سیاسی وثیقہ جات" کے نام سے مجھے مسودہ دکھائے بغیر طباعتِ اول کی اساس پر شائع کیا گیا ہے، بدقسمتی سے اس کی تمام خصوصیتیں (مآخذ، اشاریہ وغیرہ) حذف کردی گئی ہیں۔ ترجمے کی صحت کا بھی میں ذمہ دار نہیں ہوں۔"[42]

"الوثائق السیایۃ" میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے خاص اسلوب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں: "ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا ایک خاص انداز یہ تھا کہ وہ مسلسل اپنی تحقیق میں اضافہ کرتے رہتے تھے اور اگر کہیں ایک لفظ کے بھی اضافے کی گنجائش انہیں معلوم ہوتی، تو اپنے خاص نسخے میں اضافہ کر لیتے تھے۔ چنانچہ میری معلومات کے مطابق ڈاکٹر صاحب کی زندگی میں "الوثائق السیایۃ فی العہد النبوی ﷺ والخلافۃ الراشدہ" کی آٹھ اشاعتیں سامنے آئیں اور ہر ایڈیشن میں پہلے کے مقابلے میں اضافے اور مزید تفصیلات انہوں نے بیان کی ہیں۔"[43]تاحال اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس کتاب کا ایک فرانسیسی ایڈیشن 1935ء میں شائع ہوا تھا۔ ہمارے پیش نظر لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر، مصر کا 1941ء کا شائع کردہ ایڈیشن ہے۔ (جو ہماری معلومات کی حد تک اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ہے) بعد ازاں اسی ادارے سے 1956ء میں دوسرا اور 1969ء میں تیسرا ایڈیشن بیروت سے شائع ہوا۔ بعد ازاں بیروت ہی سے 1985ء میں نظر ثانی شدہ ایڈیشن شائع ہوا۔

یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک علمی اور تاریخی دستاویز ہے، جو بڑی عرق ریزی سے مدوّن کی گئی ہے۔ اس کے حصہٴ اول میں رسول اللہ ﷺ کے مکتوباتِ گرامی، فرامین، معاہدات، دعوتِ اسلامی، عمال کی تقرری، اراضی وغیرہ کے

عطیات، امان نامے، وصیت نامے، مکتوبات کے حاصل شدہ جوابات وغیرہ کی دستاویزیں جمع کی گئی ہیں، اور حصہ دوم میں عہد خلافتِ راشدہ کی دستاویزوں کو جمع کیا گیا ہے، ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی اس کتاب نے سیرتِ نبوی ﷺ اور اسلامی تاریخ میں معتبر ماخذ کا مقام حاصل کر لیا ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں: "ہجرتِ نبوی ﷺ سے پہلے کا دور تمہید اور تجربے کا تھا... اس دور کی سیاستِ خارجہ میں عقبہ کی دو بیعتیں ہی اہم حیثیت کی حامل ہیں، ان بیعتوں سے مسلمانوں کے اہل یثرب سے تعلقات کا پتہ چلتا ہے، جن کے نتیجے میں مسلمانوں نے مکے سے مدینے ہجرت کی اور وہاں ایک ریاست کی بنیاد رکھی۔ اس ریاست کے دستور کو ''میثاق مدینہ'' کا نام دیا گیا، جو کہ وثائق و دستاویزات کی فہرست میں سب سے پہلے درج کیا گیا ہے۔ "میثاق مدینہ" کے تحت آپ ﷺ نے ایک وفاقی "Federation" حکومت قائم کی جس میں یہود مدینہ کو بھی شامل کیا گیا، چنانچہ یہود سے متعلقہ دستاویزات وجود میں آئیں، جنہیں اس مجموعے "الوثائق السیاسیۃ" میں شامل کیا گیا ہے۔ جب کہ مدینے کی طرف ہجرت اور وہاں ایک مستقل ریاست کی تشکیل کی بناء پر مسلمانوں کے قریش مکہ سے تعلقات میں پہلے سے موجود کشیدگی کی شدت میں اضافہ ہو گیا، جس کے نتیجے کے طور پر مسلمانوں اور قریش مکہ کے درمیان اُحد، خندق، حدیبیہ اور فتح مکہ کی جنگیں ہوئیں، ان جنگوں سے متعلق وثائق کو ایک خاص فصل میں جمع کر دیا گیا، جب کہ صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مختلف ممالک کے سربراہوں کے نام دعوتی اور تبلیغی خطوط و مکاتیب ارسال فرمائے، ان خطوط کے متعلق وثائق کو دو علیحدہ فصلوں میں جمع کر دیا گیا، علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ نے متعدد قبائل عرب کو قریش کے مقابلے میں اپنا حلیف بنایا تھا، ان قبائل سے متعلقہ دستاویزات کو ایک علیحدہ فصل میں مدوّن کر دیا گیا ہے۔[44]

"الوثائق السیاسیۃ" کی تالیف وتدوین کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے قانون بین الاقوام سے دلچسپی کے باعث ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے حصول کے لیے اسلامی قانون کے بین الاقوامی پہلو پر تحقیق کا آغاز کیا اور 1933ء میں جرمنی کی بون یونیورسٹی میں اپنا تحقیقی مقالہ پیش کر کے "پی ایچ ڈی" کی ڈگری حاصل کی۔ بعد ازاں یہ تحقیقی مقالہ جرمنی میں 1935ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد انہوں نے پی ایچ ڈی کی دوسری ڈگری کے حصول کے لیے فرانس کی سوبورن یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور 1934ء میں اپنا دوسرا تحقیقی مقالہ پیش کیا، جو دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ نظری مباحث پر مشتمل ہے، جب کہ دوسرا حصہ ان دستاویزات پر مشتمل ہے، جو عہدِ نبوی ﷺ اور خلافتِ راشدہ سے متعلق ہیں۔ مقالے کا عنوان تھا:

"Diplomatie Musulman A 'P' Epoch an Prophete De 'l'slam et se Caliphes Othodoxes"

بعد ازاں ڈاکٹر صاحب نے ان دستاویزات پر جو ان کے فرانسیسی مقالے کی دوسری جلد کا حصہ تھیں، مزید کام کیا اور 1941ء میں پہلی مرتبہ ان کا متن شائع کیا۔ یہ عہد نبوی ﷺ کی سیاسی دستاویزات کا جامع اور مقبول ترین

مجموعہ ہے۔[45] پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی لکھتے ہیں: "الوثائق السیاسیۃ" کی تدوین سے جہاں اس عہد کی سیاسی و معاشرتی سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے، وہاں ان مستند نصوص کی موجودگی سے مسلمانوں کی علمی روایت کی صداقت اور ثقاہت بھی ثابت ہوتی ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے کتابت کی روایت پر بھی بحث کی ہے، جو تقریباً مولانا مناظر احسن گیلانی کے استدلال کا خاصہ ہے، اس سے انہوں نے ثابت کیا ہے کہ کتابت حضور اکرم ﷺ کی علمی سیاست کا اہم جزو تھا، لہٰذا یہ کہنا کہ کتابتِ حدیث بعد کے لوگوں کی اختراع ہے۔ ایک علمی بہتان ہے۔"[46]

"الوثائق السیاسیۃ" میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم نے رسول اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین کے ان مکاتیب اور سیاسی وثیقہ جات کو جمع کیا ہے، جو سربراہانِ مملکت، سرداران قبائل، سربراہانِ اقوام کے نام مختلف اوقات اور حالات میں ارسال کیے گئے۔ ان مکتوبات میں کچھ تبلیغی، کچھ تادیبی نوعیت کے ہیں اور بعض میں غیر مسلم حلیفوں کے ساتھ معاہدوں اور بعض میں عطایا کا ذکر ہے۔ بعض میں ان جاگیروں کے لیے شرائط آبادکاری بھی ہیں اور ایک حصہ ان فرامین کا ہے، جن میں مطیع وفرماں بردار گروہوں کی پہلی جائیداد بھی بحال رہنے دی گئی اور ان کے پہلے مناصب میں بھی کسی قسم کا کوئی تصرف نہیں کیا گیا۔

عہدِ نبوی ﷺ اور دورِ خلافتِ راشدہ کے ان وثائق اور مکاتیب کے فرامین و مکاتیب کو بھی دو حصوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ ایک حصے میں ان وثائق کا تذکرہ ہے جن کا تعلق روم سے ہے، جب کہ دوسرا حصہ فارس سے متعلق وثیقہ جات پر مشتمل ہے، جب کہ اخیر میں ایک ضمیمہ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب وہ فرامین درج ہیں جو یہود و نصاریٰ اور مجوس کے لیے تھے، جبکہ کتاب کا اختتام مصادر و مراجع، اشاریہ اور استدراک پر مشتمل ہے۔[47]

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ان مکاتیب و فرامین کی جمع و تدوین میں دنیا کے مختلف علمی مراکز، کتب خانوں، قدیم و جدید مصادر و مراجع اور علمی اداروں سے بھرپور استفادہ کیا۔ اس کے لیے اسلامی دنیا اور مغرب کے مختلف ممالک کے دورے کیے۔ عہدِ نبوی ﷺ اور خلافتِ راشدہ کے وثائق اور مکاتیب کو مرتب اور مدوّن کرنے میں تمام ممکنہ وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے متعلقہ موضوع پر ایک علمی اور گراں قدر دستاویز پیش کی، جو اہلِ علم و دانش کے لیے ہمیشہ ایک علمی اور اساسی مصدر کے طور پر بنیادی کام دیتی رہے گی۔

"الوثائق السیاسیۃ" کے مقدمے میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ دورِ نبوی ﷺ کے سیاسی وثیقہ جات اور مکاتیب کی تدوین کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں: "وبعد فلا شكّ أنّ العهد النّبوی علی صاحبه الصّلاة والسّلام کان عهداً ذا نتائج هامّة فب تاریخ العالم السیاسی والدّینی والإقتصادی و غیر ذلك ولما کان غیر ممکن أن نفهم الحالة

السیاسیة فی عصر من العصور إلّا بمراجعة الوثائق الرسمیة التی تتعلق بذٰلك العصر و هی من أجلّ المآخذ للحقائق التاریخیة کان من الضروری أن نّجمع الوثائق المتعلقة بالعصر النبوی حتّٰی یتسنی لنا أن نفهمه فهماً صحیحاً"[48]

بلاشبہ دنیا کی تاریخ میں عہدِ نبوی ﷺ سیاسی، دینی اور اقتصادی لحاظ سے ممتاز ہے، لیکن اس عہد کی تاریخ قلم بند کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے فرامین کی تدوین کے بغیر چارہ نہیں، اس سے متعلق بنیادی اور اہم مآخذ وہی ہیں، لہٰذا ہم نے اس بنیادی ضرورت کے تحت عہدِ نبوی ﷺ کے فرامین و معاہدات اور وثیقہ جات کو جمع کرنا ضروری سمجھا۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، ان وثیقہ جات کو ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے:

(1) دورِ نبوی ﷺ کے معاہدات و مکتوبات۔

(2) دورِ خلافتِ راشدہ کے معاہدات و وثیقہ جات۔

دورِ نبوی ﷺ کے فرامین و وثیقہ جات کو بھی ایک زمانی ترتیب کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے، جب کہ خلفائے راشدین کے فرامین کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، ایک حصے میں ان دستاویزات اور وثائق کا تذکرہ ہے جن کا تعلق روم سے ہے، دوسرا حصہ اہلِ فارس سے متعلق فرامین و وثائق پر مشتمل ہے۔[49] ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے جن مکاتیب اور دستاویزات کو "الوثائق السیاسیة" میں جمع کیا ہے، ان میں زیادہ تر سیاسی اور سرکاری حیثیت کی حامل ہیں۔ "الوثائق السیاسیة" میں جمع کردہ دستاویزات کو درج ذیل حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

1. سرکاری معاہدات۔
2. دعوتِ اسلام کے لیے خطوط و مراسلات، خصوصاً سربراہانِ مملکت کی طرف لکھے گئے خطوط۔
3. سرکاری عہدے داروں کی تقرری اور اختیارات سے متعلق حکم نامے۔
4. اراضی کی الاٹمنٹ کی دستاویزات۔
5. امان اور وصیت ناموں سے متعلق مکاتیب اور تحریریں۔
6. ایسی دستاویزات اور تحریریں جن میں بعض افراد کو خصوصی اختیارات اور حقوق دیے گئے۔
7. متفرق مراسلات جو کہ رسول اکرم ﷺ کے مراسلات کے جواب میں موصول ہوئے۔[50]

"الوثائق السیاسیة" میں مدون کردہ عہدِ نبوی ﷺ کی دستاویزات کی تعداد حسب ذیل ہے:

1. معاہدات: 70
2. تبلیغی اور دعوتی نوعیت کے خطوط اور اس سے متعلق مکاتیب: 42
3. مختلف سرکاری حکم نامے: 56

4. اراضی کی الاٹمنٹ کے احکام: 36
5. امان نامے: 14
6. خصوصی استثناءات: 2
7. متفرق مکاتیب: 33۔ [51]

جبکہ عہدِ خلافتِ راشدہ کے سرکاری خطوط، مکاتیب اور دستاویزات اس کے علاوہ ہیں۔کتاب کے آخر میں ایک ضمیمہ ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب وہ فرامین درج ہیں، جو یہود و نصاریٰ اور مجوس کے لئے تھے،آخر میں مصادر و مراجع اور اشاریہ ہے۔

خلاصہ و نتائجِ بحث

1) رسول اللہ ﷺ کے مکتوبات اور وثائق میں سادگی، عام فہمی، بے تکلفی اور اختصار کے پہلو نمایاں ہیں، جبکہ تکلفات، تصنعات، عبارت آرائی اور بے مقصد طوالت سے خالی ہیں۔ اور ان میں بنیادی طور پر چار مختلف مذاہب والوں (مشرکینِ عرب، عیسائی، یہودی اور زرتشتی) سے خطاب کیا گیا ہے۔
2) مکاتیبِ نبوی ﷺ کی باقاعدہ تدوین کا سہرا علامہ ابوالحسن علی بن محمد المدائنی المتوفی 215ھ کے سر ہے جنہوں نے مکاتیب کے موضوع پر چھ مختلف کتابیں لکھی ہیں۔
3) ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم نے سیرت نگاری کے حوالے سے بڑی قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں، جن میں ان کی مایہ ناز کتاب """الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی ﷺ والخلافۃ الراشدہ'' کو بڑی اہمیت حاصل ہے جس میں انہوں نے تین سو زیادہ مکتوبات و تحریری دستاویزات کو جمع کیا ہے۔ "الوثائق السیاسیۃ" میں عہدِ نبوی ﷺ کی 153 دستاویزات جمع کی گئی ہیں جبکہ عہدِ خلافتِ راشدہ کے وثائق اور دستاویزات اس کے علاوہ ہیں۔
4) رسول اللہ ﷺ کے مکاتیب اور وثائق علمی، عملی، سیاسی اور بین الاقوامی مسائل کے حوالے سے بیش قیمت مفید معلومات پر مشتمل ہیں، جن سے زندگی کے مختلف مراحل کے بارے میں راہنمائی ملتی ہے۔

*****

حوالہ جات

1۔ ڈاکٹر، محمد حمید اللہ، *رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی* (کراچی، دارالاشاعت، اشاعتِ ہفتم، 1987ء)، 311۔

2. Dr. Muhammad Hamidullah, *The First Written Constitution in the World* (Lahore, 1975) ,41.

نیز مزید دیکھیے:

☆ ڈاکٹر، حمد حمید اللہ، *عہد نبوی ﷺ میں نظامِ حکمرانی* (کراچی، اردو اکیڈمی، 1987ء)، 76۔

☆ حمید اللہ، *رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی* ،255۔

☆ ڈاکٹر، محمد حمید اللہ، *خطباتِ بہاولپور* (اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، 1992ء) ،236۔

3۔ حمید اللہ، *عہدِ نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی*، 77۔

4 ـAmeer Ali, *The Sprit of Islam* (Karachi, 1969) ,58.

5۔ مولانا سید محمد محبوب احمد، رضوی، *مکتوباتِ نبوی ﷺ* (لاہور، گوہر پبلی کیشنز، 1991ء)، 29۔

6۔ قاضی اطہر، مبارکپوری، *تدوینِ سیر و مغازی* (لاہور، بیت الحکمت، 2005ء) ،115۔

7۔ ابو سعد، السمعانی، *کتاب الانساب*، ج10 (حیدرآباد دکن، دارالکتاب، 1995ء)، 265؛ مبارکپوری، *تدوین سیر و مغازی*، 115۔

8۔ عبداللہ بن مسلم الدّینوری، ابن قتیبہ، *المعارف* (مصر، الہیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، 1992ء) ،234؛ مبارکپوری *تدوین سیر و مغازی*، 116۔

9۔ مبارکپوری *تدوینِ سیر و مغازی*، 116۔120۔

10۔ ابو عبید، قاسم بن سلام، *کتاب الاموال* (بیروت، دارالفکر، 2002ء)، 338۔

11۔ ابوالحسن، احمد بن یحییٰ بن جابر، بلاذری، *فتوح البلدان* (قاہرہ، مطبعۃ لجنتہ البیان العربی، 1988ء) ، 76، بحوالہ: قاضی اطہر مبارکپوری، *تدوینِ سیر و مغازی*، 123۔

12۔ مبارکپوری *تدوین سیر و مغازی*، 129۔

13۔ ایضا، 31۔

14۔ ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید، طبری، *تاریخ الرسل والملوک*، ج2 (قاہرہ، دارالمعارف، 1997ء)، 654۔ نیز دیکھئے:

☆ محمد بن عبدالباقی، زرقانی، *شرح مواہب اللدنیہ*، ج3 (مصر، المطبعۃ الازھریۃ، 1996ء) ،24۔

☆ محمد حمید اللہ، *الوثائق السیاسیۃ*، (مصر، لجنتہ التالیف والترجمۃ، 1941ء) ،26،45،49 ۔

☆ محمود شیت خطاب، *سفراء النبی ﷺ*، ج1 (جدہ، دارالاندلس، 1417ھ/1996ء) ،73،119۔

15۔ رضوی، *مکتوبات نبوی ﷺ*، 32۔

16۔ ایضا، 32،33۔

17۔ ایضا، 35۔

18۔ علی بن حسین علی، الاحمدی، *مکاتیب الرسول ﷺ* (بیروت، دارالمهاجر، 1998ء) 11،12۔

19۔ رضوی، *مکاتیبِ نبوی ﷺ*، 36۔

20۔ پروفیسر یاسین مظہر، صدیقی، *عہدِ نبوی ﷺ کا نظامِ حکومت* (لاہور، الفیصل ناشران،1994ء)، 21؛ ابوعبداللہ محمد، ابن سعد، *الطبقات الکبریٰ*، جلد اول (بیروت، دار بیروت، للطباعۃ والنشر،1398ھ) محمد عبدالحہ بن عبدالکبیر الادریسی، الکتانی، *نظام الحکومۃ النبویۃ المسمیٰ بالتراتیب الاداریۃ* (بیروت، دارالکتب العلمیۃ،1422ھ)

21۔ خطاب، *سفراء النبی ﷺ*، ج1،249۔268 ۔

22۔ صدیقی، *عہد نبوی ﷺ کا نظامِ حکومت*، 22۔

23۔ ایضا، 22۔

24۔ ایضا،23۔

25۔ ابوالحسن اعظمی، *کاتبینِ وحی* (کراچی، زمزم پبلشرز،2003ء)، 17۔

26۔ مبارکپوری، *تدوینِ سیر ومغازی*، 111۔

27۔ ابنِ سعد، ابوعبداللہ محمد بن سعد، *الطبقات الکبریٰ*، ج7 (بیروت، دارالکتب العلمیۃ،1991ء)، 94؛ مبارکپوری، *تدوینِ سیر ومغازی*، 111۔

28۔ ابن ندیم، *الفہرست*، (بیروت، دارالمعرفۃ،1997ء)، 175۔

29۔ ڈاکٹر محمد عبدالشہید، نعمانی، *فرامینِ نبوی ﷺ*، ترجمہ و شرح مکاتیب النبی ﷺ، تالیف امام ابو جعفر دیبلی (کراچی، الرحیم اکیڈمی، 1986ء)، 15۔

30۔ صلاح الدین المنجد، *معجم ما الّف عن رسول اللہ ﷺ* (بیروت، دارالکتب الجدید،1402ھ)، 164۔

31۔ نعمانی، *فرامینِ نبوی ﷺ*، 21۔

32۔ صلاح الدین المنجد، *معجم ما الف عن رسول اللہ ﷺ*، 164۔

33۔ محمد بن عبدالرحمٰن، السخاوی، *الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ* (قاہرہ، مطبعۃ القدسی 1353ھ)، 538۔

34۔ صلاح الدین المنجد، *معجم ما الف عن رسول اللہ ﷺ*، 164۔

35۔ صلاح الدین المنجد نے "*معجم ما الف عن حیاۃ الرسول ﷺ*" میں اور ڈاکٹر محمد عبدالشہید نعمانی نے امام ابو جعفر دیبلی کی تصنیف "*مکاتیب النبی ﷺ*" کے ترجمہ و تحقیق میں عہدِ نبوی ﷺ کے فرامین اور وثائق پر لکھی گئی مختلف کتابوں کا تفصیلی تعارف کرایا ہے۔

36۔ ابوبہلول غلام الرسول عائلی، نقشبندی، *جامع مکاتیب الرسول ﷺ*، ج1 (لاڑکانہ، کاتب پبلشرز، 2011ء)، 74۔76۔

37۔ سید محمد، نقوی، *عہدِ نبوی ﷺ کے بعض مکتوبات* (لاہور، اظہار سنز،2011ء)، 96۔98۔311۔

38۔ الاحمدی، *مکاتیب الرسول ﷺ*، 35۔59۔

39۔ حمیداللہ، *رسولِ اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی*، 311۔

40۔ ایضا، 311۔

41۔ ایضا، 311۔

42۔ ایضا، 311۔

43۔ ڈاکٹر، محموداحمد غازی، ڈاکٹر محمد حمیداللہ، بیسویں صدی کے ممتاز ترین محقق (مطبوعہ مضمون، ڈاکٹر محمد حمیداللہ نمبر) *ماہنامہ دعوہ اسلام آباد*، مارچ، (2003ء): 29۔30۔

44۔ڈاکٹر، محمد حمیداللہ،الوثائق السیاسیہ (مصر، لجنتہ التالیف والترجمہ،1941ء)،64۔

45۔ڈاکٹر، محمد ضیاء الحق، الوثائق السیاسیہ میں ڈاکٹر محمد حمیداللہ کا تحقیقی منہج (مطبوعہ مقالہ)مجّلہ معارف اسلامی، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، جلد3، شمارہ10، (جولائی2003ء): 297۔

46۔ڈاکٹر، خالد علوی، ڈاکٹر محمد حمیداللہ کی خدمت حدیث،مطبوعہ ماہنامہ دعوہ اسلام آباد، مارچ، (2003ء): 43۔

47۔ محمد عبداللہ، ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمیداللہ علمی روایات کے امین (مطبوعہ مقالہ ماہنامہ دعوہ اسلام آباد، مارچ، (2003ء): 66۔

48۔ ڈاکٹر، محمد حمیداللہ،الوثائق والسیاسیہ، 75۔

49۔ ایضا،135۔

50۔ڈاکٹر، محمد ضیاء الحق، الوثائق السیاسیہ میں ڈاکٹر محمد حمیداللہ کا تحقیقی منہج، 298۔

51۔ایضا،299۔

Bibliography

1) A'azmi, Abu al-Hasan, Katibīn-e Wahi, Karachi: Zumzum Publishers, 2003.
2) Al-Ahmadi, Ali b. Husyn Ali, Makatīb al-Rasool, Beirut: Dar al-Muhajir, 1998.
3) Al-Katani, Muhammad Abd al-Hayi b. Abd al-Kabīr al-Idrisi, Nizam Hukumah al-Nabawiyyah al-Musammā bi al-Tarātīb al-Idaryyah, Beirut: Dar al-Kutub al-Ilmiyyah, 1442h
4) Al-Sakhawi, Muhammad b. Abd al-Rahman, al-Aa'lān bi al-Tobīkh li man Zamm al-Tarikh, Cairo: Matba'ah al-Qudsi, 1353h/
5) Al-Sama'ni, Abu Saad, Kitab al-Ansāb, Deccan: Dar al-Kutub, 1995.
6) Ameer Ali, *The Sprit of Islam*, Karachi, 1969.
7) Bilazari, Abu al-Hasan, Ahmad b. Yahya b. Jabir, Futūh al-Buldān, Cairo: Matba'ah lijannah al-Bayan al-Arabi, 1988.
8) Ibn Nadīm, al-Fehrist, Beirut: Dar al-Ma'rifah, 1997.
9) Ibn Qutayba, Abdullah b. Muslim al-Dinawari, al-Ma'ārif, Egypt: al-Hay'a al-Misriyyah, 1992.
10) Ibn Sād, Abu Abdillah Muhammad, al-Tabāqāt al-Kubrā, Beirut: Dar li al-Tabā'ah wa al-Nashr, 1398/
11) Khalid Alawi, Dr, Dr. Muhammad Hameedullah ki Khidmat-e Hadith, Monthly Da'wah Islamabad (March 2003).
12) Mahmūd Ahmad Ghazi, Dr, Dr. Muhammad Hameedullah: Bīswein Sadi ki Mumtaz Tareen Muhaqqiq, Monthly Da'wa Islamabad (March 2003).
13) Mahmūd Shīt Khattab, Sufra al-Nabi, Jeddah: Dar al-Undulus, 1417/1996.
14) Mubarakpori, Qadhi Athar, Tadween-e Sair wa Maghazi, Lahore: Bayt al-Hikmah, 2005.
15) Muhammad Abdullah, Dr, Dr. Muhammad Hameedullah: Ilmi Khidmāt k Amīn, Monthly Da'wa Islamabad (March 2003)

16) Muhammad b. Abd al-Baqi, Zarqani, Shar Mawahib al-Diniyyah, Egypt: al-Matba'ah al-Azhariyyah, 1996
17) Muhammad Hameedullah, Dr, Ahd-eNabawi may Nizam-e Hukmarani, Karachi: Urdu Academy, 1941.
18) Muhammad Hameedullah, Dr, Al-Wathā'iq al-Siyasiyyah, Egypt: al-Jannah al-Tālīf wa al-Tarjamah, 1987.
19) Muhammad Hameedullah, Dr, Khutbāt-e Bahawalpur, Islamabad: Idara Tahqiqāt-e Islami, 1992.
20) Muhammad Hameedullah, Dr, Rasoolallah ki Siyasi Zindagi, Karachi: Dar al-Isha'ah 1987
21) Muhammad Hamidullah, Dr. *The First Written Constitution in the World* ,Lahore, 1975.
22) Muhammad Zia al-Haq, Dr, al-Wathā'iq al-Siyasiyyah may Dr. Hameedullah ka Tahqiqi Manhaj, Journal Maā'rif-e Islami AIOU, vol. 3, no. 10 (July 2003)
23) Naqshbandi, Abu Bahlūl Ghulam al-Rasool A'ali, Jame' Makatīb al-Rasool, Ladkana: Katib Publishers, 2011.
24) Naqvi, Syyed Muhammad, Ahd-e Rasool kay Baa'z Maktubāt, Lahore: Azhar Sons, 2011.
25) Nua'mani, Dr. Muhammad Abd al-Shahīd, Faramīn-e Nabawi, Karachi, al-Rahīm Academy, 1986.
26) Qasim b. Salām, Abu Ubayd, Kitab al-Amwāl, Beirut: Dar al-Fikr, 2002.
27) Rizvi, Maolana Syyed Mahboob Ahmad, Maktubāt-e Nabawi, Lahore: Gohar Publications, 1991.
28) Salah al-Din al-Munjid, Mu'jam ma Allafa un Rasoolillah, Beirut: Dar al-Kutub al-Jadīd, 1402h/
29) Siddiqui, Prof. Yasīn Mazhar, Ahd-e Nabawi ka Nizam-e Hokumat, Lahore: al-Faisal Nāshirān, 1994.
30) Tabari, Abu Ja'far Muhammad b. Jarīr b. Yazid, Tarikh al-Rusul wa al-Mamlūk, Cairo: Dar al-Ma'ārif, 1997.

مغربی تہذیب کے رجحانات واثرات

TRENDS & INFLUENCES OF THE WESTERN CULTURE

Muhammad Akram
Dr. Muhammad Haseeb

Abstract:
Western civilization is a term which refers to those specific social norms, ethical values, customs and traditions, ideological and political systems, and technology that have a special bond with Europe. Modern European civilization contends that mankind is only a material reality, nothing more. This trend has left serious effects on Islamic societies. This article provides an assessment of the ideological, religious, and political impacts of western civilization on Islamic societies.
Keywords: *Westernization, Civilization, Europe, Trends, Impacts.*

خلاصہ

"مغربی تہذیب" کی اصطلاح، اُن خاص سماجی رویوں، اخلاقی اقدار، رسوم ورواج، فکری اور سیاسی نظاموں اور ٹیکنالوجی کی طرف اشارہ کرتی ہے جن کا یورپ کے ساتھ ایک خاص پیوند ہے۔جدید یورپی تہذیب کااِصرار ہے کہ انسان محض ایک مادی حقیقت کا نام ہے اور بس۔ اس تہذیب کے اسلامی معاشروں پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔اس مقالہ میں مغربی تہذیب کے اسلامی معاشروں پر فکری، مذہبی اور سیاسی اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔
کلیدی الفاظ: مغربیت، تہذیب، یورپ، رجحانات، اثرات۔

تعارف

مَغرِب کا لفظی معنی، سورج کے چھپنے کی جگہ، غرب، پچھم ہے۔ اس معنی میں مغارب اس کی جمع ہے۔[1]
"مغربیت دراصل، ایک سیاسی، اجتماعی، ثقافتی وفنی مقاصد کی حامل تحریک کا نام ہے۔ جس کا ہدف دیگر اقوام کے طرز زندگی کو عام طور پر اور مسلمانوں کے طرزِ حیات کو خاص طور پر مغربی رنگ ڈھنگ میں رنگنا ہے تاکہ ان کی مستقل شخصیت ومنفرد خصائص کو ناکارہ بنا کر انہیں مغربی تہذیب میں مقید کرکے اپنا تابع بنایا جاسکے۔"[2]

مغربیت کے فکری رجحانات

جب مسلمانوں کا دورِ عروج تھا، مغرب بحر ظلمات میں ڈوبا ہوا تھا، نہ تعلیم تھی، نہ شائستگی، یورپ گندگی کا ڈھیر بنا ہوا تھا، انہیں غسل تک کرنے کی عادت نہ تھی، مسلمانوں سے شکست کھانے کے بعد ان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت، انتقام اور غصے کے جذبات ابھرے۔ اس حریفانہ جذبے نے اہل یورپ میں بیداری کی ایک لہر پیدا کر دی اور مغرب میں احیائے علوم کی تحریک چلی۔ نیز روشن خیالی، وسعت نظری، سائنسی فکر اور بحیثیت مجموعی تعمیری تبدیلی کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کیا گیا۔ مغرب میں اٹھنے والی تحریکوں نے مغرب میں مذہب کی بساط لپیٹ کر رکھ دی اور مذہب کو فرد کا ذاتی اور نجی معاملہ قرار دے دیا۔ فرد کو مکمل طور پر مادر پدر آزادی اور خود مختاری دے کر اسے خدا کے مقابلے میں مختار مطلق بنا دیا۔ دنیا کی کامیابی کو اصل مقصد قرار دے کر آخرت کے تصور کو بے دخل کر دیا۔ وحی کی برتری کا انکار کرتے ہوئے عقل، حس اور مشاہدہ و تجربہ کو معیار حق و باطل قرار دے دیا۔ ڈاکٹر محمد امین کے بقول: ” آزادی کے دلفریب نعرے کی آڑ میں عورت کو مکمل آزادی دے کر جنسی اباحت، عریانی، فحاشی اور زناکاری کو رواج دیا۔ خاندانی نظام کو برباد کیا، عورت کو متاع بازار بنایا اور معاشرت کا ستیاناس کر دیا گیا۔ مغربی فرد کو جنس زدہ حیوان بنا دیا گیا اور اشرف المخلوقات ہونے کے تصور کو دریا برد کر دیا۔ مغربی ممالک کی اسمبلیاں شراب، زنا، جوئے اور ہم جنس شادی وغیرہ کو حلال قرار دے چکی ہیں۔ سرمایہ میں اضافہ کے لیے سود، سٹہ اور ہر قسم کے جائز وناجائز ذرائع اختیار کرنے کی اجازت دے دی گئی۔“[3]

تہذیب مغرب کے چند نمایاں پہلو مندرجہ ذیل ہیں:

1. یہ کہ انسان نے مادی علوم کو عقلی و تجربی بنیاد فراہم کر کے وسائل حیات کو کنٹرول کیا۔ سائنس اور ٹیکنالوجی میں تحقیق کے ذریعے ایجادات واختراعات میں نقطہ عروج کو پہنچ گیا۔
2. غیر ترقی یافتہ اقوام کا اقتصادی لحاظ سے استحصال مغرب کی مہذب قوموں کا اصول بن گیا ہے۔
3. اخلاقی لحاظ سے شہوات اور مادی منفعت ہی معیار خیر قرار پائی ہے۔
4. مابعد الطبیعاتی و عقلی اقدار مادیت پرستی کی بنیادوں کو مستحکم کرنے پر لگی ہوئی ہیں۔
5. نفسیاتی حوالے سے حسیّت کا دور دورہ ہے، آرٹ اور ثقافت کے مختلف مظاہر میں کارفرما فلسفہ حسیّت ہے۔
6. معاشرہ کے اخلاقی وسماجی رویوں، منفی روابط اور خاندانی اکائیوں کی تاسیس اقتصادی خوش حالی اور بہبود آبادی سے متعلق منصوبہ بندی مجموعی طور پر کارل مارکس، ڈارون اور فرائڈ کے فلسفیانہ افکار کے زیر اثر ہوئی۔ ول ڈیورینٹ (Wil durant) اپنی تصنیف نیرنگیٔ فلسفہ میں لکھتا ہے کہ: ” ہماری موجودہ ثقافت سطحی اور ہماری معرفت خطرناک ہے، ہمارے پاس مشینوں کی کثرت اور مقاصد کا فقدان ہے۔ مذہبی جذبہ جو عقلی توان

پیدا کرتا تھا وہ بھی ختم ہوا اور سائنس نے اخلاق کی بنیادیں ہلا دیں۔ اب ساری دنیا ایک مضطرب انفرادیت میں ڈوبی ہوئی ہے جو دراصل اخلاقی زندگی کی عکاس ہے۔" [4]

7. انسان کا معاشی مسئلہ ہر دور میں اہم رہا۔ تہذیب مغرب میں عقلی اور انسانی تحریکوں نے مذہب کی اجارہ داری کو ختم کیا، جاگیر داری نظام کو مسترد کیا، مزدوروں کو معاشی وسائل میں حصہ دار بنایا اور اس طرح دولت کی پیدائش اور تقسیم دولت کے ضمن میں سرمایہ داریت اور اشترا کیت جیسے اقتصادی نظام رائج کیے۔
8. مادی اور سیکولر اندازِ فکر سے ریاست وحکومت اور معاشرہ کی تشکیل نو کی، فلاحی ریاست اور جمہوریت کا تصور پیش کیا۔ بنیادی انسانی حقوق اور بالخصوص حقوق نسواں کا تحفظ، آزادیٔ فکر، عدل اور رواداری بنیادی مقاصد قرار پائے۔
9. عالم اسلام کو مغربی تہذیب وتمدن میں رنگ جانے کی دعوت دینا۔
10. ترقی یافتہ اسلامی فکر ایجاد کرنے کی حوصلہ افزائی کرنا۔
11. مغربی اقتصادی نظام کو خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کرنا اور اسلام کے نظام تعدد ازواج، تحدید طلاق اور جنسی اختلاط کے موضوعات پر مسلسل گفتگو کرنا۔
12. دینی وعصری اختلافات کو ختم کرکے سب لوگوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا۔
13. عالم اسلام کے بدنام فرقوں جیسے بہائیت، قادیانیت، شعوبیت اور فرعونیت کی امداد واشاعت کا اہتمام کرنا۔
14. سر سید احمد خان، نامق کمال، سید امیر علی، عبد الحق حامد، توفیق مکرت وغیرہ جیسے خطرناک لوگوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا۔
15. ڈارونزم، مارکسزم، سیکولرازم، حریت، نظریہ قومیت ووطنیت اور علاقیت اور دین اور معاشرے کو الگ الگ تصور کرنے جیسے تباہ کن نظریات کا پھیلاؤ۔ نبوت، وحی اور اسلامی تاریخ پر تنقید کرنے کا نظریہ۔ اسلام کی بنیادوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کا نظریہ، مسلمانوں کو جہاد سے غافل کرنے کے لیے موت اور فقر سے ڈرانے کا نظریہ اور یہ نظریہ کہ عربوں اور مسلمانوں کی پسماندگی کا سبب اسلام ہے۔

عالم مشرق پر مغربی تہذیب کو حاکم کرنے کے لئے استعماری طاقتوں نے جو حربے اپنائے ہیں ذیل میں ان کا مختصر جائزہ لیا جارہا ہے۔

1) عالمگیریت

عالمگیریت یا گلوبلائزیشن مغربی ممالک کا غریب کمزور اور پسماندہ ممالک کے مفاد و مصالح کو نظر انداز اور پس پشت ڈال کر تسلط اور کنٹرول کا نیا اسلوب ہے۔ یہ ایک ایسا نظام ہے جو قوم وطن اور اسٹیٹ کی نفی کرتا ہے اور تمام انسانوں کے لیے صرف ایک عالم قرار رکھنا چاہتا ہے۔ ڈاکٹر انیس احمد کے بقول: "آج عالمگیریت کے زیر عنوان سینکڑوں ہزاروں میل دور بیٹھ کر امریکی سامراجی قوت، دھونس اور دھمکی کے بل پر کسی بھی ملک پر سیاسی طور پر قبضہ کرنے اور اس کی معیشت، سیاست و معاشرت اور ثقافت کو اپنے رنگ میں رنگنے کو نہ صرف جائز بلکہ انسانیت کی خدمت قرار دینے میں شرم محسوس نہیں کرتی۔"[5]

جہاں تک عالمگیریت کے عالم اسلام پر اثرات کا تعلق ہے تو اس حوالے سے یہ کہنا بجا ہے کہ عالمگیریت کے نظام کا سب سے زیادہ شکار مسلم ممالک ہیں۔ کیونکہ ان کے پاس سائنس اور ٹیکنالوجی یورپ کی نسبت کم ہے اور یہ خود جغرافیائی حد بندیوں میں جکڑے ہوئے ہیں اور مرکزی طاقت نہ ہونے کی وجہ سے پسماندگی اور محرومی کا شکار ہیں، کیونکہ ساری دنیا کی اسلام دشمن قوتیں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک عالمی اتحاد بنا کر میدان میں اتر آئی ہیں۔ عالمگیریت کا اہم ستون اقوام متحدہ، وولڈ بنک آئی ایم ایف ہیں، یہ ادارے مسلمانوں کا استحصال کرنے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ بظاہر یہ ادارے دنیا میں امن وآشتی، معاشی اور معاشرتی ترقی، عدل وانصاف کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ یہ تمام ادارے مسلم ممالک کے خلاف اپنے استعماری حربے استعمال کرتے ہیں، اقوام متحدہ کا ادارہ مسلم ممالک کے مسائل حل کرنے کی بجائے انہیں مزید الجھانے میں مصروف ہے۔ کشمیر، فلسطین، بوسنیا، چیچنیا، برما کے مسلمانوں کی حالت زار سب کے سامنے ہے۔ اگر کسی غیر مسلم ملک کا مسئلہ ہو تو یہ ادارے فوراً کود پڑتے ہیں، جب کہ مسلمان خود ہی ظلم کی چکی میں پس کر آخر خود ہی جہادی وعسکری کارروائیوں میں اتر آتے ہیں۔

مسلم ممالک عالمی مالیاتی اداروں کے شکنجوں میں بری طرح پھنسے ہوئے ہیں، پہلے تو اہل مغرب مسلم ممالک میں معاشی بحران پیدا کرتے ہیں، پھر انہیں امداد اور قرضے جاری کرتے ہیں جو سود در سود کے گرداب میں پھنسا کر ملکی معیشت کو تباہ وبرباد کر دیتے ہیں: "جدید دور میں استعمار کے تمام حربوں کے لیے جو بنیادی عنصر پاور پلانٹ کا کام کر رہا ہے وہ یہی عالمگیریت کا عنصر ہے۔ میڈیا اور بین الاقوامی ادارے اور ایجنسیاں استعمار کے دیگر تمام حربوں کو روبہ عمل لانے اور کامیاب بنانے میں نہایت فعال کردار ادا کرتی ہیں۔"[6] ایک دور تھا جب ہمارے وطن عزیز پاکستان میں گلی گلی سوڈا واٹر بنانے کی مشینیں لگی ہوئی تھیں، کسی کے پاس تھوڑا بہت سرمایہ ہوتا تو وہ سوڈا واٹر کی بوتلیں بنا کر بیچتا تھا۔ اب ہم صرف ڈسٹری بیوٹرز بن کر رہ گئے ہیں، ہم سیون اَپ، کوکا کولا، فانٹا، سپرائٹ کے

ڈسٹری بیوٹرز ہو سکتے ہیں، خود تیار نہیں کر سکتے، پہلے ایک غریب آدمی گھر میں چولہا جلا کر چنے کباب بنا کر بیچتا تھا اور اپنی روزی کا سامان پیدا کرتا تھا، اب وہ سب کچھ ختم ہو رہا ہے، اب فائیو سٹارز ہوٹل بن گئے ہیں، جہاں ایک رات کا کرایہ ہزاروں روپے ہے، اب پوری دنیا میں ملٹی نیشنلز کا قبضہ ہے۔ شیر ٹن اور ہالی ڈے اِن کی چین ہیں۔ یہ تو یہودیوں کا ایک پروگرام ہے کہ پوری دنیا کا استحصال کرنا ہے، یہودیوں کا اصول ہے کہ تم مزدوری کرو تمہیں مزدوری ملے گی، لیکن اس کی ملائی ہم کھینچ لیں گے، یہ یہودیوں کا پروگرام ہے جسے گلوبلائزیشن کا نام دیا جارہا ہے۔

مولانا عاصم عمر لکھتے ہیں: ’’ اہل یورپ کی حالت یہ ہے کہ ان کا بچہ بچہ ملٹی نیشنلز کے سود خوروں کا مقروض ہے۔ زمینیں ان کی ملکیت سے نکل چکی ہیں۔ غزائی مواد پر عیسائیت کے دشمنوں کا قبضہ ہے، یہاں تک کہ پینے کے پانی پر بھی ملٹی نیشنلز کی اجارہ داری ہے۔ خود امریکی عوام کو اس نظام کے ذریعے انہی قوتوں نے اس کتے کی طرح بنا کر رکھا ہے جس کی زندگی کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ وہ اپنے مالک (ملٹی نیشنلز) کے مفادات کی نگرانی کرتا رہے۔‘‘[7] عالم اسلام کے خلاف مغربیت کی سازشوں سے انکار ممکن نہیں، جب کوئی مسلمان ملک تھوڑی بہت ترقی کرتا ہے تو اس ملک کے خلاف اقتصادی پابندیاں لگا کر کمزور کر دیا جاتا ہے، جیسا کہ ملائشیا کے خلاف مالی بحران کھڑا کر دیا گیا، تاکہ اس کی معیشت کو تباہ کر دیا جائے۔ اسی طرح جب کوئی مسلمان دفاعی لحاظ سے ترقی کرتا ہے تو اس ملک پر بھی حملہ کر دیا جاتا ہے۔ خود امریکہ کے پاس ہزاروں کی تعداد میں جوہری ہتھیار ہیں، لیکن مسلمان ممالک کی ترقی اسے ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ پاکستان ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے کے جرم میں ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ جنرل ضیاء الحق کو فضائی حادثے میں اڑا دیا گیا۔ اسلامی دنیا کے ہیرو ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو گلی گلی رسوا کر دیا گیا۔

2) جمہوریت

عالم مشرق پر مغربی تہذیب کو حاکم کرنے کے لئے استعماری طاقتوں نے جو حربے اپنائے ان میں ایک حربہ جمہوریت ہے۔ جمہوری نظام کی نظریاتی اور فکری بنیادیں فرانس سے تعلق رکھنے والے تین مفکرین نے کھڑی کی ہیں:

1. وولٹائر نے اس نظریے کو فروغ دیا کہ ریاستی معاملات میں مذہب اور خدا کا کوئی کردار نہیں اور یہ کہ مذہب انسان کی ذاتی تسکین کا ذریعہ ہے، لہٰذا کوئی مذہب حق یا باطل نہیں۔ یہ انسان کا ذاتی معاملہ ہے۔
2. جمہوری نظام کی صورت گری کرنے والا دوسرا اہم مفکر مونتیسکو ہے، جو یہ نظریہ پیش کرتا ہے کہ تمام اختیارات ایک حکمران کے ہاتھ میں ہونے سے ہی ساری خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔
3. تیسرا مفکر روسو تھا۔ جس نے فرد کی آزادی اور اس حق پر زور دیا کہ وہ جب چاہیں کوئی حکومت بنائیں اور جب چاہیں ختم کر دیں۔

جمہوری طرزِ سیاست کے معرضِ وجود میں آنے کے پیچھے کچھ فکری بنیادیں اور تاریخی عوامل کارفرما ہیں۔ تاریخی عوامل میں سب سے پہلا عنصر تو یہ تھا کہ جب مغربی عوام میں کلیسا اور مذہب کے خلاف بغاوت کے جذبات پیدا ہوئے تو ساتھ ہی اس خیال نے بھی جڑ پکڑ لی کہ انسان اپنی زندگی سے متعلق فیصلوں میں کسی مذہبی یا شاہی قانون کے پابند نہیں بلکہ اپنی قسمت اور مستقبل کا فیصلہ خود کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔ مغربیت کا جمہوری تصور تین اصولوں پر مبنی ہے:

1. حکومت اور معاشرے کے اجتماعی شعبوں میں مذہب کا کوئی عمل دخل نہیں۔ مذہب ہر فرد کا ذاتی معاملہ ہے۔
2. دستور و قانون کی تشکیل خالصتاً عوام کا حق ہے اور ان کے منتخب نمائندے جو بھی طے کرلیں وہی دستور اور قانون ہے۔ وہ اپنے فیصلوں یا قانون سازی میں آسمانی تعلیمات کے پابند نہیں ہیں۔
3. حکومت کی تشکیل اور اس کی بقا عوام کی رائے اور مرضی پر موقوف ہے اور عوام کی مرضی یا قبولیت کے بغیر قائم ہونے والی حکومت جائز نہیں ہے۔

اگر جمہوری نظام کی فکری بنیادوں اور فلسفوں کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ نظام کسی صورت میں اسلامی نظام سیاست وحکومت سے میل نہیں کھاتا: ”جمہوری نظام سیاست کے مقاصد میں کبھی بھی یہ مقصد بیان نہیں ہوا کہ خیر کو پھیلایا جائے گا اور شر کو روکا جائے گا، کیونکہ جمہوری نظام حکومت میں مذہب کا کوئی عمل دخل نہیں، اگر قبیح ترین عمل بھی معاشرے میں قبولیت کا درجہ حاصل کرلے تو اسے قانونی طور پر جائز قرار دیا جاتا ہے، امریکہ میں حکومت نے شراب کی خرید وفروخت اور شراب نوشی کے عمل کو غیر قانونی قرار دیا، مگر صرف چودہ سال بعد ۱۹۳۳ء میں قانون تحریم خمر کو تنسیخ کر دیا گیا، کیونکہ امریکی عوام کی اکثریت اسے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھی۔“[8]

جہاں تک جمہوریت کے عالم اسلام پر تہذیبی اثرات کا تعلق ہے تو اس حوالے سے یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ مغرب اپنے نظام جمہوریت کو اسلامی معاشروں پر مسلط کر چکا ہے۔ اسلامی معاشروں میں قوانین وحی کی بجائے اکثریتی رائے کی روشنی میں تشکیل پانے لگے، یہ نظام اس لیے بھی اس امت کے لیے تباہ کن ہے کہ اکثریت کی رائے کو اپنی مرضی کی شکل دینا اب مشکل نہیں رہا۔ جمہوریت کے موجودہ نظام کے بارے میں مفتی تقی عثمانی یوں رقم طراز ہیں: ”ہمارے دور میں جمہوریت کو ہی سب سے بہتر نظام سیاست قرار دیا گیا ہے اور جمہوریت پر ایمان لانا آج کی سیاست کا کلمہ طیبہ بن چکا ہے، کوئی شخص جمہوریت پر اعتراض کی زبان کھولے تو وہ سیاست کی اصطلاح میں کافر سے کم نہیں۔“[9] عالم اسلام میں جمہوریت کا پنپنا امریکی اور مغربی استعماری عزائم کا اندازہ اس اسے لگایا جا سکتا ہے کہ اسلامی معاشروں میں اسلام پسند کا زور توڑنے کے لیے اور Moderate طبقوں کو

معاشرے میں اثر ورسوخ دلانے کے لیے یہاں جمہوری نظام کا فروغ بے حد ضروری ہے۔ مغربی استعمار اسلامی معاشروں میں جمہوری نظام حکومت اور سیاست کے رواج پانے سے بے شمار فوائد حاصل کرتا ہے۔ اس حوالے سے سعد یہ روف کا یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ: "جمہوری نظام میں عقیدہ قومیت خود بخود مضبوط ہوتا ہے، اس نظام کے لیے راہنما اصول مغربی نظریات اور فلسفوں سے لیے جاتے ہیں۔ انتخابات کا عمل ایک مہنگا اور پیچیدہ عمل ہے۔ انتخابی مہمات کے دوران جہالت زدہ اور پسماندہ طبقات کو جھوٹے خواب دکھا کر اور امیدیں دلا کر ان کا استحصال کیا جاتا ہے۔ میڈیا کے ذریعے عوام کو بے وقوف بنایا جاتا ہے۔ مرد وعورت، جاہل اور عاقل، مسلم وغیر مسلم، نیک وبد سب کو ایک ہی قطار میں رکھا جاتا ہے اور سب کی رائے کو برابر حیثیت حاصل ہوتی ہے۔"[10]

جمہوری طرزِ حکومت کے بارے میں علامہ محمد اقبال کو ملاحظہ فرمائیں۔

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں		بندوں کو گِنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے[11]

جمہوریت کے بنیادی عناصر اسلام کے عقیدہ وشریعت کے ساتھ ہر قدم پر متصادم ہیں۔ اس نظام کے اسلامی معاشروں میں رائج ہونے سے مسلمانوں کو نہیں بلکہ اسلام دشمن قوتوں کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ یہ جمہوری نظام کا ثمر ہی ہے کہ جس نے علماء کو معاشرے کا کم تر فرد بناکے رکھ دیا ہے، جب کہ فساد وفجار کو مہذب ومحترم اور ممتاز قرار دیا ہے، جو اللہ کے قانون سے نابلد ہے، اسے جج بنا دیا جاتا ہے اور اللہ کے قانون سے معرفت رکھنے والے کو فیصلے کا اختیار ہی نہیں۔ آزادی کے نام پر معاشرے کو بے حیائی، فحاشی وعریانی کے جوہڑ میں پھینک دیا گیا ہے۔ اخلاقی قدروں سے محروم کرکے باعزت گھرانوں کی عورتوں کو گھر سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ مغرب میں جمہوریت کا مطلب ہر چیز پر جمہور کی بالادستی ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر بھی جمہور کی بالادستی ہے۔ مغربی جمہوریت میں بغیر کسی رکاوٹ کے شراب، جوا، سود اور زنا کو حلال قرار دیا گیا ہے۔ ہم جنسی پرستی اور بغیر نکاح کے مرد وعورت کو اکیلے رہنے کی اجازت ہے۔ یہ صرف مغربی جمہوریت کی ایک سرسری سی جھلک ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے تمام پہلو سو فیصد غیر اسلامی ہیں۔ مغربی فلسفہ یہ ہے کہ انسان آزاد ہے اور جو چاہے کر سکتا ہے اور اپنی مرضی سے زندگی گزار سکتا ہے۔

3) مغرب نواز سیاسی قیادت کی تربیت

عالم مشرق پر مغربی تہذیب کو حاکم کرنے کے لئے استعماری طاقتوں نے جو حربے اپنائے ان میں ایک اور حربہ ایسے مقامی افراد کی تعلیم وتربیت اور ذہن سازی ہے جو استعمار کے قائم مقام کی حیثیت سے استعماری فرائض سر انجام دیتے رہیں اور ملک وملت کے وسائل خود اپنے ہاتھوں سے اپنے آقاؤں کو پیش کرتے رہیں۔ کسی بھی معاشرے میں طاقت، اقتدار، اور اختیارات تین طبقات میں ہوتے ہیں یعنی فوج، بیورو کریسی، سیاسی راہنما۔ ان

تینوں طبقات کی ذہنی تربیت تو استعمار جانے سے پہلے ہی کر چکا تھا۔ یہ اسی تعلیم وتربیت کا اثر تھا کہ جب طاقت کا توازن یورپ کی بجائے امریکہ کے ہاتھ میں آیا تو ہمارے حکمرانوں کا قبلہ بھی امریکہ قرار پایا۔ اس صورت حال کو خرم مراد یوں بیان کرتے ہیں: " برطانوی دور استعمار کے دوران یہاں ہمارے اہل حل وعقد نے انگریز سے یاری، اس سے مکمل وفاداری، اس کی فوجوں کے لیے اپنے جوانوں کی فراہمی اور اس کے دربار میں کرسی ہی سے انہوں نے اپنی قسمت کے ستارے کو چمکتے دیکھا تھا، چنانچہ ان کے دیرینہ تجربے اور نفسیات نے بھی انہیں یہی سمجھایا، اب جب کہ پاکستان کی صورت میں ایک بڑی جاگیر ان کے ہاتھ میں آ گئی ہے تو اس کی قسمت چمکانے کا نتیجہ بھی یہی ہے، اس میں اس کی سلامتی اور دفاع۔ اس کے قومی اہداف کے حصول اور اس کی ترقی کا راز پوشیدہ ہے، چنانچہ وہ بلا جھجک امریکہ کی سرپرستی حاصل کرنے اور اس کا یار وفادار بننے کے لیے کوشاں ہو گئے۔"[12]

مغربی تہذیب کی عالم اسلام کے خلاف سیاسی ریشہ دوانیوں کا ایک دلخراش نتیجہ جو سامنے آیا وہ خلافت عثمانیہ کا خاتمہ تھا۔ جب ۱۹۲۴ء میں خلافت کا خاتمہ کر دیا گیا تو اسے مغربی استعماری قوتیں اسے اپنے لیے بہت بڑی کامیابی قرار دیا۔ لیکن سوچنا یہ ہے کہ آخر وہ کون سی وجوہات تھیں جن کی بدولت اہل مغرب کو اس بے اختیار ادارے کا وجود بھی برداشت نہیں تھا۔ خلافت کی حقیقت میں ڈاکٹر اسرار احمد ایک واقعہ نقل کرتے ہیں: " شیخ الہند مولانا محمود الحسن جب مالٹا میں اسیری کے دن کاٹ رہے تھے، اس دوران ایک بار انہوں نے وہاں موجود انگریز کمانڈنٹ سے پوچھا کہ ہماری خلافت تو ایک مُردہ خلافت ہے، آپ لوگ اس کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں اور اس سے آپ کو کیا تکلیف ہے؟ اس پر انگریز کمانڈنٹ نے جواب دیا: مولانا آپ اتنے سادہ نہ بنیں آپ بھی جانتے ہیں اور ہمیں بھی معلوم ہے کہ یہ گئی گزری خلافت بھی اتنی طاقتور ہے کہ اگر کہیں دار الخلافہ سے جہاد کا اعلان ہو جائے تو مشرق سے مغرب تک لاکھوں مسلمان سر پر کفن باندھ کر میدان میں نکل آئیں گے۔"[13]

جہاں تک امت مسلمہ کا تعلق ہے تو خلافت سے محروم ہونے کے بعد یہ امت اس جدید نظام میں یتیمی کی زندگی گزار رہی ہے جہاں اس کا کوئی پرسان حال نہیں۔ جو آتا ہے دلاسے دیتا ہے، پچکارتا ہے اور لوٹ جاتا ہے۔ پھر جمہوریت کے بازار حسن میں کوئی نیا چہرہ نمودار ہوتا ہے، عوام کے لطیف جذبات کو چھیڑتا ہے، جوش دلاتا ہے اور پھر ڈنگ مار کر چلتا بنتا ہے۔ عالم اسلام پر ایسے غلیظ طبقے کو مسلط کر دیا گیا ہے جو ہماری زبان سے زیادہ اپنے گورے آقاؤں کی زبان اور تہذیب وثقافت کا دِلدادہ ہے۔ جس امت کو خلافت عثمانیہ کے جھنڈے تلے جمع ہونا فرض تھا، آج وہ امت اقوام متحدہ کی کفریہ حکومت کے زیر تسلط زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ انٹرنیشنل سودی مالیاتی اداروں کے تحت اس کا کاروبار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیر اللہ کو نظام زندگی بنانے کا حق دیا گیا ہے۔ اس نظام نے عالم اسلام کو ذلت ورسوائی کے علاوہ اور کچھ نہیں دیا۔ اسلامی شان وشوکت کی جگہ امریکہ اور اس کے

حواریوں کی غلامی، صنعت و ٹیکنالوجی پر بالادستی کی بجائے معاشی و اقتصادی زبوں حالی۔ عالمگیر حکمرانی تو کجا خود ان کے ممالک میں ان کے انگریز آقا حکومت کرتے ہیں۔ انگریز کا پیدا کردہ وہ طبقہ جس میں سے کئی ایک کا تو شجرہ نسب بھی محفوظ نہیں، یہ لوگ ملک و قوم کو لوٹ کر اور ملی غیرت کو عالمی منڈی میں نیلام کرنے کے بعد باعزت طریقے سے نکل جاتے ہیں۔

خلافت امت مسلمہ کی وحدت کی علامت ہے، یہ مسلمانوں کے لیے ایک مذہبی، جذباتی، نفسیاتی اور تاریخی مرکز ہے، لیکن مغرب کی کوشش ہے کہ دنیا کے سامنے خلافت کو ایک ایسے نظام کے طور پر پیش کرنا ہے جو ظلم و ناانصافی اور کمزوریوں کے استحصال پر مبنی ہے اور خود کو ایک نجات دہندہ کے طور پر پیش کرے، جو عام طور پر دنیا کو اور خاص طور پر مسلمانوں کو مٹھی بھر انتہا پسندوں سے بچانے کے لیے ہر حد تک جانے کو تیار ہے جو آزاد دنیا کو خلافت کی زنجیروں میں قید کرنا چاہتے ہیں: ”مغرب کے نزدیک ۱۹۲۴ء میں عثمانی خلافت کے خاتمے کے بعد بھی یہ خطرہ ابھی ٹلا نہیں ہے، کیونکہ مراکش سے انڈونیشیا تک پھیلی ہوئی اسلامی دنیا میں جہاں کہیں کوئی احیائی عمل بیدار ہوتا ہے وہاں نظام شریعت کے نفاذ اور خلافت کی برکات کے حق میں کچھ صدائیں ضرور بلند ہوتی ہیں۔ خلافت کا خیال ابھی مسلمانوں کے دِلوں سے محو نہیں ہوا۔ خلافت ایک ایسا ادارہ ہے جو محض مسلمانوں کی خواہش کے زور پر عمل میں نہیں آیا، بلکہ ایمان، عمل صالح اور جہاد کی خاص شرائط کی تکمیل کے بعد قائم ہوا ہے، لہٰذا خلافت کے قیام کا امکان ختم کردینے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ اس امت کے اندر سے ایمان، عقیدہ، عمل اور جہد مسلسل کے سب سوتے خشک کردیئے جائیں، لہٰذا اسی مقصد کے حصول کے لیے باطل قوتیں مصروف عمل ہیں۔“[14]

عالم اسلام میں خلافت کے خاتمے کے حوالے سے ڈاکٹر محمد امین یوں رقمطراز ہیں: ” اہل یورپ نے مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا جال پھیلایا۔ عربوں کو ترکی کی مرکزی حکومت کے خلاف بھڑکایا۔ ان کا نظام خلافت ختم کروایا۔ مسلمانوں کی مختلف ریاستوں کو ایک دوسرے سے لڑایا۔ شروع شروع میں ان سے تجارتی مراعات لیں اور آہستہ آہستہ پر پھیلا کر انڈسٹریل اسٹیٹس بنائیں، ان کے لیے حفاظتی گارڈز رکھنے کے نام پر پرائیویٹ فوج بنائی، رشوت اور پیسے دے کر جرنیلوں کو خریدا اور باغیرت مسلمان حکمرانوں کے خلاف لڑائیاں لڑیں۔ مسلمان حکومتوں کو کمزور کیا، انہیں شکست دی، ان ممالک پر قبضہ کرکے ان کا اتحاد ختم کردیا، انہیں چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بانٹ دیا تاکہ نہ کبھی وہ متحد ہوں اور نہ کبھی ان کے لیے خطرہ بن سکیں۔“[15]

موجودہ دور میں مغربی تہذیب کی عالم اسلام پر اپنی پسند کی سیاسی قیادت کی حکمرانی قائم کرنے کے کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں اور امت مسلمہ کے مسائل اور تکالیف پر ان حکمرانوں کا رویہ اور احساسات کیا ہیں، اس کی چھوٹی سی جھلک پرویز مشرف کے اس بیان سے نظر آتی ہے جو انہوں نے ۱۲ جنوری ۲۰۰۱ء کو دیا۔ پرویز مشرف نے واضح

طور پر یہ کہہ دیا کہ: "ہم کوئی اسلام کے ٹھیکیدار تو نہیں۔" اسی طرح عرب ممالک کے قلب میں یہودیوں کا اپنی پوری قوت و بازو سے اپنی ریاست بنانا، عراق کا ایران پر حملہ اور پھر کویت پر یلغار، ارض مقدس میں امریکی فوجیوں کا اترنا، استعماری حملوں کا شکار ہونے والے مہاجرین کے لیے مسلم ممالک کا اپنی سرحدوں کو بند کرنا، یہ سب مسلم حکمرانوں کی بے حسی اور ظلم واستبداد کے علاوہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ حکمران استعماری آقاؤں کے ہاتھوں محض کٹھ پتلیاں ہیں، عالم اسلام نے اپنے جن مسائل کے حل کے لیے امریکہ سے امید لگائی ناکام ہوئے، پرویز مشرف نے تو اس حد تک بیان دیا تھا کہ وہ نماز نہیں پڑھتا۔

عربوں کی صورت حال بھی کچھ اس طرح ہے: "کئی عرب ممالک کے حکمرانوں میں خدا پرستی کی بجائے قوم پرستی کا یہ عالم رہا کہ مصر کے جمال الدین ناصر نے اپنے ریاستی دستور سے اسلام کو کھلم کھلا خارج کرکے عرب سوشلزم کو سرکاری مذہب کے طور پر اختیار کیا"۔[16] حد تو یہ ہے کہ ہمارے حکمرانوں نے مغربی آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے قوم کی بیٹیوں تک کو کفار کے حوالے کر دیا۔ مغرب نواز حکمرانوں کے بارے میں مریم خنساء کے جذبات ملاحظہ فرمائیں: " مسلمان حکمرانوں کو کبھی یہ جرات نہ ہو سکی کہ مظلوم مسلمان خطوں مثلاً کشمیر، فلسطین، بوسنیا، برما، وغیرہ کے حق میں مضبوط اور دلیرانہ مؤقف اپنا سکیں۔ اس کے برعکس ہم اس دور کا جائزہ لیتے ہیں، جب خلافت موجود تھی تو ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف مسلمان امراء، گورنروں اور خلفاء نے اپنی ذاتی کمزوریوں اور خامیوں کے باوجود کبھی دینی غیرت پر سمجھوتہ نہیں کیا تھا۔"[17] عصر حاضر میں میڈیا کی بھرپور قوت کے ساتھ سیٹلائٹس کے ذریعے ریڈیو، ٹی وی، انٹرنیٹ، اخبارات، جرائد یعنی الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کی ساری قوت اس بات پر لگا دی گئی ہے کہ مسلمان مسلمان نہ رہیں: "مسلمان ممالک پر مغرب کے ایجنٹ آمر حکمران مسلط کیے جائیں خواہ وہ فوجی ہوں، خواہ بادشاہ یا سیاست دان ہوں۔ بس شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان عوام کی نہ مانیں، مغرب بہادر کے حکم پر چلیں ورنہ چھٹی۔ مشرق بعید سے لے کر مشرق قریب تک وسط ایشیاء، مشرق اوسط، افریقہ، غرض جہاں جہاں مسلمان ممالک ہیں اس اسکیم پر بہر صورت عمل کرایا جارہا ہے۔"[18]

لہٰذا وطن عزیز پر ایسے حکمران مسلط کر دیے جاتے ہیں جو مغرب کے ناجائز دباؤ کو برداشت کر سکیں۔ ایسے حکمران اپنے اقتدار کے تحفظ اور طول دینے کے لیے مغرب کے ناجائز دباؤ کو قبول کر لیتے ہیں اور جمہوریت کے مؤقف سے صرف نظر کر لیتے ہیں، بلکہ مغرب کے ساتھ مل کر کمزور مسلم ممالک کو کچلنے میں مغربی طاقتوں کا ساتھ دینا قبول کر لیتے ہیں۔ ایسے حکمران نہ عوام کی مرضی سے برسر اقتدار آتے ہیں نہ عوام کی مرضی سے اقتدار پر رہ سکتے ہیں۔ ایسے حکمرانوں کو مغرب کی پشت پناہی حاصل ہوتی ہے، ایسے حکمران مغربی سامراج کے ایجنٹ بن کر دہشت گردی کے پرفریب نعرے سے عوام میں انتشار پھیلانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

4) مغربیت نواز دینی دانشوروں کی تربیت

مغربیت کی تحریک عالم مشرق کو اپنی لپیٹ میں لینے کے لئے جو حربے اپنائے ہیں، ان میں ایک اہم حربہ ایسے افراد کی تربیت ہے جو مسلم دنیا کو مغربی تہذیب اپنانے کی ترغیب دلا سکیں۔ عالمِ اسلام میں جن لوگوں کی اس خاص ہدف کے تحت تربیت کی گئی ان میں ایک شخصیت محمد علی والئ مصر کی ہے جنہوں نے ۱۸۰۵ میں یورپی نظام کے مطابق ایک لشکر تیار کرکے یورپ روانہ کیا۔ احمد پاشا بانی اوّل نے تونس میں ایک لشکر تیار کیا اور حربی علوم کا مدرسہ کھولا۔ وہاں پڑھانے والے اساتذہ فرانس، اٹلی اور انگلینڈ کے تھے۔ عثمانی بادشاہ عبدالحمید نے ۱۸۳۹ء میں ایک منشور جاری کیا جس میں غیر مسلموں کے لیے فوجی خدمات پیش کرنے کی اجازت دی۔ سلطان سلیم ثالث نے جنگی و بحری سکول قائم کرنے کے لیے سویڈن، فرانس، ہنگری اور برطانیہ سے انجینئروں کو اپنے ملک بلوایا۔ قاجار خاندان جس نے ایران پر حکومت کی تھی، اس نے ۱۸۵۲ء میں مغربی طرز پر علوم وفنون کا ایک کالج کھولا۔ رفاعۃالطہطاوی پیرس گئے، وہاں انہوں نے ۱۸۲۶ء سے ۱۸۳۱ء تک پانچ سال قیام کیا، اسی طرح خیر الدین تونسی نے ۱۸۵۲ء سے ۱۸۵۶ء تک پیرس میں قیام کیا۔ یہ دونوں حضرات پیرس سے اپنے افکار لے کر واپس لوٹے جو عقلی بنیاد پر معاشرے کو لادینیت پر استوار کرنے کی دعوت دیتے تھے۔

۱۸۳۰ء سے یورپی ممالک سے تعلیم حاصل کرکے واپس آنے والوں نے فولٹر، روسو اور مونتسکیو کی کتب کا ترجمہ شروع کر دیا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ مغربی افکار کو فروغ دیا جائے۔ کرومو نے اسکندریہ میں حکمران لیڈروں کی نئی نسل کی تربیت کے لیے مغربیت کی طرزِ تعمیر میں وکٹوریہ کالج بنایا تاکہ نئی نسل مغربی افکار سے آشکار ہو سکے۔ ۱۸۶۰ء سے مغربیت کی تحریک نے لبنان میں انتداب کے ذریعے اپنا اثر ورسوخ شروع کر دیا اور پھر وہاں سے خدیوی اسماعیل کی سرپرستی میں یہ تحریک مصر میں پھیل گئی۔ جس کا مقصد مصر کو مغرب کا حصہ بنانا تھا۔ ابراہیم البازجی کے امریکی انجیلی وفود کے ساتھ بڑے گہرے تعلقات تھے۔ پطرس البستانی نے ۱۸۶۳ء میں عربی زبان اور جدید تعلیم کے لیے ایک مدرسہ بنایا۔ وہ پہلے مسیحی تھے جو عربیت اور وطنیت کی دعوت دیتے تھے۔ ان کے نزدیک وطن کی محبت ایمان کی جز ہے۔ جرجی زیدان نے ۱۸۹۲ء میں مصر سے الھلال نامی رسالہ شائع کیا۔ ان کے امریکی نمائندوں کے ساتھ گہرے مراسم تھے۔ نیز اسلام و مسلمانوں پر افترا کرنے کے لیے تاریخی قصوں کے ایک بہت بڑے سلسلے کو جمع کر رکھا تھا۔ سلیم تقلا نے مصر میں الاھرام نامی اخبار شائع کیا۔ اس سے پہلے مدرسہ عتبیہ میں تعلیم حاصل کی، اس مدرسے کے بانی ایک امریکی مبلغ فاندیک تھے۔

سلطان محمود ثانی نے ۱۸۲۶ء میں انکشاریہ عثمانیہ کا خاتمہ کرکے مغربی لباس اپنانے کا حکم دیا جسے فوج اور شہریوں پر لازمی قرار دے دیا۔ جمال الدین افغانی نے عالم اسلام اور مشرق و مغرب کے افکار کا مطالعہ کیا۔ دورِ جدید میں خفیہ

جماعتوں کا نظام مصر میں داخل کیا۔ یہ ماسونی کلبوں میں شریک ہوتے تھے اور نظریہ وحدۃالوجود کے قائل تھے۔ نشاہ وترقی کے متعلق جمال الدین افغانی کی باتیں ڈارون کی باتوں سے مشابہت رکھتی ہیں۔ قالم امین نے تحریک آزادیٔ نسواں اور عورتوں کے لیے سرکاری وغیر سرکاری سطح پر کام کرنے کے مواقع فراہم کرنے کی تحریک شروع کی۔ اس سلسلے میں ان کی دو کتب تحریر المراۃ ۱۸۹۹ء، المراۃ الجدیدۃ ۱۹۰۰ء میں چھپیں۔طٰہٰ حسین عالم اسلام میں مغربیت کی دعوت دینے والے اہم افراد میں سے ایک ہیں۔ محمود عزمی مصر میں فرعونیت کے سب سے بڑے داعی تھے، انہوں نے مستشرق ڈورکایم سے تعلیم حاصل کی۔ جس کا کہنا تھا کہ اقتصاد کا تذکرہ کرو تو شریعت کا تذکرہ نہ کرو اور اگر شریعت کا تذکرہ کرو تو اقتصاد کا تذکرہ نہ کرو۔ محمد حسین ھیکل کا شمار اہم مغربی افکار کے حامل افراد میں ہوتا ہے۔اخبار السیاسہ کے چیف ایڈیٹر رہ چکے ہیں۔ شبلی شمیل نے دعوت لادینیت اور تحریک تنقید ادیان واخلاق کی قیادت کی۔

عالم اسلام میں مغرب نواز دانش ور طبقہ کے خطرات ایک لحاظ سے مغرب نواز سیاسی قیادت سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔ یہ مغرب کی خوش قسمتی ہے کہ مسلم ممالک میں دانشوروں کا ایک ایسا طبقہ بھی ہے جو مسلمانوں سے زیادہ مغرب اور امریکہ کا خیر خواہ ہے۔ یہ وہ طبقہ ہے جو قرآن وسنت کی تعلیمات سے مبرا ہو کر اور یہود ونصاریٰ کا اصلی چہرہ دیکھے بغیر ہی مغربی مادی ترقی اور ظاہری چمک دمک دیکھ کر مغرب کا دِلدادہ ہو گیا ہے۔ یہ دانشور اپنی تقریروں، تحریروں، بیانات اور طرزِ فکر سے مغرب کے مقاصد کو پورا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ یہ دانشور اپنی چرب زبانی سے قوم کو یہ باور کرواتے ہیں کہ مذہب کو دین سمجھنے کا زمانہ بیت گیا، اب ہمیں ترقی وخوشحالی کے لیے آسمان کی طرف نہیں بلکہ مغرب کی طرف دیکھنا ضروری ہے۔ حضور ﷺ کا ارشادِ مبارکہ ہے: ''قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ بتایا جائے گا اور ''رویبضہ'' بات کریں گے۔آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ رویبضہ کون ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: گھٹیا لوگ جو لوگوں کے اہم معاملات میں بولا کریں گے''۔[19]

ایسے دانشور ہمیں زندگی کے ہر شعبے میں نظر آئیں گے جو کبھی نظام خلافت کے مقابلے میں جمہوریت کو ترجیح دیں گے، مذہبی ہم آہنگی اور رواداری کا پرچار کرتے ہیں۔ مغربی سامراج کے خلاف آواز اٹھانے والوں کو ناعاقبت اندیش قرار دے کر مغرب کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں، ان باکردار، غیور حریت پسندوں پر انتہا پسندی اور دہشت گردی کا لیبل لگا دیتے ہیں: ''اس دور میں امت مسلمہ کی علمی وفکری قیادت برصغیر اور مصر کے اہل علم کے ہاتھ آ چکی تھی۔ بعض مسلمان مفکرین نے اسلام کو جدید الحادی نظریات سے منطبق کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے اس مقصد کے لیے اسلام کے بعض بنیادی عقائد واعمال کا بھی انکار کر دیا، اس نقطۂ نظر کو ماننے اور پھیلانے والوں

میں ہندوستان کے سر سید احمد خان، مصر کے طہٰ حسین اور سعید زغلول شامل ہیں۔ اسی فکر کو بیسویں صدی میں غلام احمد پرویز اور ان کے شاگرد ڈاکٹر عبد الودود نے پیش کیا۔ روایتی اور جدید نقطۂ نظر کے حامل علماء کرام کے اثر ورسوخ کے پیش نظر اس فکر کو مسلم معاشروں میں عام مقبولیت حاصل نہ ہو سکی۔"[20] ان کے بعد جدید طرزِ فکر رکھنے والے علماء کرام نے مغرب کے الحادی افکار پر کڑی تنقید کی۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت تو ناقابل تغیر ہے۔ اس نقطہ نظر کے حاملین میں بر صغیر پاک وہند کے اہل علم ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، ابو الکلام آزاد، علامہ شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، حمید الدین فراہی اور سید ابو الاعلیٰ مودودی اور مصر کے علماء میں رشید رضا، حسن البنا اور سید قطب شامل ہیں۔ ایران میں امام خمینی اور استاد مرتضیٰ مطہری جیسے علماء نے مغرب نواز دانشوروں کے نظریات کو ردّ کیا۔ ان علماء نے عالم اسلام میں بڑی بڑی تحریکیں برپا کیں جن کے نتیجے میں جدید طبقہ اسلام کی حقیقی روح سے متعارف ہوا۔

5) اسلامی قوانین اور معاشرتی اقدار پر حملہ

مغربیت نے اسلامی قوانین اور اسلامی و معاشرتی اقدار کو مسلسل اپنے حملوں کا نشانہ بنا رکھا ہے۔ اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ یہ قوانین واقدار مغرب کے استعماری ایجنڈے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ مغرب کی تمام تر سعی کے باوجود وہ اسلامی معاشروں کو مکمل طور پر اپنی خداد بیزار اور مادر پدر تہذیب کے رنگ میں نہیں رنگ سکا۔ مسلم معاشروں کے لاشعور ہی میں کچھ ایسے اعمال وافعال کی کراہت بیٹھ چکی ہے کہ مغرب کی انتھک کوشش کے باوجود ہماری روشن خیالی کچھ بنیادی حدود کو عبور کرنے کے لیے تیار نہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ عالم اسلام میں وقتاً فوقتاً کچھ ایسی سوچیں یا تحریکیں سر اٹھاتی رہتی ہیں جن کا مقد یہی ہے کہ مسلم ممالک میں شرعی نظام کا نفاذ کیا جائے۔ اگر ان کی کوشش رنگ لاتی ہے تو نہ صرف مسلمان بلکہ اہل مغرب بھی اسلامی قوانین اور شرعی نظام کی برکات سے اپنے مسائل حل کر لیں گے۔ ڈاکٹر حافظ محمد زبیر لکھتے ہیں کہ: " بلاشبہ مغرب میں موجودہ قانون کی جمیع اقسام اور صورتوں کا مصدر رومی قانون ہے، جب کہ مشرق میں اسلامی قانون کو ایک بنیادی ماخذ کی حیثیت حاصل رہی ہے، جس کی وجہ سے مغرب اسلامی قانون کو اپنا حریف خیال کرتا ہے، پس مستشرقین کی ایک جماعت نے اسلامی قانون کو خاص طور پر اپنی تحقیقات کا موضوع بنایا، تاکہ اس کے بارے میں تشکیک و شبہات وارد کر کے اس کی اہمیت کم کر سکیں۔"[21]

مغرب نے یہ لائحہ عمل اپنایا ہے کہ ایک طرف اسلامی و شرعی قوانین کے مصادر قرآن وسنت پر حملہ کیا جائے، قرآنِ مجید کو الہامی کتاب کی بجائے نعوذ باللہ محمد ﷺ کی اپنی تصنیف ثابت کیا جائے اور ذخیرہ حدیث کی صحت سے متعلق عام مسلمانوں کو شکوک و شبہات میں مبتلا کر دیا جائے۔ مغرب کے نزدیک اسلامی قوانین اور معاشرتی

اقدار، ظالمانہ وحشیانہ اور پسماندہ ہیں، اس غرض سے انہوں نے استشراق کا ایک گروہ تیار کر رکھا ہے جو میڈیا کا سہارا لے کر اسلامی قوانین کے خلاف پراپیگنڈہ کی مہم چلائی جارہی ہے، مستشرقین یہ واویلا کرتے ہیں کہ قرآنِ مجید کلام الٰہی نہیں بلکہ انسانی ذہن کی اختراع ہے اور احادیث مبارکہ کے بارے میں بھی ان کا نظریہ یہ ہے کہ حدیث ایک مشکوک اور ناقص ذریعہ قانون سازی ہے۔ قانون حد کو بھی نشانہ بنایا گیا ہے اور اسے غیر مہذب سزا قرار دے کر شرعی قوانین کا مذاق اڑایا گیا ہے۔

حجاب کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ حجاب کا حکم عام مسلمان عورتوں کے لیے قرآن سے ثابت نہیں اور یہ حکم صرف حضور ﷺ کی ازواج کے لیے مختص ہے، اسی طرح اگر ایک مرد کو چار شادیوں کی اجازت ہے تو ایک عورت چار شادیاں کیوں نہیں کر سکتی۔ مغرب کا مقصد اور بنیادی ایجنڈہ یہی ہے کہ شرم وحیا، عفت وعصمت اور خاندانی نظام کے تصورات کو ختم کیا جائے۔ ان تمام کوششوں اور اقدامات کا مقصد یہی ہے کہ اسلامی قوانین واقدار کو غیر مہذب ثابت کیا جائے۔ آج جدید دور کا انسان اتنا باعلم اور بااختیار ہو چکا ہے کہ اسے کسی آسمانی راہنمائی کی ضرورت نہیں، لیکن یہ امت مسلمہ پر اللہ کا خاص کرم وعنایت ہے کہ ہمارے اندر ایسے علمائے دین پیدا فرمائے جنہوں نے مستشرقین کی فکر کا منہ توڑ جواب دیا ہے اور استشراقی فکر کو دیوار کے ساتھ پٹخ کر دے مارا ہے۔

6) مسلمان آبادی کی تباہی

استعماری قوتوں نے نسل انسانی کی ہلاکت وبربادی کے لیے بڑے بڑے منصوبوں کے جال بنے ہیں۔ مغرب کی اپنی آبادی تو کم ہوتی جارہی ہے، لیکن امت مسلمہ کی آبادی کو کم کرنے کے لیے خاندانی منصوبہ بندی اور خوش حال ترقی کے منصوبے شروع کیے ہیں اور ہماری نسل کو تباہ کیا جارہا ہے اس سلسلہ میں مریم خنساء کا تبصرہ کچھ اس طرح ہے: ” مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد روسی امپریلزم سے بھی بڑا خطرہ ہے، لہٰذا اس کا خاتمہ ضروری ہے اس معرکے میں حصہ لینے والے ہر شخص کو حکومت کی طرف سے مالی امداد کی جائے۔ مسلمانوں کی صفوں میں گھس کر ان کی آبادی کو کم کرنے کے لیے کام کیا جائے حتیٰ کہ ان کی آبادی کی شرح کم ہو کر صفر کی سطح تک پہنچ جائے۔“[22] آج امریکہ، ایشیا اور افریقہ کی آبادی کو کنٹرول کرنے کے لیے دل کھول کر سرمایہ خرچ کر رہا ہے۔ اس مقصد کے لیے بے شمار ہتھکنڈے استعمال کیے گئے ہیں۔ اردن میں خاندانی منصوبہ بندی کے لیے استعمال ہونے والے لٹریچر میں اسلامی اصطلاحات کا استعمال بکثرت کیا گیا ہے۔ فلسطین کے تعلیمی نصاب میں منع حمل کی تعلیمات کے لیے اقوام متحدہ نے ۷۵۴ ملین ڈالر مختص کیے تھے۔

لبنان میں ۱۰۳ ملین ڈالر مختص کیے گئے۔ انڈونیشیا کے علماء کو اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ وہ ضبط ولادت اور منع حمل کے لیے اسلامی جواز پیدا کریں۔ انڈونیشیا کی مسلمان فوجی خواتین کی بندوق کی نوک پر کیمپوں میں لے جا کر نسل بندی کی جاتی ہے۔ تعلیمی اداروں میں نوجوان بچیوں کو ٹیکے لگائے جاتے ہیں تا کہ شرح آبادی میں کمی ہو۔ مصر، بنگلادیش اور دیگر مسلم ممالک میں بھی شرح پیدائش میں کمی کے لیے اقدامات اٹھائے جاتے ہیں۔ پاکستان میں فیملی پلاننگ کی آڑ میں بہت سی سرکاری وغیر سرکاری تنظیمیں سرگرم ہیں۔

مسلم آبادی کو کم کرنے کے لیے صرف ایک طریقہ ہی نہیں اپنایا گیا بلکہ ذرائع ابلاغ سے بھی بھرپور مدد لی گئی ہے۔ بلکہ مسلم ممالک پر حملوں کے ذریعے بھی قتل عام کیا گیا۔ بوسنیا، چیچنیا، فلسطین، عراق، کشمیر، برما، افغانستان میں عورتوں اور بچوں کو بے دریغ قتل کیا گیا۔ نئی نسل کی تباہی کا ایک اور طریقہ بھی اپنایا جارہا ہے معاشرہ میں فحاشی، عریانی اور شہوت پرستی کو فروغ دیا جارہا ہے، اس مقصد کے حصول کے لیے شیطانی کارندے پوری محنت اور جانفشانی سے کارِ بد میں مصروف ہیں۔ کمپیوٹر، ٹی وی، موبائل انٹرنیٹ کے ذریعے مسلم معاشروں کو تباہی کی طرف دھکیلا جارہا ہے، ثقافت آرٹ روشن خیالی کے نام پر مخلوط ماحول اور عورتوں کو دفاتر اور بازاروں میں لا کر ہماری نسلوں کو تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا گیا ہے۔

7) جدید نظامِ تعلیم

یورپ نے برصغیر پاک وہند میں اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے جو ہتھکنڈے استعمال کیے ان میں سب سے زیادہ کامیاب اور دور رس نتائج کا حامل ان کا نظام تعلیم تھا۔ اوریا مقبول کے مطابق: " لارڈ میکالے نے ۱۸۳۵ء میں برطانوی پارلیمنٹ میں تقریر کے دوران اعتراف کیا تھا کہ ہندوستان کے سفر کے دوران اسے کوئی بھکاری یا چور نظر نہیں آیا۔ ملک کی اخلاقی حالت بہت بلند ہے اور اقدار کا معیار بہت اعلیٰ ہے۔ ہم اس ملک کو اس وقت تک فتح نہیں کر سکتے جب تک ہم اس کی ریڑھ کی ہڈی نہ توڑ دیں۔ یہ ریڑھ کی ہڈی اس کی روحانی اور معاشرتی میراث ہے اور یہ میراث ان کا غیر رسمی نظام تعلیم منتقل کر رہا ہے۔"[23] مسلمان ممالک کے نظامِ تعلیم میں مغرب اس حد تک دلچسپی لیتا ہے کہ ہمارے نصاب کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے کے لیے کروڑوں ڈالر خرچ کرتا ہے، حالانکہ ان کو ہمارے نظام تعلیم پر نظر رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ ہمارا اور ان کا نظریہ جدا جدا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہمارے نصاب تعلیم سے اسلاف کے کارناموں کو نکال دیا جائے۔ اس کے علاوہ انصاف، اخلاق، شرم وحیا، عدل، حاکمیت اعلیٰ کی جگہ حقوق نسواں، انسانی حقوق، مذہبی جبر کے خلاف تحریک کو شامل کرنا اور لبرل ازم کا نعرہ دینا ضروری ہے۔ اس پالیسی کے نفاذ کے لیے امریکہ نے پاکستان کو سو ملین ڈالر دینے کا اعلان کیا تھا، تا کہ تعلیمی نظام میں اصلاحات کی جائیں۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کا ادراک مولانا مودودی نے اپنی ایک تقریر میں کیا تھا: " یہ تعلیمی ادارے نہیں

بلکہ قتل گاہیں ہیں۔ موجودہ نظام تعلیم میں ملت اسلامیہ کے نونہالوں کو تعلیم وتربیت کے لیے جو انتظام کیا جاتا ہے وہ دراصل ان کو ملت کی پیشوائی کے لیے نہیں بلکہ اس کی غارت گری کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔"[24]

مغربی تہذیب کی فکری بنیادوں پر استوار جدید تعلیمی نظاموں نے ہمارے مروجہ قدیمی تعلیمی نظام کو تباہ وبرباد کر دیا ہے۔ ہمارے تعلیمی نظام سے نظریے اور دینی فلسفے کی روح پرواز کر چکی ہے۔ اس کی جگہ مغربی نظریات نے لے لی ہے۔ مغربی نظام تعلیم نے آج سب سے بڑی خرابی پیدا کی ہے کہ دین اور دنیا کو الگ الگ خانوں میں بانٹ دیا ہے۔ صدیوں سے اسلامی نظام تعلیم کے مراکز مساجد اور مدارس ہوا کرتے تھے، ان مدارس میں قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر، اصول تفسیر کے ساتھ ساتھ علم طب، جغرافیہ اور جدید علوم کی تعلیم دی جاتی تھی، تعلیم کا مقصد صرف کائنات کے چھپے رازوں تک رسائی نہ تھی، بلکہ معرفت خداوندی بھی اہم مقصد تھا۔ جب کہ آج استعمار کے زیر اثر دینی اور دنیاوی تعلیم کے لیے علیحدہ علیحدہ مدارس قائم کر دیے گئے ہیں۔ آج مسلم معاشرے کی صورت حال یہ ہے کہ دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے لوگوں کو وہ مقام اور مرتبہ نہیں ملتا جو دوسرے تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرنے والوں کو ملتا ہے۔ یہ یورپ کا نظریہ ہے کہ تعلیم کا مقصد صرف اعلیٰ معیار قائم کرنا اور نوکری حاصل کرنا ہے۔ آج یہی مقاصد مسلم معاشرے میں بھی نظر آتے ہیں۔ تعلیم کا مقصد اچھے مسلمان نہیں بلکہ قابل ڈاکٹر، انجینئر اور سائنس دان بننا ہے۔ اسلامی ممالک کے نظام تعلیم کا ایک اور سنگین مسئلہ ذریعہ تعلیم بھی ہے۔ جو ملک جس استعماری طاقت کے زیر تسلط رہا، اسی کی زبان اسی ملک میں عزت وسربلندی کی علامت سمجھی جانے لگی، لہٰذا جب ہم نے انگریزوں کے زیر تسلط رہ کر ان کا نظام تعلیم اپنایا تو ان کی اقدار اور رسم ورواج بھی اپنانے پڑے اور مقامی زبان کو ثانوی حیثیت حاصل ہو گئی۔ لہٰذا ہمارے ملک میں نظامِ تعلیم تین طبقات میں بٹ کر رہ گیا ہے:

1. انگریزی سکول جن کا معیار انٹرنیشنل لیول کا ہے، ان سکولوں کی فیس بھی عام آدمی برداشت نہیں کر سکتا، لہٰذا امیر طبقہ انگریزی سکول وکالج کی طرف مائل ہو گیا۔
2. دینی مدارس جو عام طبقہ کے لیے ہیں، غربت وافلاس کے مارے لوگ ان مدارس کی طرف رجحان رکھتے ہیں۔
3. تیسرا درجہ عام سکول اور کالج کا ہے، جس کا کوئی پرسان حال نہیں۔

ہماری نوجوان نسل کے اندر پاکستان کی نظریاتی اساس کے شعور کو ترک کرنے کا اہم ذریعہ نظام تعلیم ونصاب تعلیم ہے۔ اس مقصد کے لیے کی جانے والی استعماری کوششوں کے متعلق سلیم منصور خالد لکھتے ہیں: "پاکستان کے قومی نظام تعلیم کے جسد ملی میں روح محمد ﷺ کی بچی کھچی رمق کو نچوڑ کر رکھ دینا امریکی سامراج کا ہدف ہے۔ اس کے لیے انہوں نے پاکستان کی وزارت تعلیم کو بے دست وپا بنا کر ٹکڑوں میں بانٹ دیا ہے۔ اور ہر ٹکڑے پر چار

چار عالمی این جی اوز کو بٹھا دیا ہے جن کی وفاداریوں کا مرکز پاکستان میں نہیں بلکہ سات سمندر پار ہے۔ ان این جی اوز کی حکمرانی وزارت ہائے تعلیم اور ادارہ ہائے نصابیات سے لے کر اساتذہ کی تربیت اور انہیں دفتری اور انتظامی گر سکھانے تک پھیلی ہوئی ہے۔" [25] لہٰذا ان این جی اوز کی بدولت ہمارے تعلیمی اداروں میں مخلوط ماحول، محافل موسیقی، ناچ گانا، صحت مند غیر نصابی سرگرمیاں عروج پا گئیں، ہماری نوجوان نسل کے اذہان میں جاہلی تہذیب کی محبت کا بیج بویا گیا۔ تعلیمی اداروں کو کاروباری مراکز بنا دیا گیا ہے، انگریزی زبان کی آڑ میں انگریزی تہذیب وثقافت کو پروان چڑھایا گیا ہے، ہمارے دینی مدارس بھی استعمار کے خصوصی اہداف ہیں۔

8) اسلام دشمنی

مغربی تہذیب کی ایک نمایاں خصوصیت، اسلام دشمنی ہے۔ قرآنِ مجید کو جلانے اور بے ادبی کرنے کا کام اسی یورپ کا نام نہاد دانشور کرتا ہے اور کبھی احتجاج کیا جائے تو مسلمانوں کو بنیاد پرست اور دہشت گرد ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ مغربی تہذیب کے دعویداروں نے آزادیٔ رائے کے نام پر گستاخی رسول اکرم کا جواز تراشا ہے۔ بھارتی ملعون سلمان رشدی جو آج کل برطانوی شہریت حاصل کر چکا ہے Satanic verses (شیطانی آیات) ناول کے انداز میں لکھی جانے والی کتاب ہے۔ جس میں اس ملعون نے حضور ﷺ، آپ کی ازواج مطہرات اور صحابہ کرام کو بہت توہین آمیز الفاظ میں پیش کیا ہے۔ اس نے تمسخرانہ انداز میں اس دور کی اکابر شخصیات کا اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ اس کتاب پر پوری دنیا میں غم وغصے کی لہر دوڑ گئی اور امام خمینی جیسے بعض مسلمانوں نے سلمان رشدی کو گستاخ رسول قرار دیتے ہوئے اس کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ صادر کیا۔ لیکن حکومت برطانیہ نے اسے اپنی پناہ میں لے لیا اور کئی سالوں سے حکومت برطانیہ اس کی حفاظت کر رہی ہے اور اس پر لاکھوں پاؤنڈ خرچ کر رہی ہے۔ حکومت برطانیہ کہتی ہے کہ ہم ایک شخص کی حفاظت نہیں کر رہے، بلکہ ہم آزادیٔ رائے کے حق کی حفاظت کر رہے ہیں۔

ابو عمار زاہد لکھتے ہیں: "اسی سلسلے کی ایک اور کڑی تسلیمہ نسرین بھی ہے۔ اس نے بھی اسی طرح کی خرافات پر مشتمل چند کتب لکھی ہیں۔ بنگلا دیش کے علماء نے اس کے خلاف مقدمہ دائر کرکے اسے گرفتار کروا دیا۔ یورپی یونین نے باقاعدہ سرکاری سطح پر اس کو رہا کرانے کا بندوبست کیا اور ان کا نمائندہ باقاعدہ ڈھاکہ آیا اور اسے چھڑا کر ساتھ لے گیا۔ وہاں اسے مال بھی دیا گیا اور پناہ بھی دی گئی۔" [26] اسی طرح کی جسارت قاہرہ یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر نصر ابوزید نے بھی کی ہے۔ اس نے "وحی اور عقل کا تقابل" نامی کتاب لکھ کر اہل اسلام میں تہلکہ مچا دیا ہے۔ نصر ابوزید کہتا ہے کہ دیکھیں آج ایک شخص جو ہوائی جہاز میں سفر کرتا ہے، انٹرنیٹ استعمال کرتا ہے، آج کی جدید ٹیکنالوجی پر عبور رکھتا ہے، اس شخص کو اس شخص کی پیروی کرنے کے لیے کہا جاتا ہے جو خیموں

میں رہتا تھا، خچر پر سواری کرتا تھا۔ نصر مزید کہتا ہے کہ جب تک ان اساطیر اور خرافات سے آج کی نسل نجات حاصل نہیں کرے گی ترقی نہیں کر پائے گی۔ جن اساطیر اور خرافات سے قرآنِ مجید بھرا پڑا ہے۔

مغرب میں حضورﷺ کی شان میں گستاخیوں کاایک سلسلہ جاری ہے اور مسلمانوں کے دلوں سے حضورﷺ کی محبت کو کم کرنے کے لیے فرانس، سویڈن، ڈنمارک اور دیگر یورپی ممالک میں توہین آمیز خاکوں اور پراپیگنڈہ فلموں کا تسلسل جاری ہے۔ سعدیہ روف کے بقول: ”مغرب کاایک مقصد یہ ہے کہ جس رفتار سے خود مغرب میں اسلام مقبول ہوتا جارہا ہے اور آئے روز اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا ہے، اس سے نپٹنے کے لیے اپنی عوام کے دِل ودماغ میں پیغمبرﷺ کے خلاف (نعوذ باللہ) حقارت اور غیر سنجیدگی کے جذبات کو فروغ دیا جائے۔۔۔یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ کسی بھی برائی کو بار بار دہرایا جائے تو آہستہ آہستہ اس کے برا ہونے یا قابل اعتراض ہونے کا تصور معدوم ہو جاتا ہے، ان گستاخانہ جسارتوں کو وقتاً فوقتاً دہرانے میں ایک مقصد یہ بھی پوشیدہ ہے اور پھر سب سے اہم مقصد تو وہی قدیم مقصد ہے کہ آپﷺ کی سچائی اور دعویٰ نبوت کے برحق ہونے کو ہی مشکوک ٹھہرادیا جائے تاکہ آپﷺ کی سنت کی اتباع کاجذبہ مسلمانوں میں ماند پڑ جائے۔“[27]

اس حوالے سے سعید احمد کا کہنا ہے کہ: ”استعماری قوتیں جانتی ہیں کہ اسلام دنیا میں تیزی سے پھیل رہا ہے، اس کے آگے بند باندھنے اور مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں کے دین کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا جائے اور اسلام کے تین بنیادی عقائد کے پرخچے اڑادیئے جائیں اور دنیا کو باور کرایا جائے کہ اللہ انجیل کا خدا نہیں ہے۔ محمدﷺ خدا کے رسول نہیں ہیں۔ قرآن کلام الٰہی نہیں ہے۔“[28] اسی طرح اسرار الحق لکھتے ہیں: ” اگر اس قسم کے توہین رسالت کے خاکوں کو آزادیٔ اظہار کا جواز بنایا جاسکتا ہے تو پھر روئے زمین پر مغرب خاص طور پر امریکہ اور اسرائیل اس بات پر کیوں سیخ پا ہوئے جب یہودیوں کے نازیوں کے ہاتھوں قتل عام پر بحث چھڑی کہ واقعی یہ قتل عام ہوا تھا۔ مغرب کے بہت سے مصنفین اس بات پر اپنے شبہے کااظہار کرتے ہیں کہ واقعی ایسا کوئی قتل عام ہوا تھا۔“[29]

9) فرقہ واریت

فرقہ واریت کا ہتھیار آج بھی اہل مغرب مسلمانوں کے خلاف استعمال کر رہے ہیں، مختلف گروہوں میں تفرقہ پیدا کرنا اور پہلے سے موجود فرقہ وارانہ اختلافات کو ہوا دینا ان کا کامیاب ہتھکنڈہ ثابت ہو رہا ہے۔ بقول میر باہر مشتاق: ” کئی صدیوں سے مسلمان مختلف فرقوں اور مسالک میں منقسم ہیں، لیکن ان اختلافات کی بنیاد پر جتنی نفرت اور خون ریزی عصر حاضر کے مسلمانوں میں نظر آتی ہے وہ ماضی میں نہیں تھی اور اس کی ایک وجہ یہی ہے کہ استعمار کے خفیہ ہاتھ ان تفرقات کی آگ کو ہوا دیتے ہیں۔ ان کے اعلیٰ دماغ بڑی محنت کے ساتھ مسلمانوں

میں موجود مختلف فرقوں، مسالک اور مختلف نقطہ ہائے نظر رکھنے والے طبقات سے متعلق تحقیقات کرتے ہیں، پھر مسلمانوں کی صفوں میں گھس کر ان کے مابین اختلافی امور کو ہوا دیتے ہیں اور نفرتوں اور عداوتوں کے بیج بوتے ہیں۔"[30] عالم اسلام ایک طویل عرصہ سے فرقہ واریت کی لپیٹ میں ہے جس نے مسلمانوں کو بے حد نقصان پہنچایا ہے۔ اس وقت مسلمانوں کو جوڑنے والی قوتیں بہت کمزور اور توڑنے والی قوتیں بہت طاقتور ہیں۔ طاقتور قوتوں کے پیچھے عالمی قوتیں کھڑی ہیں اس فرقہ پرستی کا شاخسانہ یہ نکلا ہے کہ اب مساجد بھی جن کو امن وسلامتی کا مرکز کہا جاتا ہے محفوظ نہیں۔ فرقہ واریت کی جڑیں ہمارے معاشرے میں اس قدر گہری ہیں کہ موجودہ حالات میں اس کا توڑ کرنا ناممکن دکھائی دے رہا ہے اور اوپر سے سوشل میڈیا کے ذریعے بعض انتہا پسند مذہبی عناصر اپنے اپنے مسالک کے حق میں سادہ لوح پاکستانیوں کو عجیب وغریب مذہبی کنفیوژن میں مبتلا کیے رکھتے ہیں۔ فرقہ واریت کے حوالے سے ڈاکٹر طاہر القادری کی تحریر ملاحظہ فرمائیں: "یہ حقیقت ہے کہ وحدت ملی کے تصور کو فرقہ پرستی کے ہاتھوں ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے اور پہنچ رہا ہے۔ یہ لعنت ہماری زندگی کے لیے زہر ہلاہل کا درجہ رکھتی ہے، لیکن اس سے بڑھ کر ظلم یہ ہے کہ ہم نے اپنے علمی اختلافات ونزاعات کا موضوع بھی ذات مصطفیٰ ﷺ کو بنالیا ہے۔"[31]

ہمارے ملک میں سب سے زیادہ تعداد میں دو مسالک کے افراد آباد ہیں، یعنی شیعہ اور سنی۔ دونوں مسالک کے اختلافات کو خون ریزی کی حد تک پہنچا دینا بھی مغربی قوتوں کا شاخسانہ ہے، انہی قوتوں کے ہاتھ عراق میں بھی شیعہ سنی فسادات کے پیچھے تھے۔ مغرب نے سعودی عرب کو اس خوف میں مبتلا کر رکھا ہے کہ اگر سعودی عرب کے تیل پیدا کرنے والے مشرقی حصے میں کوئی شیعہ انقلاب آگیا تو سعودی عرب کے استحکام خصوصاً اس کے تیل کے ذخائر کو خطرہ لاحق ہو جائے گا، اسی طرح کا خوف مغربی میڈیا نے ایک پالیسی کے تحت پیدا کر رکھا ہے جو کہ سالہاسال سے اس شیعہ سنی عنصر کے ذریعے رخنہ پیدا کرنے کے لیے کوشاں ہے، چنانچہ اس نے عراق میں اسے بڑے بڑے انداز میں استعمال کیا، جس کے نتیجے میں ہزاروں کی تعداد میں اندوہناک اموات ہوئیں، حتی کہ مقدس بارگاہوں پر حملوں کے واقعات رونما ہوئے۔

نتیجہ گیری

آج مسلم اقوام تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہی ہیں، مغربی تہذیب کے اثرات نے مسلم معاشروں میں ایک سنگین بحران پیدا کر دیا ہے۔ مغربی طاغوتی اور استعماری طاقتوں نے تین سو سال تک مسلمانوں پر حکمرانی کی، اس عرصہ کے دوران ان کی روحانی، اخلاقی ومعاشرتی اقدار کو کچلنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ انہیں ذہنی غلام بنانے کے لیے استعمار نے اپنے زیر تسلط علاقوں میں مخصوص تعلیمی پالیسی کا اجراء کیا، تاکہ ان علاقوں میں ان کے

مفادات کا تحفظ ہو سکے۔ طاغوتی اور فرعونی استعمار کی اس تباہ کن حکمت عملی سے مسلمان ممالک بالخصوص افریقہ، مصر، عرب، برصغیر پاک وہند، ملائشیا اور انڈونیشیا وغیرہ تک مغربی تہذیب مسلط کرنے کی منظّم کوشش کی گئی۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بیسویں صدی کے نصف اوّل میں ہی بیشتر اسلامی ممالک آزاد ہوئے، لیکن ذہنی غلامی کا طوق جوں کا توں رہا۔ بقول محمد شریف سیالوی: ”مغربی تہذیب کی ظاہری چمک دمک سے متاثر ہو کر ہماری نوجوان نسل نے اس کی طرف سرپٹ دوڑنا شروع کر دیا ہے۔ قومی سطح پر ہم اپنے تہذیبی وتمدنی ورثہ کو محفوظ رکھنے میں مجرمانہ غفلت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ تہذیب مغرب کے بے پناہ مضر اثرات کے باعث خود مغربی اقوام بھی چلا اٹھی ہیں اور ان کا باشعور اہل فکر و نظر طبقہ اس تہذیب کے ہاتھوں تباہی کی پیشگوئیاں کر رہا ہے۔ تہذیب مغرب کے ارتقاء میں مسلمان حکماء اور سائنس دانوں کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اکثر مغربی مؤرخین یونان، رومن سلطنت اور عیسائی مذہب کے بعد جست لگا کر نشاۃ ثانیہ اور صنعتی انقلاب کو زیر بحث لاتے ہیں اور دیدہ دانستہ مسلمانوں کے کارناموں اور علمی کردار کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔“[32] اس تناظر میں مغربی تہذیب کے رجحانات اور اثرات کو پہچاننا اور ان کا سدّباب بہت ضروری ہے۔ اگر ہم ایسا کرنے میں ناکام رہے تو پھر بقول شاعرؔ "تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں۔"

*****

حوالہ جات

1۔ مولوی نور الحسن، نیئر، *نور اللغات* ، ج4 (اسلام آباد، نیشنل بک فاؤنڈیشن، 1959ء)، 702۔

2۔ مولانا ابو طاہر، محمد صدیق، *مذاہب عالم کا جامع انسائیکلوپیڈیا* (کراچی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، 2006ء)، 121۔

3۔ ڈاکٹر محمد، امین، *اسلام اور تہذیب مغرب کی کشمکش* (لاہور، کتاب محل، 2018ء)، 19۔

4۔ سید قطب، شہید، *اسلام اور مغرب کے تہذیبی مسائل* "اردو مترجم ساجد الرحمان صدیقی" (لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، 1986ء)، 144۔

5۔ پروفیسر ڈاکٹر انیس، احمد، امریکی سامراجیت اور مسلمان، *مجلّہ مغرب اور اسلام*، رسالہ 30 (دسمبر 2006ء) : 3۔

6۔ سعدیہ، رؤف، *مغربی استعمار اور عالم اسلام*، (لاہور، کتاب محل داتا دربار مارکیٹ، 2018ء)، 214۔

7۔ مولانا عاصم، عمر، ادیان کی جنگ، *دین اسلام یا دین جمہوریت* (ش ن، ادارہ حطین، 1434ھ)، 159۔

8۔ سید ابو الاعلیٰ، مودودی، *تنقیحات* (لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، 2004ء)، 38۔

9۔ مفتی محمد تقی، عثمانی، *اسلام اور سیاسی نظریات* (کراچی، مکتبہ معارف القرآن، 2010ء)، 80۔

10۔ رؤف، *مغربی استعمار اور عالم اسلام*، 191۔

11۔ڈاکٹرعلامہ محمد، اقبال،ضرب کلیم، کلیات اقبال(لاہور، رابعہ بک ہاؤس،2012ء)،530۔
12۔خرم، مراد،مغرب اور عالم اسلام(لاہور، منشورات،2006ء)،192۔
13۔ڈاکٹراسرار، احمد،خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اسلام کا نظام(لاہور، مکتبہ خدام القرآن،1996ء)،65۔
14۔رؤف،مغربی استعمار اور عالم اسلام،180۔
15۔امین،اسلام اور تہذیب مغرب کی کشمکش،40۔
16۔مراد،مغرب اور عالم اسلام،88۔
17۔مریم، خنساء،مسلمانوں کا فکری اغواء(لاہور، دارالکتب السّلفیہ،1426ھ)،143۔
18۔ امین،اسلام اور تہذیب مغرب کی کشمکش،44۔
19۔ابن ماجہ محمد بن یزید القزوینی، ابو عبداللہ،سنن ابن ماجہ،ج3 (لاہور، مکتبہ العلم،2015ء)،311، رقم الحدیث24۔
20۔محمد مبشر، نذیر،الحاد جدید کے مغربی اور مسلم معاشروں پر اثرات (کراچی، دارالتحقیق جامعہ کراچی،2014ء)،25۔
www.mubashirnazir.org
21۔ڈاکٹر حافظ محمد، زبیر، مضمون فقہ اسلامی اور مستشرقین،سہ ماہی حکمت قرآن، لاہور، جلد33، شمارہ3(2014ء): 67۔
22۔خنساء،مسلمانوں کا فکری اغواء،299۔
23۔اوریا مقبول، جان،ریڑھ کی ہڈی، حرف راز، ج2 (لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز،2010ء)،29۔
24۔مودودی،تنقیحات،37۔
25۔سلیم منصور، خالد،روشن خیال تعلیم (منصورہ لاہور، ترجمان القرآن،2005ء)،84۔
26۔ابو عمار زاہد، الراشدی،اسلام اور انسانی حقوق اقوام متحدہ کے عالمی منشور کے تناظر میں (لاہور، کتاب سرائے،2011ء)،99۔
27۔رؤف،مغربی استعمار اور عالم اسلام،218۔
28۔ملک ڈاکٹر، سعید احمد،خون مسلم ارزاں ہے(لاہور، جاوید پبلشرز،2003ء)،225۔
29۔اسرار، الحق،اسلام اور مغرب کا تصادم(لاہور، کتاب سرائے،2016ء)،17۔
30۔میر بابر، مشتاق،امریکی دہشت گردی تاریخ اور اثرات (کراچی، عثمانی پبلی کیشنز،2012ء)،271۔
31۔ڈاکٹر محمد طاہر، القادری،فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن(لاہور، منہاج القرآن پبلیکیشنز 2001ء)،25۔
32۔ڈاکٹر محمد شریف، سیالوی، اسلام اور تہذیب مغرب ایک تجزیہ،مجلّہ تحقیق، جلد22، شمارہ66(2000ء-2001ء)،:63۔

Bibliography

1) Abu Abdillah, Ibn Majah, Muhammad b. Yazid, al-Qazwini, Sunan Ibn Majah, Lahore: Maktaba al-Ilm, 2015.
2) Ahmad, Dr. Asrar, Khilafat ki Haqiqat aur Asr-e Hazir may Islam ka Nizām, Lahore: Maktaba Khuddām al-Quran, 1996.
3) Ahmad, Prof. Dr. Anees, Americi Samarajiyat aur Musalmān, Journal Maghrib aur Islam, issue 30 (Dec. 2006)

4) Al-Haq, Asrar, Islam aur Maghrib ka Tasadum, Lahore: Kitab Saraye, 2016.
5) Al-Qadri, Dr. Muhammad Tahir, Firqah Parsti ka Khatima Kiyunkr Mumkin, Lahore: Mihaj al-Quran Publications, 2001.
6) Al-Rashidi, Abu Ammar Zahid, Islam aur Insani Hoqūq: Aqwām-e Mottahida key Alami Manshoor key Tanazur may, Lahore: Kitab Saraye, 2011.
7) Ameen, Dr. Muhammad, Tahzeeb-e Maghrib ki Kashmakash, Lahore: Kitab Mahal, 2018.
8) Iqbal, Dr. Allama Muhammad, Dharb-e Kaleem, Lahore: Rabia' Bokk House, 2012.
9) Jan, Oriya Maqbool, Ridh ki Haddi: Harf-e Rāz, Lahore: Sang-e Meel Publications, 2010.
10) Khalid, Salim Mansur, Roshan Khayal Taleem, Lahore: Tarjumān al-Quran, 2005
11) Khansā, Maryam, Musalmanon ka Fikri Aghwā, Lahore: Dar al-Kutub al-Salfiyah, 1426/
12) Maududi, Sayyed Abu al-Ala, Tanqihāt, Lahore: Islamic Publications, 2004.
13) Muhammad Siddique, Maolana Abu Tahir, Mazahib-e Alam ka Jame' Encyclopedia, Karachi: Idara al-Quran wa al-Ulūm al-Islamiyyah, 2006.
14) Murād, Khurram, Maghrib aur Alam-e Islam, Lahore: Manshorāt, 2006
15) Mushtaq, Mīr Babar, Americi Dehshatgardi: Tarikh wa Athrāt, Karachi: Uthmani Publications, 2012.
16) Nayyar, Maolawi Noor al-Hasan, Noor al-Lughāt, Islamabad: National Book Foundation, 1959.
17) Nazir, Muhammad Mubashshir, Ilhād-e Jadīd key Maghribi aur Muslim Mua'shiron pr Asrāt, Karachi: Idara al-Tahqīq Jamia' Karachi, 2014
18) Omar, Maolana Asim, Adyan ki Jhang: Dīn-e Islam ya Dīn-e Jamhoriyyat, Idara Hateen, 1434/
19) Rauf, Sadia, Maghribi Iste'mār aur Alam-e Islam, Lahore: Kitab Mahal, 2018
20) Saei'd Ahmad, Malik Dr., Khoon-e Muslim Arzān hy, Lahore: Javed Publishers, 2003.
21) Sayyalawi, Dr. Muhammad Sharif, Islam aur Tahzeeb-e Maghrib: Aik Tajziya, Journal Tahqīq 22, no. 66 (2000-2001).
22) Shahīd, Sayyed Qutub, Islam aur Maghrib key Tahzibi Masae'il, Trans. Sajiddur Rahman Siddiqui, Lahore: Maktaba Tameer-e Insaniyyat, 1986.
23) Uthmani, Mufti Muhammad Taqi, Islam aur Siyasi Nazriyat, Karachi: Maktaba Maā'rif al-Quran, 2010.
24) Zubair, Dr. Hafiz Muhammad, Mazmoon Fiqh-e Islami aur Mushtashriqīn, Quarterly Hikmat-e Quran 33, no. 3 (2014).

(برصغیر کے ماثور تفسیری ادب کے تناظر میں)

مکالمہ بین المذاہب کے اصول

PRINCIPLES OF INTERFAITH DIALOGUE

(In the Context of TAFSEER-MASOOR Literature of the Subcontinent)

Muhammad Ansar Javed
Prof. Dr. Hafiz Mahmood Akhtar

ABSTRACT

Dialogue is a type of discussion which involves the speaker and the listener. In such a discussion, realities and truth are directly and clearly revealed. In this article, the importance of the dialogue among religions has been highlighted. This article attempts to solve the issue of the dialogue among religions by bringing in the following ponts found in the sub-continental literature of Tafsir-e-Mathur; respect, respect for humanity and religious dignitaries; preservation of the places of worship; avoidance of comparision between religious leader; respect for sacred books, fulfillment of accords; justice and equality; mutual cooperation; religious tolerance; non-aggression, and so forth.

Key Words: *Dialogue, principles, religions, tafsir, Mathur.*

خلاصہ

مکالمہ، گفتگو کا ایسا سلیقہ ہے جس میں متکلم اور مخاطب کے درمیان براہِ راست گفتگو ہوتی ہے۔ حقائق سے پردہ اٹھتا ہے اور سچائی نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ اس مقالہ میں بین المذاہب مکالمہ کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے اس کے بنیادی اصولوں کو بیان کیا گیا ہے۔ احترامِ انسانیت، مذہبی شخصیات کا احترام، عبادت گاہوں کا تحفظ، مذہبی راہنمایاں میں تقابل سے اجتناب کرنا، کتبِ مقدسہ کا احترام، معاہدات کی پاسداری، عدل و انصاف، مساواتِ انسانی، دعوتِ حق، باہمی تعاون، مذہبی رواداری، عدمِ تشدد، دعوتی اسلوب وغیرہ کو برصغیر کے ماثور تفسیری ادب کی روشنی میں مکالمہ بین المذاہب کے بنیادی اصول کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

کلیدی کلمات: مکالمہ، اصول، مذاہب، تفسیر، ماثور۔

تفسیر بالماثور کا اصطلاحی مفہوم

۱۔ تفسیر کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ قرآنی آیات کی تفسیر خود قرآنی آیات سے کی جائے، جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ اپنی تحریر میں فرماتے ہیں کہ تفسیر کے لیے بہترین طریقہ یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن سے کی جائے، کیونکہ قرآن میں اگر ایک جگہ اجمال سے کام لیا گیا ہے تو دوسری جگہ اس کی تفصیل کر دی گئی ہے اور اگر کہیں ابہام ہے تو دوسری جگہ اس کی تشریح و توضیح مل جاتی ہے۔[1]

۲۔ اگر کسی آیت کی تفسیر قرآن میں نہ مل سکے تو تفسیر کا سب سے عمدہ طریقہ یہ ہے کہ اس کو رسول اللہ کی سنت میں تلاش کیا جائے، جیسا کہ ابن تیمیہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ کہ اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو ہر سنت کی طرف رجوع کرو، کیونکہ وہ قرآن کی شرح اور اس کی وضاحت کرتی ہے، بلکہ امام شافعی یہاں تک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ کا دیا ہوا ہر حکم قرآنی حکم ہی کے زمرہ میں شامل ہے۔[2]

۳۔ تفسیر القرآن باقوال الصحابہ والتابعین امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ”جب تفسیر نہ قرآن میں ملے اور نہ سنت میں تو پھر ہمیں اقوالِ صحابہ کی طرف رجوع کرنا ہے، کیونکہ وہی قرآن کی زندہ تفسیر رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے عینی شاہد تھے اور ان احوال و ظروف اور اسباب سے بخوبی واقف تھے، جس میں قرآن کا نزول ہوا ہے۔“[3]

مکالمہ کا لفظی معنی

كَالَم يكالم مُكَالَمَة، گفتگو کرنا۔ مَكَالَمَ الرَّجُلَانِ، جدائی کے بعد گفتگوں کرنا، کہا جاتا ہے: ”كانا مُتَصَارِمَيْنِ فَأَصْبَحَا يَتَكَالَمَانِ “ دونوں ایک دوسرے کو چھوڑے ہوئے تھے، پھر گفتگو کرنے لگے، اس موقعہ پر ”يَتَكَالَمَانِ“ ہی کہا جائے گا۔ ”يَتَكَلَمَانِ“ نہیں۔[4] اصطلاح میں مکالمہ گفتگو کا ایسا سلیقہ و طریقہ ہے جس میں متکلم اور سامع و مخاطب کے درمیان براہِ راست گفتگو ہوتی ہے اور حقائق سے پوری طرح پردہ اٹھتا ہے اور سچائی پوری طرح نکھر کر سامنے آتی ہے، اب یا تو مخاطب مد مقابل کے موقف کو قبول کر لیتا ہے یا پھر دلائل کی بنیاد پر رد کر دیتا ہے۔ یہ مکالمہ افراد کے مابین ہو سکتا ہے اور مختلف مذاہب و مسالک کے درمیان بھی۔

بر صغیر کا ماثور تفسیری ادب اور مکالمہ بین المذاہب کی ضرورت و اہمیت

بر صغیر کا خطہ ہر اعتبار سے زرخیز علاقہ ہے۔ اسی طرح مذہبی اعتبار سے بھی یہ زرخیز علاقہ ہے جس میں مذاہب عالم کے بڑے بڑے مذاہب نے اپنے اپنے مراکز قائم کیے۔ مثلاً اسلام، ہندومت، سکھ مت، عیسائی وغیرہ وغیرہ۔ بر صغیر چونکہ ایک مذہبی رنگ سے مزین علاقہ ہے، لہٰذا بر صغیر کے باشندوں کو مکالمے کے ذریعے قریب لانے کا

اور ایک دوسرے کے موقف کو دلائل سے سننے کا موقع ملتا ہے۔ بر صغیر کا ماثور تفسیری ادب بیسویں صدی سے قبل بھی تھا، لیکن خصوصاً خانوادہ شاہ ولی اللہ نے اردو ماثور تفسیری ادب میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ تفسیر موضح القرآن از شاہ عبدالقادر، حمائل التفسیر از ڈاکٹر عبدالحکیم، ترجمان القرآن از نواب صدیق حسن خان، تفسیر حقانی از مولانا عبدالحق حقانی، تفسیر مواہب الرحمٰن از سید امیر علی ملیح آبادی، بیان القرآن از مولانا اشرف علی تھانوی وغیرہم نے ماثور تفسیری ادب کے ذریعہ مکالمہ بین المذاہب کے اصول و ضوابط متعین کیے ہیں اور اس کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔

عربی زبان میں مکالمے کے لیے "حوار" کا لفظ منقول ہے، یعنی گفتگو اور جوابِ گفتگو، جیسا کہ قرآنِ کریم میں مذکور ہے: قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَ اللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ (1:58) ترجمہ: "بے شک اللہ نے اس عورت کی بات جو اپنے شوہر کے معاملے میں تم سے تکرار کر رہی ہے اور اللہ سے فریاد کیے جاتی ہے، اللہ دونوں کی گفتگو سن رہا ہے، وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔" قرآن کریم میں آیا ہے: قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗ (37:18) ترجمہ: "ایک دن جبکہ وہ اپنے دوست سے باتیں کر رہا تھا۔"

یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ گلوبلائزیشن (Globelizetion) کے اس دور میں بین المذاہب مکالمہ (Dialogue Inter- Feith) کی ضرورت و اہمیت پہلے کی نسبت کہیں زیادہ بڑھ چکی ہے۔ باہمی مکالمہ ہی وہ واحد آپشن ہے جس سے کسی بھی مذہب کا داعی مخاطب کو اپنی دعوت کی طرف متوجہ کر سکتا ہے۔ مکالمہ بین المذاہب دعوت کا ایسا اسلوب ہے جس کے ذریعے مخاطب کو زیادہ گہرائی اور سنجیدگی کے ساتھ سوچنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔ اس موضوع نے مختلف انداز اختیار کیے ہیں، لیکن جدید دور میں اسے جس قدر شہرت ملی ہے اور جس اہتمام کے ساتھ اس سلسلے میں کام ہو رہا ہے۔ شاید قدیم دور میں اس قدر منظّم انداز سے بین الاقوامی سطح پر کام نہ ہوا ہو۔ مشرق و مغرب میں لا تعداد تنظیمیں اس سلسلے میں سرگرم عمل ہیں اور عالمِ اسلام میں بھی ایک امن پسند اور وسیع القلبی کی کافی سرگرمی اور جدوجہد دیکھی جا رہی ہے۔ رسائل و جرائد کے علاوہ مستقل کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔

کبھی کبھی مختلف افراد کے افکار کے مابین پائے جانے والے اختلافات و تضادات ابھر کر سامنے آجاتے ہیں تو ایسی صورت میں انسان کی ذات میں موجود فکری انتشار ختم کرنے اور انسانی گروہوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کے لیے مکالمہ اپنا مؤثر کردار ادا کرتا ہے، یہی نہیں بلکہ مکالمہ ایک دوسرے کو سمجھنے اور ایک دوسرے کی بات جاننے میں ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ اور جہاں تک ہر احسن انداز سے زندگی گزارنے کی بات کی ہے تو قرآن تو واضح طور پر اعلان کرتا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَإِن جَنَحُواْ لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (61:8) ترجمہ: "اگر

دشمن صلح و سلامتی کی طرف مائل ہو تو تم بھی اس کے لیے آمادہ ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو۔" اور اسی طرح مشترکات پر عمل کرکے امن کی فضا کو پیدا کیا جاسکتا ہے۔ مذہبی رواداروں کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ دعوتِ اسلام کو عالمگیر دعوت بنایا جاسکتا ہے۔ عصرِ حاضر میں مذاہب عالم میں عملی طور پر صرف عیسائیت روم میں اور تبلیغی مذاہب میں دیگر تمام مذاہب کا دائرہ کار کسی خاص علاقے یا نسل تک محدود ہے جس کے ساتھ عیسایت کی عالمگیر دعوت اور اشاعت بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کے منافی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بیان ہے، اور میں بنی اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔[5]

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب بارہ نقیب مقرر فرمائے اور ان کو مختلف علاقوں کی طرف دعوت و تبلیغ کے لیے روانہ فرمایا تو بطور خاص ان کو تلقین فرمائی: ...... قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے حکمران کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔[6] جبکہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے تو اس کی دعوت کو عالمگیر بنانے کے لیے مکالمہ بین المذاہب کا ہونا نہایت ضروری ہے اور اس کے علاوہ اسلام کے متعلق مغرب کے تحفظات کو مکالمہ بین المذاہب کے ذریعے دور کیا جاسکتا ہے اور دیگر مذاہب کے بے شمار خدشات کو بھی نمٹایا جاسکتا ہے اور مزید اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ ممکن ہو سکتا ہے اور مسلمانوں پر جھوٹے پراپیگنڈہ اور دہشت گردی جیسے الزامات کو مکالمہ بین المذاہب کے ذریعے دور کیا جاسکتا ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ تمام انبیاء کی تعلیمات آج اپنی اصل زبانی و شکل میں موجود نہیں ہیں سوائے خاتم المرسلین کی تعلیمات اور خاص طور پر قرآنِ مجید کے جو ایک طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود اپنی اصل شکل میں موجود و محفوظ ہے۔ شاہ ولی اللہ نے اپنی مشہور کتاب "الفوز الکبیر" میں قرآن مجید کے مضامین و مطالب کو پانچ علوم میں تقسیم کیا ہے: (۱) علم الاحکام (۲) علم التذکیر بالراء (۳) علم التذکیر بایام اللہ (۴) علم التذکیر بالموت ومابعد الموت (۵) علم مخاصمہ۔[7]

علم مخاصمہ وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے کفار، مشرکین، منافقین، یہود اور نصاریٰ سے پرزور مکالمہ کیا۔ مکالمہ بین المذاہب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ خود خالق کائنات کی سنت ہے کہ اس نے اپنی کتاب کے آغاز کا ایک بہت بڑا حصہ دوسرے مذاہب کے ساتھ مکالمے میں صرف کیا ہے۔

تجزیہ

چنانچہ سورۃ بقرہ کے اکثر مضامین اسی موضوع سے تعلق رکھتے ہیں۔ اہلِ کتاب اور منافقین کے ساتھ مکالمہ سورۃ آل عمران سمیت مدنی سورتوں میں اکثر موجود ہے۔ جبکہ مکی سورتوں میں مشرکین اور کفار کے ساتھ مکالموں پر محیط ہیں۔ قرآنِ مجید کا مکالمہ بین المذاہب کا آغاز لفظ قل سے ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ

ان سے کہیے، مثلاً جب کفار مکہ نے نبی اکرم ﷺ کو پیشکش کی، ایک سال تم ہمارے معبودوں کی پوجا کرلو اور ایک سال ہم تمہارے خدا کی پوجا کرلیں گے تو سورۃ کافرون تمام کی تمام ہی دراصل مکالمہ ہی ہے، اس میں فرمادیا گیا ہے کہ قطعاً ایسا ممکن نہیں، میں تمہارے خداؤں کی پوجاہر گزنہ کروں گا اور تم میرے خدا کی پوجا کرنے والے نہیں، سو پس تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق جب اہلِ مکہ نے استفسار کیا تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ اخلاص میں اپنا تعارف کرایا۔ اسی طرح توحید کے متعلق بہت سے خلجانات جو اہلِ مکہ کے ذہن میں تھے، ان کو مکالمہ بین المذاہب کے ذریعے قرآنِ کریم نے بیان کیا (اور فرمایا یہ نطفہ جو)

مکالمہ بین المذاہب کے مقاصد

ایک عرب سکالر کے بقول: "فضیله اخلاقیه وحاجة طیبیة و ضرورة إنسانیة."[8] "جو ایک اخلاقی فضیلت، طبعی حاجت اور انسانی ضرورت ہے۔" اس کے کچھ مقاصد ہیں، جو درج ذیل ہیں:

۱۔ متوسط راہ عمل اپنانا جو طرفین کے لیے قابلِ عمل ہو۔

۲۔ طرفین/اطراف کے وجیہات نظر کا تعارف حاصل کرنا۔

۳۔ مختلف موجود حاصل شدہ (Eveilitle) آراء اور تصورات کا مکمل استیصاء اور استقرار، تاکہ اس سے افضل اور ممکن نتائج تک رسائی حاصل ہو جائے جو طرفین یا مشارکین کے ہاں مسلم ہوں اور مشکلات کے حل میں اساس کا کام دے سکیں اور محبت وانس کا ذریعہ بنیں۔

۴۔ مکالمہ کے اہداف و مقاصد میں سے ایک حق کا وضاحت اور اس پر برہان و دلیل قائم کرنا ہے، کہ اس سلسلے میں کوئی ابہام باقی نہ رہے اور یہ حکمِ الٰہی بھی ہے: "هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ" (111:2)
ترجمہ: ""کہ دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو۔""

۵۔ حق کے اظہار اور قبول کرنے میں جو حائل شبہات ہیں ان کو علمی انداز سے زائل کرنا، جیسے اللہ تعالیٰ نے حکمت و دانائی سے تعبیر فرمایا ہے: "اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت و دانائی اور موعظت و نصیحت کے ساتھ بلائے۔" (125:27)

۶۔ فساد و افتراق اور بدامنی کے اصل اسباب کی تلاش۔

۷۔ امن و سلامتی کے حصول کے لئے۔

الغرض: مندرجہ بالا اہداف و مقاصد کے حصول کے لیے مکالمہ بین المذاہب...... ضروری ہے، جو تمام مذاہب کے پیروکاروں کی یکساں ضرورت ہے۔ اس گلوبل ویلج میں سیاسی، اقتصادی، فکری و اخلاقی اور مذہبی و سماجی ہر طرح

ظلم و تعدی اور عدمِ اطمینان کے علاج کے لیے مکالمہ بین المذاہب کو بطور ڈھال (Tool) استعمال کرنا چاہیے۔

مکالمہ بین المذاہب کے اہم اصول اور ماثور تفسیری ادب

مکالمہ بین المذاہب کے اصول درج ذیل ہیں:

مکالمہ بین المذاہب کے متفقات

قطع نظر اس کے ہر مذہب کے پیروکار اپنی روزہ مرہ زندگی میں کسی طرح اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ مذہب بالعموم، پیار، محبت، باہمی احترام، رواداری، عفو و درگزر، خداترسی، انسانی حقوق کی پاسداری، امن آشتی یا بھائی چارے، آرزوؤں جیسا اقدار کو اولیت دیتا ہے، ان میں اکثر اقدار کو حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور محمد ﷺ کے پیغام میں نمایاں یکسانیت حاصل ہے اور اس کے ساتھ ساتھ بدھا، زرتشت، لاؤزو، کنفیوشش اور ہندوؤں مذہب کے پیغامات میں بھی ہے۔

مکالمہ بین المذاہب برائے امن

اگرچہ اسلام ایک امن پسند اور وسیع القلبی کا درس دینے والا دین ہے۔ دوسروں کے ساتھ امن و امان کے ساتھ رہنے کا داعی ہے۔ نبی آخر الزمان پیغمبر کے فرمان کے مطابق جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا: ''اَلْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَہُ النَّاسَ'' [9] یعنی: ''مومن وہ ہے جس سے دوسرے لوگوں کو امن ملے۔''

معذرت خواہانہ رویہ سے اجتناب

اصول رواداری قرآنِ مجید اس سلسلے میں بڑا حساس ہے کہ دیگر مذاہب سے پرامن فضا قائم کرنے کی خاطر اسلام، مسلمانوں اور امت اسلامیہ کے وقار اور عظمت و عزت پر آنچ نہ آنے پائے دوسروں سے رواداری اور وسعتِ قلب کا رویہ اختیار کیا جائے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مسلمان ایسا طرزِ عمل اختیار کرلیں جو اسلام یا مسلمانوں کی بے توقیری کا باعث بن جائے۔ اسلام کی عظمت اور وقار ملحوظ رکھتے ہوئے مکالمہ بین المذاہب کرنا چاہیے۔ معذرت خواہانہ رویے سے احتراز کرنا چاہیے اور اگر مسلمان اسلام کی معذرت خواہانہ تعبیر کرکے اس کی عظمت و وقار کو گرانے کا سبب بنیں گے تو مسلمان ایک ایسے جرم کے مرتکب ہوں گے جس پر وہ بڑی سخت دنیوی واخروی سزا کے حق دار ٹھہریں گے۔

گویا مکالمہ بین المذاہب ضرور کیا جائے لیکن دوسروں کی خوشی کی خاطر اپنے دین سے دُور از کار تاویلات نہ کی جائیں۔ یہ بات مشاہدے میں آرہی ہے کہ دوسرے مذاہب والوں سے دوستی پیدا کرنے کے لیے اسلام اور دیگر مذاہب کے ایسے مشترک پہلو اور مشترکہ انداز کھینچ تان کر تلاش کیے جارہے ہیں جو بالکل خود ساختہ ہیں، ان

تاویلات کے پس منظر میں دوسروں سے مرعوبیت کی مثال تو واضح طور پر محسوس ہو رہی ہے۔ قرآنِ مجید اس سلسلے میں بڑا احساس ہے کہ مکالمہ بین المذاہب کے عمل سے اللہ کے دین کی عظمت پر آنچ نہ آنے پائے، ان کے لیے یہ قطعاً گوارا نہیں کہ اپنی زندگی کو آسان اور محفوظ بنانے کے لیے اپنی عزتِ نفس کو ملحوظ رکھے بغیر ان لوگوں سے دوستی کرنے لگ جائیں اور مرعوبیت کا شکار ہو جائیں۔ جن کے بارے میں قرآن نے واضح طور پر کہا ہے کہ وہ تمہارے دوست نہیں ہو سکتے اور تم ان سے دوستی نہ کرو، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشادِ ربانی ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَتَّخِذُواْ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللّهَ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ (5:51)
ترجمہ: "اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی شخص تم میں ان سے دوستی کرے، بلاشبہ وہ ان میں سے ہی ہے، بے شک اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔"

مذکورہ آیت کی تفسیر میں تفسیر انوار البیان میں تفسیر بالماثور کو اپناتے ہوئے مصنف نے یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنے کی ممانعت کے عنوان کے تحت تفسیر معالم السنۃ، ج: 2، ص: 44، اور تفسیر ابن کثیر، ج: 2، ص: 68 حوالہ سے لکھا ہے کہ "حضرت عبادہ بن صامت جو انصار کے قبیلہ خزرج میں سے تھے، انھوں نے عرض کی کہ یارسول اللہ! یہودیوں میں میرے بہت سے دوست ہیں جن کی تعداد کثیر ہے۔ میں ان کی دوستی سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں...... الخ۔"[10]

یعنی ان سے دوستی نہ لگاؤ، بلکہ اپنے موقف کو عزت و وقار کے ساتھ بیان کرو، ایسا کہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ مکالمہ بین المذاہب کے حوالہ سے اپنے موقف کو واضح طور پر اختیار رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، بلکہ قرآنِ مجید میں ان کو ایمان نہ لانے کی بنا پر جزیہ دے کر ذلیل ہو کر اپنے ساتھ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور ان سے جہاد کرنے کا حکم ہے: قَاتِلُواْ الَّذِينَ لاَ يُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَلاَ بِالْيَوْمِ الآخِرِ وَلاَ يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّهُ وَرَسُولُهُ وَلاَ يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُواْ الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُواْ الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ (29:9) مذکورہ آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مولانا عبدالحمید سواتی صاحب نے اپنی تفسیر معالم العرفان میں تفسیر بالماثور کے منہج کو اختیار کرتے ہوئے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا گورنر بنا کر روانہ کرنے کا ذکر کرتے ہوئے انہیں آپ نے ارشاد فرمایا: یا معاذ! اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ دعوت دین دینا اگر قبول کر لیں تو ٹھیک ہے ورنہ ان سے جزیہ وصول کرنا اگر جزیہ نہ دیں تو جنگ کرنا، جب تک وہ جزیہ دینا قبول نہ کر لیں۔ "وَهُمْ صَاغِرُونَ" اور جب تک وہ ذلیل اور محکوم نہ ہو جائیں............ الخ ملخص منہ۔[11]

تجزیہ

مذکورہ تفسیر میں اہلِ کتاب سے مکالمہ کرنے کا حکم ضرور دیا گیا ہے کا ذکر موجود ہے، لیکن اسلام کی عظمت اور

وقار کو بھی ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے اور ان کو ایمان نہ لانے کی صورت میں ذلیل اور محکوم رکھنے کا رویہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ گویا مکالمہ بین المذاہب ضرور کیا جائے، لیکن اسلام اور اہلِ ایمان کی عظمت کو برقرار رکھا جائے اور اسلام کے دلائل کو مضبوطی سے بیان کیا جائے اور ان سے مرعوب نہ ہوا جائے۔ ان کے شر اور ضرر سے بچنے کے لیے جن کی طرف اشارہ اس آیت میں کیا گیا ہے: " إِلاَّ أَن تَتَّقُواْ مِنْهُمْ تُقَاةً" (28:3) ترجمہ: "مگر اس (صورت) کے کہ تم ان سے بچاؤ کرنا چاہو۔"

اصولِ مدارت واکرام

مولانا مودودی نے تفہیم القرآن میں مذکورہ آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے سورۃ التوبۃ کے رکوع 9، سورۃ ممتحنہ کی آیت نمبر 8 کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ مکالمہ بین المذاہب کا ایک اصول مدارت بھی ہے کہ جس کے معنی ہیں: ظاہری خوش خلقی اور دوستانہ برتاؤ کے، یہ بھی تمام غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے، جبکہ اس سے مقصود ان کو دینی نفع پہنچانا ہو یا وہ اپنے مہمان ہوں یا ان کے شر اور ضرر رسانی سے اپنے آپ کو بچانا مقصود ہو، سورۃ آل عمران کی آیت مذکورہ میں "إِلاَّ أَن تَتَّقُواْ مِنْهُمْ تُقَاةً" سے یہی درجہ مدارت کا مراد ہے، یعنی کافروں سے موالات جائز نہیں، مگر ایسی حالت میں جب کہ تم ان سے اپنا بچاؤ کرنا چاہو اور چونکہ مدارت میں بھی صورت موالات کی ہوتی ہے، اس لیے اس کو موالات سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا۔[12]

تفسیر ہذا سے مکالمہ بین المذاہب کا اصولِ مدارت حاصل ہوتا ہے تو اس کے تحت غیر مسلموں سے مکالمہ بین المذاہب ہونا چاہیے، تاکہ یہود و نصاریٰ اور غیر مسلموں سے نقصانات سے محفوظ رہا جاسکے، جیسا کہ عصر حاضر میں دہشت گردی کے الزامات میں مسلمانوں کو نقصان پہنچایا جارہا ہے تو ان حالات میں مکالمہ بین المذاہب ضروری ہے۔ مذکورہ آیت کی تفسیر میں بھی اسی مفہوم کو بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ ان کے اسلام قبول کرنے کی امید پر، یعنی اگر وہ اپنی قوم کا سربراہ ہو اور مسلمانوں کے پاس مہمان کی حیثیت سے آیا ہو تو ان تمام صورتوں میں غیر مسلموں کے ساتھ مدارت یا اکرام کا معاملہ کیا جاسکتا ہے۔ البتہ محض اپنے ذاتی مفاد کے لیے مدارت جائز نہیں ہے جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول ہے: أَيَبْتَغُونَ عِندَهُمُ الْعِزَّةَ (139:4) ترجمہ: "کیا یہ لوگ ان کافروں کے پاس عزت کے خواہاں ہیں۔"

معارف القرآن کے مصنف نے تفسیر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کا عملی نمونہ پیش کیا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ جو رسول کریم ﷺ جو رحمۃ للعالمین ہو کر اس دنیا میں تشریف لائے، آپ نے غیر مسلموں کے ساتھ جو احسان و ہمدردی اور خوش خلقی کے معاملات کیے ہیں، اس کی نظیر دنیا میں ملنا مشکل ہے، مکہ میں قحط پڑا تو جن

دشمنوں نے آپ کو اپنے وطن سے نکالا تھا، ان کی خود امداد فرمائی، پھر مکہ مکرمہ فتح ہو کر یہ سب دشمن آپ کے قبیلے میں آگئے تو سب کو یہ کہہ کر آزاد کر دیا کہ "لَا تَثْرِیب علیکم الیوم" یعنی آج تمہیں صرف معافی نہیں دی جاتی، بلکہ تمہارے پچھلے مظالم اور تکالیف پر ہم کوئی ملامت بھی نہیں کرتے۔ غیر مسلم جنگی قیدی ہاتھ آئے تو ان کے ساتھ وہ سلوک کیا جو اپنی اولاد کے ساتھ بھی ہر شخص نہیں کرتا، کفار نے آپ کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں، کبھی اپ کا ہاتھ انتقام کے لیے نہیں اٹھا، زبان مبارک سے بد دعا بھی نہیں فرمائی۔ بنو ثقیف جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، ان کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو ان کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا گیا جو مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ عزت کا مقام تھا۔[13]

ہمدردی...تالیف قلب

۳۔ اسلام۔ مؤاسات یا ہمدردی اور خیر خواہی کا نام ہے۔ یہ حربی یا برسرپیکار کافروں کے ساتھ جائز نہیں، لیکن اہلِ ذمہ اور ان کافروں کے ساتھ ہمدردی و غمخواری جائز ہے جو مسلمانوں کے درپے آزادانہ ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (8:60) ترجمہ: ''یعنی اللہ تعالیٰ تم کو منع نہیں کرتا ان سے جو لڑتے نہیں تم سے دین پر اور نکالا نہیں تم کو تمہارے گھروں سے کہ ان کے ساتھ احسان اور انصاف کا سلوک کرو۔''

مولانا مفتی محمد شفیع نے آیت ہذا کی تفسیر بیان فرمائی ہے کہ: ''تیسرا درجہ مدارت کا ہے جس کے معنی ہیں: ظاہری خوش خلقی اور دوستانہ برتاؤ کے، یہ بھی تمام غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے جب کہ اس سے مقصود ان کو دینی نفع پہنچانا ہو یا وہ اپنے مہمان ہوں۔''[14]

تجزیہ

مکالمہ بین المذاہب کے لحاظ سے کافروں سے مدد لینے کا مسئلہ بھی علی الاطلاق حرام و ناجائز ہے۔ لیکن حنین کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صفوان بن امیہ سے مدد لی، جب کہ وہ مشرک تھے۔ بنی قینقاع کے یہودیوں سے مدد لی اور مالِ غنیمت میں ان کا حصہ بھی رکھا۔ بنی خزاعہ کے ایک شخص کو قریش کے خلاف جاسوسی کے لئے متعین کیا۔ سفرِ ہجرت کے دوران عبداللہ بن اریقط سے مدد لی، پھر مدینہ پہنچنے کے بعد وہاں کے غیر مسلموں کے ساتھ ایک معاہدہ فرمایا جس میں بقائے باہمی کے اصول طے کیے۔ حلف الفضول کی تعریف کی اور اس طرح کے کسی معاہدہ میں دوبارہ شرکت کے عزم کا اظہار فرمایا۔ طائف سے جبیر بن مطعم کی پناہ اور جوار کو اختیار فرمایا۔ اس

سے ضرورت کے موقع پر کافروں کے ساتھ معاہدے کرنے اور پارلیمانی کونسلوں میں کفار کی نمائندگی کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے۔ دراصل شرعی اعتبار سے مکالمہ کی تین صورتیں بنتی ہیں:

1- مکالمہ دعوت إلی الاسلام

2- مکالمہ تعامل باہمی

3- مکالمہ وحدت ادیان

پہلی قسم تو مسلمانوں کا فریضہ ہے، دوسری قسم دنیا میں تعامل باہمی کی ضرورت ہے اور اپنی شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ تیسری قسم جائز نہیں۔

مکالمہ بین المذاہب اور مذہبی راہنماؤں کا احترام

مذہبی شخصیات کا احترام کرنے کا درس دیا ہے۔ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو اس امر کا پابند کیا ہے کہ وہ دوسروں کی مذہبی شخصیات کا احترام کریں۔ قرآنِ مجید میں اس بارے میں ارشاد ہے: وَلاَ تَسُبُّواْ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللّهِ فَيَسُبُّواْ اللّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (108:6) ترجمہ: ''اور تم لوگ برا نہ کہو ان کو جن کی یہ پرستش کرتے ہیں (اللہ کے سوا)، پس وہ برا کہنے لگیں گے اللہ کو بے ادبی سے بغیر سمجھے۔'' اس کی تفسیر میں مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب تفسیر عثمانی میں فرماتے ہیں کہ: ''کسی مذہب کے اصول و فروع کی معقول طریقے سے غلطیاں ظاہر کرنا ان کی کمزوریوں پر تحقیقی و الزامی طریقے سے متنبہ کرنا جداگانہ چیز ہے، لیکن قوم کے پیشواؤں اور معبودوں کی نسبت بغرض تحقیر و توہین اور دلخراش الفاظ نکالنا قرآن نے کسی وقت بھی جائز نہیں رکھا۔''[15] یعنی اسلام کا اصل منشا یہی ہے کہ مزاحمت کی بجائے مفاہمانہ مکالمے کا ماحول پیدا کیا جائے۔

تفسیر ضیاء القرآن میں پیر کرم شاہ نے اس کی بڑی پر حکمت توضیح کی ہے کہ: ''دو آیت سے مبلغینِ اسلام کی تربیت مقصود ہے، تاکہ وہ اسلام کی دعوت کو پوری شائستگی اور متانت سے پہنچانے کے لیے تیار ہو جائیں، انہیں حکم دیا کہ مشرکین کے باطل خداؤں کو برا نہ کہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مشتعل ہو کر تمھارے معبود برحق کی جناب میں گستاخی کرنے لگیں۔''[16] یعنی ایسا ماحول اور حالات پیدا نہ کیے جائیں کہ جس میں گالم گلوچ اور عدمِ برداشت کے رویے نمایاں ہوں، بلکہ احترام باہمی کو بنیاد بنا کر مفاہمانہ گفتگو کی جائے، اسی طرح قرآن ادیان کے علماء کے احترام کی ہدایت کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: درج ذیل آیت کی تفسیر میں تفسیر تبیان القرآن میں ابن زید کی روایت کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بے شک بنی اسرئیل میں ایک گروہ نیک لوگوں کا تھا، وہ نیکی کا حکم دیتے تھے اور برائی سے روکتے تھے، ان کی قوم نے ان کو پکڑ کر آڑوں سے چیر دیا اور

ان کو سولی پر لٹکا دیا۔ الخ ملخص منہ [17] ذَٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ (82:5) ترجمہ: ''یہ اس لیے کہ ان میں عالم بھی اور مشائخ بھی ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔''

عبادت خانوں کا تحفظ

تمام مذاہب عالم کی عبادت گاہوں کے متعلق یہ ہے کہ ان کا احترام کیا جائے کہ اسلام غیر مذاہب کی عبادت گاہوں کو تحفظ فراہم کرتا ہے اور ان کے مذہبی شعار کی بے ادبی سے روکتا ہے، تاکہ دیگر مذاہب کے ساتھ مفاہمت کا دروازہ کھلا رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی عبادت گاہوں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ ان میں اللہ کا ذکر کثرت سے ہوتا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے: وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا (40:22) ترجمہ: ''اور اگر لوگوں میں سے بعض کو بعض کے ذریعے سے دفع نہ کرتا تو بلا شبہ چھوٹے گرجے یعنی عبادت خانے اور بڑے گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسجدیں ڈھادیں جاتیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے۔'' مفتی محمد شفیع معارف القرآن میں تحریر کرتے ہیں کہ مذکورہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کفار سے قتال و جہاد کے احکام نہ آتے تو کسی زمانے میں، کسی مذہب و ملت کے لیے امن کی جگہ نہ ہوتی۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں صلوات اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں صوامع اور بیع اور خاتم الانبیاء کے زمانے میں مسجدیں ڈھادی جاتیں۔ (قرطبیؒ) [18] یعنی ہر مذہب کی عبادت گاہوں کا تحفظ اللہ کی خاص حکمت کا مظہر ہے، اس لیے یہ عبادت گاہیں جب تک فساد فی الارض کا باعث نہیں بنتیں، تب تک ان کا تحفظ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے، اس سے دیگر مذاہب کو مفاہمت کا پیغام ملتا ہے اور مکالمہ بین المذاہب کے لیے راستہ ہموار ہوتا ہے۔

مذہبی مصلحین میں تقابل سے اجتناب

مکالمہ بین المذاہب میں جو مذاہب کے درمیان قربت کی بجائے دوری کا سبب بنتا ہے، وہ مذاہب کے پیروکاروں کا اپنے انبیاء و مصلحین کی دوسروں سے برتری ثابت کرنے کی کوشش ہے۔ قرآن اس تصور کو ختم کرتا ہے۔ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو مختلف انبیاء کی انفرادی خصوصیات کو بھی تسلیم کرتا ہے کہ: تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (252:2) ترجمہ: ''یہ رسول ہیں کہ ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔'' میاں جمیل نے تفسیر فہم القرآن میں تفسیر القرآن بالحدیث بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لا تفضّلوا بين أنبياء الله'' رواه البخارى: احاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ: ''وإن يونس لمن المرسلين'' یعنی: ''انبیاء کو آپس میں ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو۔'' [19]

مفسر قرآن مولانا عبدالستار محدث دہلوی تفسیر حدیث التفسیر میں لکھتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ نے آیت ہذا میں خبر دی ہے کہ ہم نے بعض انبیاء و رسل کو بعض پر فوقیت دی ہے، جیسا کہ دوسری جگہ ''وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ'' میں بھی ہے اور صحیحین (بخاری و مسلم) کی روایت میں ہے کہ مجھ کو اور پیغمبروں پر فضیلت نہ دو اور نہ باقی پیغمبروں کو ایک دوسرے پر (نام زد کرکے) فضیلت دو۔ قرآن و حدیث میں کوئی مخالفت نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ امتیوں کو حکم ہے کہ مقابلتاً کسی نبی کو نامزد کرکے کسی نبی پر فضیلت و بزرگی نہ دو۔ پیغمبروں کی شان اور مرتبت میں بڑا ہے۔ اللہ نے سب نبیوں کو علیحدہ علیحدہ مرتبے دیے ہیں۔ ہاں مجمل طور پر ہمارے نبی محمد کو تمام انبیاء و رسل پر فضیلت ہے۔ آپ سید الرسل ہیں۔''[20] چنانچہ تفسیر بالماثور میں اسی موقف کو اصولی طور پر تفصیل سے بیان کیا ہے کہ وہ منصب کے لحاظ سے برابر ہیں اور سب واجب الاحترام ہیں، کسی ایک کا انکار سب کے انکار کے مترادف ہے۔

مذہبی کتب کا احترام

مکالمہ بین المذاہب میں کتبِ مقدسہ کا احترام بہت ضروری ہے، جس طرح مسلمانوں کو اپنی الہامی کتاب عزیز ہے اور اس کا احترام کیا جاتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح ہر ایک مذہب کی مقدس اور الہامی کتاب ہے، خواہ اس میں تحریفات ہی کیوں نہ ہوں، انھیں بھی قرآن کی طرح کتاب عزیز اور قابلِ احترام سمجھنا چاہیے، اس لیے کہ اخلاقی تعلیمات کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ یہی قرآن ہے کہ اس کی تعلیمات دوسری کتب میں بھی ہیں۔ قرآن میں ارشاد ہے: وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ (196:26) ترجمہ: ''یہ قرآن پہلوؤں کی لکھی ہوئی کتب میں موجود ہے۔'' مولانا سید احمد حسن محدث دہلوی نے اپنی تفسیر احسن التفاسیر میں اس کے متعلق لکھا ہے کہ: ''جو اوصاف دینِ محمدی کے قرآن میں ہیں، وہی اوصاف پہلی کتابوں میں تفصیل سے تھے، اس لیے اہلِ کتاب نبی آخر الزمان کو اس طرح پہچانتے تھے جس طرح اپنی اولادوں کو پہچانتے تھے۔''[21] لہٰذا تمام کتبِ مقدسہ کا احترام کرنا چاہیے۔

ایفائے عہد کی پاسداری

قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ'' ترجمہ: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، عہد پورے کرو۔ یعنی عقود و عہود کا پاس و لحاظ رکھو۔ مختلف طبقات میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے ان کے درمیان باہمی معاہدات ہوئے، جن کی پاسداری لازمی ہوتی ہے، سیف اللہ خالد نے تفسیر دعوۃ القران میں تفسیر القرآن بالقرآن کرتے ہوئے سورۃ بنی اسرائیل کی آیت '' وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْــُٔوْلًا'' (34:17) ترجمہ: ''اور عہد کو پورا کرو، بے شک عہد کا سوال ہوگا۔''[22] سے تفسیر فرمائی ہے۔ لہٰذا مکالمہ بین المذاہب میں

اس کی بہت بڑی اہمیت ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی صلح حدیبیہ میں عملی کردار ادا کیا کہ آپ معاہدہ کے مطابق مقامِ حدیبیہ سے واپس چلے گئے اور ابو جندل کو بھی واپس کر دیا۔

عدل و انصاف کی بالادستی

مکالمہ بین المذاہب میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے حق و انصاف کی بالادستی کا اصول اپنانا چاہیے، یہ اصول قرآنی الفاظ میں اس طرح بیان ہوا ہے اور تفسیر بالماثور میں اس کو بڑی اہمیت حاصل ہے، جیسا کہ قرآنِ عزیز میں فرمایا ہے کہ: وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (8:5) ترجمہ: ''تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل کرنا چھوڑ دو، تم عدل سے کام لو، یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔'' میاں محمد جمیل نے فہم القرآن میں مذکورہ آیت کی تفسیر بالقران کرتے ہوئے درج ذیل آیات سے تفسیر فرمائی ہے:

۱۔ اے ایمان والو! تمھیں ہر حال میں اپنے رب کی رضا کے لئے عدل وانصاف پر قائم رہنا چاہیے۔ (4: 135)

۲۔ اور جب فیصلہ کرو تو عدل و انصاف کا فیصلہ کرو۔ (4: 58)

۳۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمھارے درمیان عدل و انصاف کا فیصلہ کروں۔ (42: 15)

۴۔ اگر آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو انصاف کا فیصلہ کریں، اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (42 :5)

۵۔ کہہ دیجیے: مجھے میرے رب نے انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔ (7: 29)[23]

اندازِ گفتگو کا اصول

مکالمہ بین المذاہب میں اندازِ گفتگو احسن اختیار کرنا چاہیے جیسا کہ قرآنِ کریم مکالمہ بین المذاہب مباحثوں کے لیے جو اصول پیش کرتا ہے، وہ شائستگی پر مبنی ہے، وہ دلیل کے زور پر بات کرنے کی دعوت دیتا ہے، جیسا کہ قرآن میں ہے: وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (46:29) ترجمہ: ''اور تم اہلِ کتاب کے ساتھ مباحثہ نہ کرو مگر عمدہ طریقے کے ساتھ۔'' مزید مندرجہ بالا آیات کی تفسیر بالماثور سے تائید درج ذیل ہے: مفسر قرآن عبدالحق حقانی فرماتے ہیں کہ اہلِ کتاب سے مجادلہ نہ کرو مگر عمدہ طور سے تو مضائقہ نہیں جس میں نرم کلامی اور اظہارِ حق مد نظر ہو۔[24]

انسانی مساوات کا اصول

اسلام مساواتِ انسانی کا درس دیتا ہے اور تمام انسانیت کو ایک ماں باپ کی اولاد قرار دیتا ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا (13:49) ترجمہ: ''اے لوگو! ہم نے تم سب کو

ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور اس لیے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو، کنبے اور قبیلے بنا دیے۔" مذکورہ آیت کی تفسیر میں ڈاکٹر اسرار احمد فرماتے ہیں کہ یہاں دراصل اس اہم نکتے کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ انسانوں کے درمیان رنگ و نسل کا فرق اور اقوام و قبائل میں ان کی تقسیم، اعلیٰ و ادنیٰ کی تمیز و تفریق کے لیے نہیں، بلکہ ان کی باہمی جان پہچان اور تعارف کے لئے ہے، اس کی تائید کے لئے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کو لاتے ہیں جو آپ نے خطبہ حجۃالوداع میں اس مضمون کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی: یاأیھا الناس! اَلَاإِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِد... الخ[25] ترجمہ: "اے لوگو! خبردار! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمھارا باپ ایک ہے۔" چنانچہ بین المذاہب مکالمے کے لیے ہمیں ہر قسم کے رنگ، نسل و زبان، عقیدہ یا ثقافت کے بارے میں احترام کا رویہ اپنانا ہوگا اور ہر نوع کی تحقیر کے رویوں کو عملاً ختم کرنا ہوگا۔

احترازِ مداہنت کا اصول

اسلام کی حقانیت کے دلائل پیش کرنا مکالمہ بین المذاہب کا بنیادی اصول ہے کہ اگر مسئلہ حق و باطل کا ہو تو اس صورت میں مداہنت اختیار کرنے اور لچک دار رویہ اپنانے کی گنجائش نہیں۔ یا اس میں کوئی ترمیم و اضافہ روا نہیں ہے۔ مکالمہ بین المذاہب کا اصولِ مذکورہ، تفسیر بالماثور کی روشنی میں حسبِ ذیل ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللّٰهَ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ (5:67) ترجمہ: "اے رسول! جو کچھ آپ کی طرف نازل ہوا ہے، اسے پہنچا دیجیے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اس کا پیغام نہیں پہنچایا۔ اور اللہ آپ کی لوگوں سے حفاظت فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔" نبی ﷺ نے اس ذمہ داری کو کس شان سے نبھایا کہ تفسیر بیان القرآن میں مولانا اشرف علی تھانوی آپ کی دعوت کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے جس استقامت سے پہنچاتے ہیں اس کا ذکر ان الفاظ میں فرماتے ہیں: "گو بعض غزوات میں آپ زخمی بھی ہوئے اور یہود کے نامردوں کی طرف سے آپ ﷺ کو زہر بھی دیا گیا اور ترمذی شریف میں ہے کہ پہلے حضور ﷺ کے پاس پہرہ دیا جاتا تھا، جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ چلے جاؤ، اللہ نے میری حفاظت کی ذمہ داری لے لی، یہ بھی دلیلِ نبوت ہے، کیونکہ اعتماد بدونِ وحی کے نہیں ہو سکتا۔"[26]

اس مصلحت پسندی کو سورۃ الکافرون کی تفسیر میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے تفسیر عثمانی میں مذمت فرمائی ہے اور ذکر فرماتے ہیں کہ چند رؤسائے قریش نے کہا کہ اے محمد ﷺ! آؤ ہم تم صلح کر لیں، ایک سال تک آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کیا کریں، پھر دوسرے سال ہم آپ کے معبود کو پوجیں۔ اس طرح دونوں فریق کو ہر ایک کے دین سے کچھ نہ کچھ حصہ مل جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی پناہ کہ میں اس کے ساتھ ایک

لمحہ کے لئے بھی کسی کو شریک ٹھہراؤں، کہنے لگے: اچھا تم ہمارے بعض معبودوں کو مان لو (ان کی مذمت نہ کرو) ہم تمہاری تصدیق کریں گے اور تمہارے معبود کو پوجیں گے، اس پر یہ سورۃ الکافرون نازل ہوئی۔ آپ نے ان کو مجمع میں پڑھ کر سنائی۔ جس کا خلاصہ مشرکین کے طور و طریق سے بکلی بیزاری کا اظہار اور انقطاعِ تعلقات کا اعلان کرتا ہے۔ ملخص منہ [27]

باہمی معاونت کے لئے مکالمہ بین المذاہب کا سنہرا اصول

قرآن اس اصول کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے: وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (5:205) ترجمہ: "تم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نیکی اور خدا خوفی کے کاموں میں تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں باہمی تعاون نہ کرو۔" مولانا عبدالحق حقانی نے اپنی تفسیر حقانی میں اس کی تفسیر یوں فرمائی ہے کہ (یعنی تم کو جو انھوں نے مشرکین مکہ) مسجد حرام سے روک دیا ہے، اس بغض میں آکر تعدی نہ کرو، کیونکہ بری بات کے بدلے میں برائی نہیں کرنا چاہیے، بلکہ جو کوئی نیکی کرے، اس میں مشارکت کرنی چاہیے، اس لیے اس کے بعد یہ حکم صادر فرمایا: "وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" اس میں نیکی میں شرکت اور اعانت کرنے اور بدی سے بچنے کا حکم دیا ہے۔[28] اس پر انفرادی سطح سے لے کر اجتماعی سطح تک، ہر فرد، گروہ، قوم، ملک اور مذہب و مسلک عمل پیرا ہو سکتا ہے اور اسے ہر کوئی تسلیم بھی کرتا ہے۔ چنانچہ اس پر عمل کر کے بین المذاہب میں یگانگت پیدا کی جا سکتی ہے۔

مکالمہ بین المذاہب کا مقصد قبولِ حق

مکالمے کا اصل مقصد احقاقِ حق ہونا چاہیے، قبولِ حق کی فضا اس میں احسن انداز اختیار کرنا چاہیے، جیسا کہ ارشادِ باری ہے: وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (29:46) ترجمہ: "اور اہلِ کتاب سے مجادلہ نہ کرو مگر ایسے کہ نہایت اچھا ہو۔ ہاں جو ان میں سے بے انصافی کریں (ان کے ساتھ اس طرح مجادلہ کرو) اور کہہ دو کہ جو (کتاب) ہم پر اتری ہے اور جو (کتابیں) تم پر اتریں، ہم سب پر ایمان رکھتے ہیں اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں۔" سید ابوالاعلیٰ مودودی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "مبلغ کو فکر اس بات کی ہونی چاہیے کہ وہ مخاطب کے دل کا دروازہ کھول کر حق بات اس میں اتار دے اور اسے راہِ راست پر لائے، اس کو ایک پہلوان کی طرح نہیں لڑنا چاہیے، جس کا مقصد مدمقابل کو نیچا دکھانا ہوتا ہے، بلکہ اس کو ایک حکیم کی طرح چارہ گری کرنی چاہیے، جو مریض کا علاج کرتے ہوئے ہر وقت یہ بات ملحوظ رکھتا ہے کہ اس کی اپنی کسی غلطی سے مرض اور

زیادہ نہ بڑھ جائے۔"[29]

متفق علیہ کلمے کی دعوت

ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ يَآهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (3:64) ترجمہ: "کہہ دے اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان برابر ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے۔ پھر اگر وہ پھر جائیں تو کہہ دو گواہ رہو کہ بیشک ہم فرماں بردار ہیں۔" مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا عبدالستار دہلوی نے اپنی تفسیر حدیث التفاسیر میں عقیدہ توحید کی دعوت کا ذکر بحوالہ حدیث بیان فرمایا ہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے ہرقل بادشاہ کو دعوت اسلام (توحید) دی تب آپ نے یہی آیت "قُلْ يَآهْلَ الْكِتٰبِ" لکھی تھی۔[30] مولانا عبدالستار دہلوی، حافظ صلاح الدین یوسف اور میاں جمیل نے مندرجہ بالا تحریر کی تائید کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ اہل کتاب کو دعوت توحید ایک متفق علیہ مسئلہ کی دعوت ہے جو کہ مکالمہ بین المذاہب کا بنیادی اصول ہے، لہٰذا تفسیر بالماثور میں بھی اس پہلو پر مؤثر انداز میں بیان ہوا ہے۔

اصولِ رواداری

اسلام خود مذہبی رواداری پر یقین رکھتا ہے۔ رواداری کا مفہوم صرف یہی نہیں ہے کہ دوسروں کو برداشت کیا جائے بلکہ اس کے مفہوم میں یہ بات بھی شامل ہے کہ دوسروں کے مذہبی عقائد واقدار، جذبات، وتہذیبی ورثے وغیرہ کا بھی لحاظ رکھا جائے، ان کے متعلق عدم برداشت یا تحقیر کا ایسا رویہ اختیار نہ کیا جائے جو ان کے لئے قابل قبول نہ ہو اور ان کے جذبات کو ٹھیس پہنچانے کا سبب بنے۔ اس طرح مذہبی رواداری دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ساتھ مذہب کے حوالے سے معیاری انسانی برتاؤ کا نام بن جاتا ہے۔ مذہبی رواداری کے حوالے سے تفسیر ماثور میں صریح ہدایات موجود ہیں، اسلام عقیدہ توحید میں بے لچک موقف رکھتا ہے اور اس میں کسی سمجھوتے کا قائل نہیں، لیکن قرآن میں واضح اصول کے طور پر دوسروں کے باطل معبودوں کو بھی برا بھلا کہنے سے سختی سے روک دیا گیا ہے، اس لیے کہ اس سے جذبات مجروح ہوں گے، فریق مخالف کے مزاج میں اشتعال پیدا ہوگا اور وہ عین فطرت کے تقاضے کے مطابق جواباً معبودِ حقیقی کو بھی برا بھلا کہنے لگے گا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ فَيَسُبُّوا اللهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (6:108) ترجمہ: "اور انہیں گالی نہ دو جنہیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، پس وہ زیادتی کرتے ہوئے کچھ جانے بغیر اللہ کو گالی دیں

گے۔" تفسیر احسن البیان میں حافظ صلاح الدین یوسف فرماتے ہیں: "یہ سد ذریعہ کے اصول پر مبنی ہے کہ اگر ایک درست کام، اس سے بھی زیادہ بڑی خرابی کا سبب بنتا ہو تو وہاں اس درست کام کا ترک راجح اور بہتر ہے۔"[31] حافظ صاحب نے اپنی تفسیر میں مزید اس اصول کی تائید کے لیے صحیح مسلم کی حدیث نمبر ۹۰ بیان فرمائی ہے کہ: "اسی طرح نبی ﷺ نے فرمایا کہ تم کسی کے ماں باپ کو گالی مت دو کہ اس طرح تم خود اپنے والدین کے لئے گالی کا سبب بن جاؤ گے۔"[32] حافظ صاحب نے مزید وضاحت کرتے ہوئے امام شوکانی کا حوالہ دیا ہے کہ امام شوکانی لکھتے ہیں یہ آیت سد ذرائع کے لیے اصل اصیل ہے۔

رواداری کے متعلق قرآن کا سب سے بنیادی اصول یہ ہے کہ دین میں کوئی جبر نہیں ہے کہ وہ اپنی مرضی کے فکر وعقیدہ کو دوسروں پر مسلط کرنے کی کوشش کرے، ہر فرد کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق جس نظریے کو چاہے اختیار کرے اور جسے چاہے رد کر دے، اس کا محاسبہ کرنے والی ذات خدا کی ذات ہے، وہ قیامت کے دن اس کا محاسبہ کرے گی، دنیا میں اس بنیاد پر ایسے شخص کے ساتھ برا اور غیر اخلاقی طرز عمل اختیار نہیں کیا جا سکتا، اسے بنیادی انسانی حقوق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔

عدمِ تشدد کا اصول

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (256:2) ترجمہ: "دین میں کوئی زبردستی نہیں، بلاشبہ ہدایت گمراہی سے صاف واضح ہو چکی۔" آیت ہذا میں مفتی محمد شفیع اپنی تفسیر معارف القرآن میں اقوال صحابہ تفسیر بالماثور میں تحریر فرماتے ہیں کہ: "اسلام کے اس طرز عمل سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ جہاد اور قتال سے لوگوں کو ایمان قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتا بلکہ اس سے وہ دنیا میں ظلم وستم کو مٹا کر عدل وانصاف اور امن وامان قائم رکھنا چاہتا ہے۔" مفتی صاحب نے اپنی تفسیر میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کا حوالہ دیا ہے، آپ فرماتے ہیں کہ: "حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے ایک نصرانی بڑھیا کو اسلام کی دعوت دی تو اس کے جواب میں اس نے کہا: اَنَا عَجُوْزٌ كَبِيْرَة والموت الی قريبٌ، یعنی میں ایک قریب المرگ بڑھیا ہوں آخری وقت میں اپنا مذہب کیوں چھوڑوں؟ حضرت عمر نے یہ سن کر اس کو ایمان پر مجبور نہیں کیا بلکہ یہی آیت تلاوت فرمائی: "لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ" یعنی دین میں زبردستی نہیں ہے۔"[33]

جدالِ احسن

اسلام میں فریق مخالف کو دعوت دینے کا جو طریقہ بتایا گیا ہے وہ بھی خوبصورت اسلوب میں کی جائے، ذاتی بحث یعنی جدال احسن ہے نہ کہ طنز و تشنیع اور نزاع پیدا کرنے والا طرز عمل رواداری کے متعلق قرآن کا سب سے

بنیادی اصول دعوتی اسلوب ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا: اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ (125:16) ترجمہ: ''اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلا اور ان سے اس طریقے کے ساتھ بحث کر جو سب سے اچھا ہے۔ بیشک تیرا رب ہی زیادہ جاننے والا ہے جو اس کے راستے سے گمراہ ہوا اور وہی ہدایت پانے والوں کو زیادہ جاننے والا ہے۔''

تفسیر دعوۃ القرآن میں قرآن کی تفسیر قرآن سے کی ہے جیسا کہ انہوں نے مذکورہ آیت تفسیر میں درج ذیل آیت کو درج کیا ہے، (آیت کی تفسیر میں) آپ فرماتے ہیں کہ: ''اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نرمی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، جیسا کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجتے وقت نرمی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا تھا: اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰىO فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (44،43:20) ترجمہ: ''دونوں فرعون کے پاس جاؤ، بیشک وہ سرکش ہو گیا ہے۔ پس اس سے بات کرو، نرم بات، اس امید پر کہ وہ نصیحت حاصل کرلے، یا ڈر جائے۔'' ایک اور جگہ فرمایا: اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ (96:23) ترجمہ: ''اس طریقے سے برائی کو ہٹا جو سب سے اچھا ہو، ہم زیادہ جاننے والے ہیں جو کچھ وہ بیان کرتے ہیں۔''

نیز فرمایا: وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (33:41) ترجمہ: ''اور بات کے اعتبار سے اس سے اچھا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ بیشک میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔'' مولانا سیف اللہ خالد تفسیر دعوۃ القرآن میں اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں ابووائل کی روایت لائے ہیں کہ: ''ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ ہر جمعرات کو لوگوں کو وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے۔ ایک شخص نے ان سے کہا، اے ابو عبدالرحمٰن! میری آرزو یہ ہے کہ آپ ہر روز ہمیں وعظ و نصیحت کیا کریں۔ انھوں نے کہا، کوئی چیز مجھے اس کام سے نہیں روکتی مگر یہ کہ میں اس چیز کو پسند نہیں کرتا کہ تم اکتا جاؤ۔ میں اسی طرح وقفے سے تم کو نصیحت کرتا ہوں، جس طرح رسول اللہ ﷺ ہمیں وقفے کے ساتھ نصیحت کرتے تھے، اس ڈر سے کہ کہیں ہم اکتا نہ جائیں۔'' [بخاری، کتاب العلم، باب من جعل لأهل العلم أياما معلومة :۷۰:۔ مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب الاقتصاد فی الموعظۃ، ۸۳: ۲۸۲۱] [34]

اس روایت کو لانے کے بعد درج ذیل احادیث نبویہ ﷺ کو پیش کیا ہے:

۱۔ سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آسانی پیدا کرو، سختی میں نہ ڈالو، خوشخبری سناؤ، نفرت نہ دلاؤ۔'' [بخاری، کتاب العلم، باب ما كان النبى صلى الله عليه وآله وسلم

يتخولهم بالموعظة۔۔الخ : ٦٩]

۲۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عائشہ! اگر تمہاری قوم کا زمانۂ جاہلیت ابھی تازہ تازہ نہ گزرا ہوتا تو میں کعبہ کو گرانے کا حکم دیتا اور جتنا حصہ اس میں سے نکال دیا گیا ہے (یعنی حطیم) وہ بھی شریک تعمیر کر دیتا۔ مزید برآں اس کی کرسی زمین کے برابر کر دیتا اور اس میں ایک مشرقی اور ایک مغربی دو دروازے رکھتا، اس طرح ابراہیم (علیہ السلام) کی بنیاد پر اس کی تعمیر ہو جاتی۔''
[بخاری، کتاب الحج، باب فضل مکۃ وبنیانہا و قولہ تعالیٰ۔۔الخ : ۱۵۸۶]

۳۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کیا احد کے دن سے بھی زیادہ سخت کوئی دن آپ پر گزرا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''رضی اللہ تعالیٰ میں نے تیری قوم (قریش) کی طرف سے کتنی ہی تکلیفیں سہی ہیں، لیکن اس سارے دور میں سب سے سخت دن مجھ پر عقبہ کا دن گزرا ہے، جس دن میں نے (رئیس طائف) عبد یالیل بن عبد کلال کو تبلیغ کی تو اس نے میرا کہنا نہ مانا، تو میں رنجیدہ خاطر ہو کر وہاں سے لوٹا اور جب قرن اس میں سے صرف ثعالب میں پہنچا تو ذرا ہوش آیا۔ میں نے اوپر سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ابر کا ایک ٹکڑا مجھ پر سایہ فگن ہے اور اس میں جبریل علیہ اسلام موجود ہیں۔ وہ مجھے پکار کر کہنے لگے، اللہ تعالیٰ نے وہ باتیں سن لیں جو آپ کی قوم نے آپ سے کیں اور جو جواب آپ کو دیا، اب اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتے کو آپ کے پاس بھیجا ہے، تاکہ ان (لوگوں کے سلسلہ) میں آپ جو چاہیں ان کو حکم دیں۔ اسی اثنا میں پہاڑوں کے فرشتے نے مجھے پکارا اور سلام کیا۔ اس نے کہا، اے محمد صل اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے وہ باتیں سن لیں جو آپ کی قوم نے آپ سے کیں، میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں، آپ کے رب نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے، تاکہ آپ اپنے کام کا جو آپ چاہیں مجھے حکم دیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں اخشبین (دو پہاڑوں) کو ملا کر ان کو پیس دوں۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا: " نہیں، مجھے امید ہے (اگر یہ لوگ راہ راست پر نہ بھی آئے تو کوئی بات نہیں) ان کی اولاد میں سے اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا کرے گا جو اکیلے اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔"[35]

المختصر تفسیر دعوۃ القرآن کے مصنف نے دعوتی اسلوب میں تفسیر بالماثور کا انداز اپناتے ہوئے تفسیر کی ہے۔ پھر آپ نے درج ذیل آیت سے تفسیر بیان کی ہے: اِنَّ رَبَّكَ هُوَاَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَاَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ (7:68) ترجمہ: ''یعنی وہ جانتا ہے کہ بد بخت کون ہے اور نیک بخت کون؟ لہٰذا انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت تو دیں، لیکن ان میں سے جو گمراہ ہو جائے اور دعوت الی اللہ کو قبول نہ کرے تو اس پر غم کھاتے ہوئے اپنے آپ کو ہلکان نہ کریں، کیونکہ انھیں ہدایت دینا آپ کے اختیار میں نہیں۔'' مولانا صاحب نے پھر قرآن کی آیت سے تفسیر

بیان فرمائی ہے جو درج ذیل آیت سے ہے: جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنَّكَ لَا تَهۡدِىۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ (56:28) ترجمہ: "بیشک تو ہدایت نہیں دیتا جسے تو دوست رکھے اور لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو زیادہ جاننے والا ہے۔" اور پھر مزید قرآن کی تفسیر قرآن سے فرماتے ہوئے آیت کو پیش کیا ہے اور فرمایا: لَيۡسَ عَلَيۡكَ هُدٰٮهُمۡ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ (2:272) ترجمہ: "تیرے ذمے انھیں ہدایت دینا نہیں اور لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔"[36]

مذکورہ بحث سے حاصل ہوا ہے کہ مولانا سیف اللہ خالد نے تفسیر دعوۃ القرآن میں مکالمہ بین المذاہب کے حوالہ سے تفسیر بالماثور سے تفسیر فرمائی ہے۔ اور اس موقف کی تائید میں حافظ صلاح الدین یوسف نے اپنی تفسیر احسن البیان میں بھی اس کی تفسیر میں تحریر کیا ہے کہ صحیح بخاری میں ہے کہ قرآنِ کریم کے اس حکم کے مطابق آپ نے ہر قل شاہ روم کو مکتوب تحریر فرمایا اور اس میں اس آیت کے حوالے سے قبولِ اسلام کی دعوت دی اور اسے کہا کہ تو مسلمان ہو جائے گا تو تجھے دوہرا اجر ملے گا، ورنہ ساری رعایا کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا۔ حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں: "فاسلم تسۡلَمۡ اَسۡلِمۡ يُؤۡتِكَ الله اَجۡرَكَ مَرَّتَين فَاِنۡ تَوَلَّيۡتَ فَاِنَّ عَلَيۡكَ الله الا رنسيين"[37] اس کی تائید میں تفسیر فہم القرآن میں بھی تائید کی گئی ہے، آپ تحریر کرتے ہیں کہ اللہ کی ذات کے سوا کسی کو معبود کا مقام نہ دیا جائے۔ یہی دعوت آپ نے سلطنت رومیہ کے فرمان اور ہر قل کو مراسلہ کے ذریعے دی تھی۔ (بخاری: کتاب بدء الوحی)[38]

مختصر یہ کہ تفسیر بالماثور مکالمہ بین المذاہب میں ہم آہنگی کے لیے جو اصول دیے ہیں وہ آفاقی اصول ہیں۔ وہ اسلام کو کسی گروہ یا قوم کے مذہب کے طور پر پیش نہیں کرتے، بلکہ اسے پوری کائنات کا مذہب ٹھہراتے ہیں۔ مختلف اقوام و مذاہب کے اختلافی افکار کو اچھالنے کی بجائے ان کو اتفاقی نکات پر اکٹھا ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ دیگر مذاہب کے انبیاء اور ان کی مقدس کتب کو خدا کی طرف سے بھیجا ہوا قرار دے کر انھیں تسلیم کرتے اور ان کا احترام کرنے کا درس دیتے ہیں۔ مختلف مذاہب کی عبادت گاہوں کو خدا کا گھر تسلیم کرتے ہوئے سب کو قابلِ احترام سمجھتے ہیں۔ یہ اصول مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان بحث و مباحثہ میں شائستگی اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور کسی کی دل آزاری کرنے، انھیں برے ناموں سے پکارنے یا ان کی تحقیر و تذلیل کرنے سے روکتے ہیں۔ مخالف مذہبی گروہوں کے سب افراد کو ایک ہی طرح کا سمجھ کر ان سب کو ایک لاٹھی سے ہانکنے کی بجائے، ان گروہوں کے اچھے افراد اور ان کے اچھے اخلاق و اعمال کی کھلے دل سے تعریف کرنے کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ مزید یہ کہ تمام مذاہب کے اندر بگاڑ پیدا کرنے اور راہِ حق سے بھٹکانے والے اصل عنصر، خواہشاتِ نفس کی نشان دہی کر کے اس سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں، اور اس کی بجائے اللہ کی کتاب کے صریح احکامات کی طرف دعوت دے کر ان پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر نیکی میں باہمی تعاون اور گناہ میں عدمِ تعاون کی دعوت دیتے

ہیں۔ یہ وہ اصول ہیں جنھیں ہر مذہب کے لوگ اصولاً تسلیم کرتے ہیں۔ ان پر خلوص سے عمل دار آمد ہو جائے تو یقیناً دنیا میں مذہبی ہم آہنگی پیدا ہو سکتی ہے اور یہ دنیا امن و سکون کا گہوارہ بن سکتی ہے۔

خلاصہ مضمون

مذکورہ بحث سے مکالمہ بین المذاہب کے جو اصول سامنے آتے ہیں وہ احترامِ انسانیت، مذہبی شخصیات کا احترام، عبادت گاہوں کا تحفظ، مذہبی راہنمایاں میں تقابل سے اجتناب کرنا، کتبِ مقدسہ کا احترام، معاہدات کی پاسداری، عدل و انصاف، مساواتِ انسانی، دعوتِ حق، باہمی تعاون، مذہبی رواداری، عدمِ تشدد، دعوتی اسلوب وغیرہ ہیں۔ نیز اس مضمون سے درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

- تفسیر بالماثور کا دائرہ کار قرآن، حدیث، اقوالِ صحابہ و تابعین، اجتہاد، لغت پر مشتمل ہے۔
- بر صغیر کا ماثور تفسیری ادب مکالمہ بین المذاہب کے مسائل کو حل کرتا ہے۔
- مکالمہ بین المذاہب سے مذاہبِ باطلہ کو رد کیا جا سکتا ہے اور دلائل کی روشنی میں قائل کیا جا سکتا ہے۔
- مذکورہ بحث سے تفسیر بالماثور کی مکالمہ بین المذاہب میں اہمیت کو سمجھا جا سکتا ہے۔
- ماثور تفسیری ادب کے ذریعے مکالمہ بین المذاہب کے اصول و ضوابط متعین کیے جا سکتے ہیں۔
- تفسیر بالماثور کے خزائن بیسویں صدی میں بر صغیر میں بھی قابلِ اعتماد ہیں۔
- مکالمہ بین المذاہب دعوت کا ایک ایسا طریقہ ہے کہ جس کے ذریعے مخاطب کو (Deply) اور سنجیدگی کے ساتھ سوچنے پر مجبور کر سکتا ہے۔
- مکالمہ بین المذاہب کے ذریعے غلط فہمیوں کو دور کیا جا سکتا ہے۔
- دینِ اسلام ایک عالم گیر مذہب ہے مکالمہ بین المذاہب کے ذریعہ اسلام کی دعوت کو عالمگیر بنایا جا سکتا ہے۔
- اسلام کے متعلق مغرب کے تحفظات مکالمہ بین المذاہب کے ذریعے دور کیا جا سکتا ہے اور دیگر مذاہب کے خدشات کو بھی نمٹایا جا سکتا ہے۔

تجاویز و سفارشات

مکالمہ بین المذاہب کے موضوع پر ہونے والے اجتماعات میں متعین نکتہ ہونا چاہیے:

- مکالمہ برائے تفہیم ہونا چاہیے۔
- محتاط زبان کا استعمال ہونا چاہیے۔
- عصر حاضر میں عالمی حالات کو مد نظر رکھ کر اجتہادی انداز میں مسلم اور غیر مسلم کے تعلقات اور اس حوالے سے ان کو در پیش مسائل کا حل ڈھونڈنا چاہیے۔

- مکالمہ بین المذاہب کو ماثور تفسیری ادب کے ذریعے درپیش مسائل کا حل نکالنا چاہیے۔
- دہشت گردی کے خاتمہ کے لیے مکالمہ بین المذاہب کے اجتماعات حکومتی سرپرستی میں ہونے چاہیے۔
- اسلامی ممالک اور دیگر ممالک، ہر ایک میں سرکاری اور نجی طور پر مکالمہ بین المذاہب کے نام سے ادارے عمل میں لانے چاہیے۔
- تشدد پسند رویوں کو مکالمہ بین المذاہب کے ذریعے ختم کرنا چاہیے۔
- قرآن و حدیث، اقوالِ صحابہ و تابعین کے طریقہ کے مطابق مکالمہ بین المذاہب کے عنوان پر کتابیں لکھی جائیں، تاکہ ایک دوسرے کو سمجھنے اور قریب لانے کا موقع مل سکے۔

*****

حوالہ جات

1۔ تقی الدین، ابو العباس، ابن تیمیہ، *مقدمہ فی اصول التفسیر* (بیروت، دار الکتب العلمیہ، 2012ء)، 24۔

2۔ یضاً، 20۔

3۔ایضاً، 24۔

4۔ مولانا ابو الفضل عبد الحفیظ، بلیاوی، *المنجد عربی اردو* (بیروت، دار المشرق، 1976ء)، 765 ۔

5۔انجیل متی، 15: 24۔

6۔انجیل متی۔ 10: 6۔

7 شاہ ولی اللہ، دہلوی، *الفوز الکبیر*، (لاہور، مکتبہ قرآنیات، 2014ء)، 14۔

8۔ زکی المیلاد، ازمۃ الحوار الاِسلامی، *مقالہ در ثقافۃ التقریب*/ 3، العدد الأول (ش ن، جولائی 2007ء)، 1۔

9۔ محمد بن عیسی، الترمذی، *جامع ترمذی*، الایمان، باب ماجاء فی ان الملم کن یکم المسلمون (الریاض، دار الاسلام للنشر والتوزیع، 1999) ح: 2627۔

10۔ فتی محمد عاشق الٰہی مہاجر، مہاجر مدنی، *تفسیر انوار البیان فی کشف اسرار القرآن*، (لاہور، مکتبہ زکریا، 2009ء/ 1480ھ)، 106۔

11۔صوفی عبد الحمید، سواتی، *معالم العرفان*، تفسیر سورۃ توبہ، 9:7، (گوجرانوالہ، انجمن محبان اشاعت قرآن، 2008ء)، 308۔

12۔ محمد شفیع، مفتی، *معارف القرآن*، ج2 (کراچی، ادارۃ المعارف، 1987ء)، 51۔

13۔ محمد شفیع، *معارف القرآن*، ج2، 51۔

14۔ محمد شفیع، *معارف القرآن*، ج2، 50۔

15۔شبیر احمد، عثمانی، *تفسیر عثمانی*، ج1 (کراچی، دار الاشاعت، 1949ء)، 424۔

16۔ پیر محمد کرم شاہ، الازہری، *ضیاء القرآن*، ج1 (لاہور، ضیاء القرآن پبلیکشنز، 1970ء)، 590۔

17۔غلام رسول، سعیدی، *تبیان القرآن*، ج3 (لاہور، فرید بک سٹال، 2000ء)، 267۔

18۔ محمد شفیع، معارف القرآن، ج6، 271۔

19۔ میاں محمد جمیل، فہم القرآن (لاہور، ابوہریرہ اکیڈمی، س ن)، 394۔

20۔ مولانا عبدالستار محدث، دہلوی، حدیث التفاسیر (کراچی، مکتبہ رشیدیہ، 1911ء)، 61۔

21۔ سید احمد حسن، دہلوی، تفسید احسن التفاسیر، ج5 (دہلی، مطبع فاروقی، 1912ء، 42-43۔

22۔ ابو نعمان سیف اللہ، خالد، دعوۃ القرآن، ج2 (لاہور، دارالاندلس، 2010ء)، 7۔

23۔ میاں محمد جمیل، تفسیر فہم القرآن، (النساء: 4: 58)، 718۔

24۔ مولانا عبدالحق حقانی، دہلوی، تفسیر حقانی، ج6 (لاہور، الفیصل ناشران وتاجران کتب، 1906ء)، 40۔

25۔ ڈاکٹر اسرار احمد، تفسیر بیان القرآن، ج6 (لاہور، مکتبہ خدام القرآن، 2019ء)، 478۔

26۔ مولانا اشرف علی، تھانوی، تفسیر بیان القرآن، ج1 (لاہور، مکتبہ رحمانیہ، 1905ء)، 498۔

27۔ مولانا شبیر احمد، عثمانی، تفسیر عثمانی (تفسیر سورۃ الکافرون)، ج3، 918۔

28۔ ہلوی، تفسیر حقانی، ج: 4، 6۔

29۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ، مودودی، تفہیم القرآن، ج3 (لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، 1958ء)، 708۔

30۔ دہلوی، حدیث التفاسیر، 84۔

31۔ صلاح الدین، حافظ، یوسف، تفسیر احسن البیان (لاہور، دارالاسلام، 1995ء)، 184۔

32۔ مسلم بن حجاج، القشیری، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الکبائر، ج1 (لاہور، علی آصف پرنٹرز، 2004ء)، 189۔

33۔ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج: 1، 617۔

34۔ ابو نعمان، تفسیر دعوۃ القرآن، ج3، 349،350۔

35۔ البخاری، محمد بن إسماعیل ابو عبداللہ (المتوفی: 256ھ) صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب: إذا قال أحدکم امین۔۔الخ: ۳۲۳۱۔

36۔ ابو نعمان، تفسیر دعوۃ القرآن، ج: 3، 351۔

37۔ صلاح الدین، تفسیر احسن البیان، 73۔

38۔ میاں محمد جمیل، تفسیر فہم القرآن، ج1، 509۔

Bibliography

1. Al-Azhari, Peer Muhammad Karam Shah, Zia al-Quran, Lahore: Zia al-Quran Publications, 1970.
2. Al-Tirmizi, Muhammad b. Esa, Jame’ Tirmizi, Riyadh: Dar al-Salam, 1999.
3. Balyawi, Maolana Abu al-Fazl Abdul Hafīz, Al-Munjid Arabi-Urdu, Beirut: Dar al-Mashriq, 1976.
4. Dehalwi, Maolana Abd al-Sattar Muhaddith, Hadith al-Tafāsīr, Karachi: Maktaba Rashidiyyah, 1911.

5. Dehalwi, Sayyed Ahmad Hasan, Tafsīr Ahsan al-Tafāsīr, Dehli: Matba' Farooqi, 1912.
6. Dehlawi, Maolana Abd al-haq Haqqani, Tafsīr Haqqani, Lahore: al-Faisal Nashirān wa Tajirān, 1906.
7. Dehlawi, Shah Waliyullah, Al-Faoz al-Kabīr, Lahore: Maktaba Qurāniyat, 2014.
8. Ibn Taymiyyah, Taqi al-Din, Abu al-Abbas, Muqadamah fi Usūl al-TafsIīr, Beirut: Dar al-Kutub al-Ilmiyyah, 2012.
9. Khalid, Abu Nao'man Saifullah, Dawah al-Quran, Lahore: Dar al-Undalus, 2010.
10. Mawdodi, Maolana Abu al-Ala, Tafhīm al-Quran, Lahore: Idara Tarjaman al-Quran, 1958.
11. Miyan Muhammad Jamil, Fahm al-Quran, Lahore: Abu Hurirah Academy, nd.
12. Mufti, Muhammad Safi, Maā'rif al-Quran, Karachi: Dar al-Maā'rif 1987.
13. Muhajir Madani, Mufti Muhammad Ashiq Elahi Muhajir, Tafsīr Anwār al-Bayan fi Kashf Asrar al-Quran, Lahore: Maktaba Zakriya 1408/2009.
14. Qushayri, Muslim b. al-Hajjaj, Sahi Muslim, Lahore: Ali Asif Printers, 2004.
15. Sae'idi, Ghulam Rasool, Tibyan al-Quran, Lahore: Fareed Book Stall, 2000.
16. Sawati, Sufi Abd al-Hamīd, Maā'lim al-Irfan, Gujranawala: Anjuman Muhibban Ishaa't-e Quranm 2008.
17. Thanawi, Maolana Ashraf Ali, Tafsīr Bayan al-Quran, Lahore: Maktaba Rahmaniyyah, 1905.
18. Uthmani, Shabīr Ahmad, Tafsīr-e Uthmani, Karachi: Dar al-Ishaa't, 1949.
19. Yusuf, Salah al-Dīn, Hafiz, Tafsīr Ahsan al-Bayan, Lahore: Dar al-Salam, 1995.
20. Zaki al-Milād, Azmah al-Hiwār al-Islami, Thaqafa al-Taqrīb 3, no. 1 (2007).

عصر حاضر کی اسلامی تحریکیں، مسلم امہ اور عالمی منظر نامہ

CONTEMPORARY ISLAMIC MOVEMENTS: THE MUSLIM UMMAH & GLOBAL SITUTION

Talib Ali Awan
Dr. Muhammd Haseeb

ABSTRACT:

Any all-encompassing and everlasting struggle revolving around the call for God and religion is called Islamic movement whose central responsibility is to train and prepare such individuals who, instead of being slaves of their parochial interests, fulfill their duties with respect to God's rights, and play their role to defend the rights of people. This article examines to what extent contemporary Islamic movements have succeeded in this regard. The most important thing for a viable reformation is the consistent process of educating and training which is linked with the Quran, the Sunnah, Islamic rituals, and rights of human beings. Contemporary Islamic movements may be successful in this process only through hard struggle.

KeyWords: *Islamic, Movements, Muslims, World, Scenario.*

خلاصہ

دعوت الی اللہ اور دعوتِ دین کے محور کے گرد ایک ہمہ جہت اور ختم نہ ہونے والی جدوجہد کو اسلامی تحریک کا نام دیا جاتا ہے جس کی بنیادی ذمہ داری ایسے افراد کی تربیت ہے جو ذاتی مفاد کے بندے نہ ہوں بلکہ صرف اور صرف خالق حقیقی کے بندے بن کر اس کے حقوق کو ادا کریں اور خلق خدا کے حقوق کے تحفظ میں ذمہ دارانہ کردار ادا کرسکیں۔ اس مقالہ میں اس امر کا جائزہ لیا گیا ہے کہ عصر حاضر کی اسلامی تحریکیں اس مہم میں کس قدر کامیاب ہوئی ہیں۔ دراصل، پائیدار اصلاح کے لئے سب سے زیادہ ضروری چیز وہ مسلسل تعلیمی و تربیتی عمل ہے جس میں قرآن کریم کا براہِ راست مطالعہ، سیرت النبیؐ سے براہِ راست تعلق اور عبادات اور حقوق العباد کا شدت کے ساتھ اہتمام ہو۔ عصر حاضر کی اسلامی تحریکیں اس تربیتی عمل کے لئے مسلسل خونِ جگر سینچنے ہی سے اپنی منزل سے ہم کنار ہوسکتی ہیں۔

کلیدی کلمات: اسلامی، تحریکیں، مسلم امت، منظر نامہ۔

اسلامی تحریک کا مفہوم

اسلام کے لغوی معنی "اطاعت، سر جھکانے، سر تسلیم خم کرنے اور مکمل سپردگی" کے ہیں۔اس کے دوسرے لفظی معنی "امن، سلامتی اور آشتی" کے ہیں۔ اصطلاح میں اسلام کا مطلب دین کو اللہ کے لئے خاص کرنا ہے اور مسلم سے مراد وہ شخص ہے جو عبادت کو اللہ کے لئے خالص کرتا ہے یعنی اسلام دراصل اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری کرتا ہے۔[1] دراصل، دین اسلام ہی وہ دین ہے جو اللہ کی حاکمیت کی بنیاد پر ایک پورا ضابطہ زندگی پیش کرتا ہے: "اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ" (19:3) ترجمہ: "بلا شبہ دین تو اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔" یہ دین انسان سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اسے قبول کرے اور اس کی پیروی کرے کیونکہ اللہ کے قانون کے آگے جھکنے اور اس کی اطاعت کرنے کا نام ہی اسلام ہے: "وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ ۔"(85:3) ترجمہ "اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا اس سے وہ دین ہر گز قبول نہ کیا جائے گا۔"

کسی تہذیب کی روشنی دراصل اس کے اصول وعقائد اخلاقی اور سماجی اداروں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ یہی عناصر وہ "تحریکات" کہلاتے ہیں جو تمدن کا ڈھانچہ متعین کرتے ہیں۔ "تحریک" اس جدوجہد کا نام ہے جو کسی نصب العین کے حصول کے لئے منظّم طور پر کی جائے۔[2] مولانا مسعود عالم ندوی 'تحریک اسلامی' کی تعریف بتاتے ہوئے کہتے ہیں: "جب ہم اسلامی تحریک کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے مراد ایسی تحریک ودعوت ہے جو دین کے کسی خاص جز پر قناعت کرنے کے لئے تیار نہ ہو اور پوری انسانی زندگی کو دین کا موضوع اور دائرہ عمل کے اندر داخل سمجھتی ہو۔"[3] چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ پوری انسانی تاریخ میں ہمیشہ اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لئے ایسی تحریکات موجود رہی ہیں جو ہر فرد کو حق کا سپاہی اور راستے کا سفیر بنانا چاہتی ہیں۔ وہ مسلمانوں کو امت وسط قرار دے کر امت کی تخلیق کا مقصد ہی یہ قرار دیتی ہیں: "کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ" (110:3) ترجمہ: "اب دنیا میں بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت واصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا اور تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔" اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیکی کو قائم کرنا، برائی کو مٹانا اور اللہ وحدہ لاشریک کو اعتقاداً عملاً اپنا اللہ اور رب تسلیم کرنا یہ امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے۔ اسلامی تحریک کی غرض وغایت اس آیت سے بھی واضح ہوتی ہے جس میں ارشاد ہوا: "اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ (41:22) ترجمہ: "یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں اقتدار دیں تو وہ نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔" اس کے علاوہ ارشاد خداوندی ہے: "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰامِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ

بِالْقِسْطِ " (8:5) ترجمہ: "اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی خاطر راستے پر قائم رہنے والے انصاف کی گواہی دینے والے ہو۔" اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ امت مسلمہ کا کام صرف انصاف کرنا نہیں بلکہ انصاف کا جھنڈا لے کر اٹھنا ہے: "وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ " (39:8) ترجمہ: "ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کے لئے ہو جائے۔" اس سے اسلام میں اسلامی تحریکات کی ایک مجمل تصویر سامنے آتی ہے کہ تحریکِ اسلامی کے ذریعے عوام کو متحرک اور بیدار کرنا ہوتا ہے کہ وہ دین کو اللہ کے لئے خالص کرلیں۔

اسلامی تحریکیں، ایک تعارف

عصر حاضر کی معروف تحریکوں کو زیر بحث لانے سے پہلے اسلامی تحریکات جو خدمات سرانجام دے رہی ہے اور وہ کس نوعیت کی ہیں، ان کا مختصراً ذکر کیا جائے گا۔ ان کا اصل کام تو مذہبی احیاء اور معاشرتی اصلاح کو دستور حیات بنانا ہے۔ مگر مقاصد کے حصول کے ذرائع یا طریقے الگ الگ ہیں۔ جس کی بناء پر ہم ان کو کچھ گروپوں میں بانٹ سکتے ہیں تاکہ ان کی حکمت عملی اور عصر حاضر کی ضرورتوں کو سمجھنے میں مدد مل سکے اور یہ اندازہ لگایا جاسکے کہ ان کی کوششیں کس اختتام پر منتج ہوتی ہیں۔

تزکیہ نفس کی تحریکیں

نبی اکرم ﷺ امت مسلمہ فرائض نبوت میں دعوت خیر اور "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" میں نبی کی جانشین بنی۔ اس لیے رسول کریم ﷺ کو کار نبوت کے جو چار فرائض عطا ہوئے:

الف۔ تلاوت۔　　ب۔ احکام۔　　ج۔ تعلیم کتاب۔　　د۔ حکمت و تزکیہ۔

یہ چاروں فرض امت مسلمہ پر بھی بطور کفایہ عائد ہیں: [4] "وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ" (104:3) ترجمہ: "اور تمہارے اندر سے ایک جماعت اس کام پر مقرر ہونی چاہیے کہ جو نیکی کی دعوت دے، معروف کا حکم دے اور منکر سے روکے اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔" لہٰذا اسی اصول کے تحت رسول کریم ﷺ نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ اگر کوئی منکر کو دیکھے تو اپنے دائرہ اختیار میں اس کا ازالہ کرنے کی کوشش کریں، آپ ﷺ کا ارشاد مبارکہ ہے: "من رای منکم منکراً فلیغرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانه، فان لم یسطع فبقلبه، و ذلك اضعف الایمان" [5] ترجمہ: "تم میں سے کوئی شخص اپنے دائرہ کار یا اختیار میں کوئی برائی دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے ہاتھ سے روکے، پھر اگر اس کی ہمت نہ ہو تو زبان سے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو دل سے اسے ناگوار سمجھے اور یہ ایمان کا ادنی ترین درجہ ہے۔" قرآن کریم کی تصریحات، دین کے

مسلمات، رسول اکرم ﷺ کی سیرت اور روایت کے الفاظ کی روشنی میں اس کی صحیح تاویل یہ ہے کہ مسلمان اپنے اور دوسرے نفوس کا تزکیہ کرے، قلوب امراض کا علاج کرے اور برائیوں اور بدیوں کے زنگ و میل سے دھو کر اخلاق انسانی کو نکھارا اور سنوارا جائے اور یوں ان تحریکوں میں ظاہری و باطنی فرائض یکساں اہمیت سے ادا ہوتے ہیں۔[6] ماضی میں اس طرح کی تحریکوں کی مثال مندرجہ ذیل ہے:

اصلاح کے نام پر اٹھنے والی جدید تحریکات

ا۔ سلفیت

سلفیت، سلف صالحین کے اتباع کی دعوت دیتی ہے۔ صحیح عقیدہ اور خالص توحید کی طرف رجوع کرنے کی تاکید کرتی ہے۔ کسی متعین مذہب کی پیروی نہیں کرتی بلکہ قوی دلیل کی پیروکار ہے، شرک اور بدعات کو ختم کرنے کی داعی ہے۔اس تحریک کے محرک شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی رحمہ اللہ (1115-1206ھ/1703-1791ء) تھے۔ انہوں آل سعود کے ساتھ رشتہ داری اور معاہدے کے ذریعے شرکیات و بدعات کا قلع قمع کیا اور آل سعود کی حکومت کو خوب مستحکم کیا۔ آج بھی سعودی حکومت کے سیاسی امور آل سعود کے پاس ہیں جبکہ دینی امور شیخ کی آل و اولاد کے پاس ہیں۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی دعوت "الولاء والبراء "یعنی مسلمانوں سے دوستی اور کفار سے بیزاری کا قرآنی عقیدہ خوب واضح کیا گیا ہے۔ لیکن عملی طور پر آل سعود کی تمام کفار سے دوستیاں ہیں۔[7] جس کے نتیجے میں آل شیخ نے بلاد حرمین کی حفاظت کے نام پر امریکی افواج کی تعنیانی کو سند جواز فراہم کیا جس کی وجہ سے آج کعبۃ اللہ کے قریب مسلح جہازوں سے لیس امریکی بحری بیڑے تعنیات ہیں اور عملاً سارا جزیرۃ العرب امریکی افواج کے قبضے میں ہے۔ اگرچہ سلفی تحریک خالص سیاسی معنی میں جزیرہ عرب تک ہی محدود ہے۔ مگر روحانی طور پر اس کے قومی اثرات عالم اسلام کو ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک اپنی رو میں بہا لے گئے۔ سنوسی تحریک، الاخوان المسلمون اور جماعت اسلامی اس تحریک کی قابل تقلید مثالیں ہیں۔

۲۔ جماعت اہلِ حدیث

جماعت اہل حدیث برصغیر کے قدیم تحریکات میں سے ہے، یہ جماعت کتاب وسنت اور سلف و صالحین کے طریقے کی طرف دعوت دیتی ہے، شرکیات و بدعات کے مخالف ہے۔ اس تحریک کے محرک شیخ نذیر حسین دہلوی (ت1320ھ)، علامہ شمس الحق عظیم آبادی مولف عون المعبود شرح سنن ابی داوٗد (ت1329ھ)، علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوری مولف تحفۃ الاحوذ شرح جامع الرمذی (ت1393ھ)، نواب صدیق حسن خان بھوپالی (ت1307ھ)، شیخ محمد داوٗد غزنوی (1895-1965ء)، علامہ شیخ احسان الٰہی ظہیر (ت1987ء) اور علامہ

بدیع الدین شاہ راشدی شمار کیے جاتے ہیں۔[8] برصغیر، نیپال، سری لنکا اور جزائر فجی میں اس تحریک کے پیروکار پائے جاتے ہیں۔ آج کل اہل حدیث کے نام سے سینکڑوں جماعتیں کام کر رہی ہیں، جیسے: لشکر طیبہ حالیہ جماعۃ الدعوۃ۔

۳۔جماعت انصار السنۃ المحمدیۃ

جماعت انصار السنۃ المحمدیہ ایک سلفی جماعت ہے جو مصر میں قائم ہوئی اور پھر دیگر ممالک میں پھیلی، یہ جماعت توحید خالص اور سنت صحیحہ کی طرف دعوت دیتی ہے اور انہیں خلافت کے واپس لوٹنے کے لیے شرط قرار دیتی ہے۔ یہ جماعت تصوف کے سخت خلاف ہے۔ اس جماعت کی بنیاد 1345ھ/1926ء کو قاہرہ میں شیخ محمد حامد الفقی رحمہ اللہ کے ہاتھوں پڑی۔ جماعت جمہوریت کو کافرانہ نظام سمجھتی ہے لیکن حکومتوں کے ساتھ تصادم کی راہ اختیار کرتی ہے اور نہ ہی سیاسی عمل میں شرکت کرتی ہیں۔[9] مصر میں جماعت کی سو کے قریب شاخیں اور ہزار کے قریب مساجد ہیں، نیز سوڈان، اریٹیریا، لائبیریا، چاڈ، جنوبی افریقہ اور بعض ایشیائی ممالک جیسے تھائی لینڈ اور سری لنکا میں جماعت کے پیروکار پائے جاتے ہیں۔

۴۔اخوان المسلمون

معاصر تحریکات میں اخوان المسلمون سب سے بڑی اسلامی تحریک ہے، اخوان المسلمون اسلام کی طرف رجوع اور شریعت کے نفاذ کی دعوت دیتی ہے۔ اخوان، سیکولرازم کے خلاف جدوجہد کرتی آ رہی ہے۔ شیخ حسن البنا رحمہ اللہ (1324-1368ھ/196-1949م) نے اپریل 1928م میں اخوان المسلمون کی بنیاد رکھی۔اخوان نے 1948م میں فلسطین کی جنگ میں شرکت کی اور 1951م میں برطانیہ کے خلاف گوریلا جنگ میں فعال کردار ادا کیا۔ جمال عبدالناصر نے 1954م اخوان کی قیادت کو گرفتار کیا اور چھ رہنماؤں کو پھانسی دی۔ سید قطب رحمہ اللہ جو جماعت کے دوسرے اہم مفکر ہیں، انہوں نے "معالم فی الطریق" اور دوسری کتابوں کے ذریعے عالم اسلام میں موجود کافرانہ نظاموں کو ختم کرنے کے لئے جہادی راستہ تجویز کیا۔ ماضی قریب میں جماعت نے محمد مرسی کی قیادت میں مصر میں حکومت قائم کی۔ لیکن ایک سال بعد ہی فوج نے بغاوت کر دی اور جماعت کی قیادت دوبارہ پابند سلاسل کی گئی۔ یہ جماعت کئی جرائد نکالتی ہے۔ جماعت کا شعار یہ تھا: اللہ ہمارا رب، رسول اللہ ﷺ ہمارے رہنماء، قرآن ہمارا دستور، جہاد ہمارا راستہ اور شہادت ہماری اعلیٰ آرزو ہے۔ یہ کسی دور میں جماعت کا شعار تھا، اب بہت ساری دیگر تنظیموں کی طرح جماعت کا شعار یہ بن چکا ہے: جموریت ہمارا راستہ اور کرسی ہماری اعلیٰ آرزو ہے۔[10] جماعت کا قیام مصر میں عمل میں آیا، 1940م کے آخر تک تین ہزار شعبے تھے۔ یہ جماعت شام، فلسطین، اردن، لبنان، عراق، یمن، سوڈان وغیرہ میں پھیلی ہوئی ہے، دیگر مسلم دنیا میں بھی اس کے پیروکار موجود ہیں۔

۵۔جماعت اسلامی (بر صغیر)

جماعت اسلامی بر صغیر کی ایک معاصر اسلامی تحریک ہے، اس کا مقصد اسلامی شریعت کا نفاذ اور سیکولرازم کی راہ مسدود کرنا ہے۔ ابوالاعلیٰ مودودی (1321-1399ھ/1903-1979م) نے جماعت اسلامی کی بنیاد رکھی۔ جماعت کا شعار یہ ہے: قرآن وسنت کی دعوت لے کر اٹھو اور ساری دنیا پر چھا جاؤ۔ جماعت کے بانی کی رحلت کے بعد میاں طفیل محمد (1941م) نے جماعت کی امارت سنبھالی۔ ان کے قاضی حسین احمد، ان کے بعد سید منور حسن اور اب سراج الحق امیر ہیں۔ سید منور حسن کی قیادت میں جماعت اسلام کے زیادہ قریب تھی جبکہ سراج الحق کی قیادت میں جماعت ایک عام سی جمہوری جماعت نظر آتی ہے۔[11] بانیٔ جماعت نے ابتداء میں جمہوریت کو بڑے شدومد سے کفری نظام قرار دیا اور پھر اپنی پالیسی سے یوٹرن لیتے ہوئے جمہوری سیاست میں آنے کا فیصلہ کیا جس کی وجہ سے مولانا امین احسن اصلاحی اور ڈاکٹر اسرار احمد جیسی اہم شخصیات نے جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی۔ جماعت نظم وضبط کے حوالے سے معروف ہے۔ اسلامی جمیعت طلبہ عصری اداروں میں جبکہ جمیعت طلبہ عربیہ دینی مدارس میں جماعت کی ذیلی شاخیں ہیں۔ جماعت کی سیاست دھرنوں اور مظاہروں سے عبارت ہے۔ جماعت اسلامی پورے بر صغیر میں پھیلی ہوئی ہے، سری لنکا اور مغربی ممالک میں بھی جماعت کا وجود ہے۔

٦۔اتجاہ اسلامی (تونس)

اتجاہ اسلامی ایک اسلامی تحریک ہے جو اخوان المسلمون کی فکر سے متاثر ہے، تحریک کا مقصد سیکولرازم کا راستہ روکنا اور اسلامی اقتصاد کا قیام ہے۔ تحریک تصادم سے بچتے ہوئے اسلامی نظام کے لئے سیاسی راستے سے کوششوں کی حامی ہے۔ ڈاکٹر راشد غنوشی نے 1969م میں اس تحریک کی بنیاد رکھی، وہ ہی اس کے مؤسس ہیں۔ صدر بورقیبہ نے اس ملک سے اسلامی قوانین کا خاتمہ کیا، اوقاف کو ختم کیا، دینی پابندی لگائی اور مغربی تہذیب کو ترویج دی جس کے نتیجہ میں تحریک وجود میں آئی۔ گزشتہ عرب انقلابات میں تونس کی حکومت ختم ہوئی، صدر زین العابدین فرار ہوئے اور راشد الغنوشی نے اقتدار سنبھالا، لیکن راشد الغنوشی نے شراب پینے پر پابندی لگانے سے انکار کیا اور حجاب کو عورت کا ذاتی معاملہ قرار دیا۔ اسی طرح یہ تحریک اسلام سے کافی دور ہو گئی۔[12] حزب النھضہ کا وجود صرف تونس تک محدود ہے۔

۷۔حزب السلامہ الوطنی (ترکی)/رفاہ اسلامی (نیا نام)

حزب السلامہ الوطنی ایک اسلامی جماعت ہے جو ترکی میں نظام حیات کو دوبارہ اسلامی بنانے کے کوشاں ہے۔ حزب نے اپنے اہداف کو حاصل کرنے کے لئے سیاسی راستہ اختیار کیا ہے۔ حزب، خلافت عثمانی کے زوال کے بعد ترکی میں سیکولرازم کا راستہ روکنے کے لئے کوشاں ہے، حزب کا نیا نام رفاہ اسلامی ہے۔ڈاکٹر نجم الدین اربکان نے

1972ء میں حزب السلامۃ کی بنیاد رکھی۔ حزب نے ترکی کو صلیبی اتحاد سے نکالنے اور امریکی اڈے ملک سے ختم کرنے کا مطالبہ کیا۔ 1972ء کے انتخابات میں حزب السلامہ نے 42 سیٹیں جیتیں اور نجم الدین اربکان نائب وزیراعظم بنے اور 8 وزراء کا تقرر حزب السلامہ کی جانب سے ہوا۔ حزب نے اسلامی نظام حیات کے دوبارہ اعادہ کے لئے کوششیں کیں۔ ان کوششوں کے نتیجہ میں حاجیوں کی تعداد سالانہ ڈیڑھ لاکھ تک پہنچی، علماء اور خطباء تیار کرنے کے لئے حزب کی جانب سے تین ہزار مدارس کھولے گئے۔ 1980ء میں فوج نے اقتدار پر قبضہ کیا اور نجم الدین اربکان اپنے 33 ساتھیوں سمیت فوجی عدالت میں پیش کیے گئے۔ 1985ء میں اربکان جیل سے نکلے اور 1986ء میں انہوں نے "حزب الرفاہ" کے نام سے کام شروع کر دیا۔ 1996ء میں حزب الرفاہ نے انتخابات میں 22 فیصد ووٹ حاصل کیے اور اربکان وزیراعظم بنے لیکن سیکولر عناصر کو یہ بات پسند نہ آئی اور عدالت نے ان کی تنظیم تحلیل کرنے کا حکم جاری کیا۔ 2003ء میں اسلامی عناصر نے جسٹس اینڈ ڈیولپمنٹ " تحریک عدل و ترقی " قائم کی اور رجب طیب اردگان کو سربراہ مقرر کیا، اس وقت سے تاحال (2020ء) رجب طیب اردگان سربراہ حکومت چلے آرہے ہیں۔ یہ جماعت بہت آہستگی کے ساتھ اسلامی نظام کے لئے کوشاں ہے۔[13]

۸۔حزب اسلامی کردستانی (بارتیا اسلامیہ کو ردستانی باک)

حزب اسلامی کردستانی ایک سیاسی اسلامی جماعت ہے جو کردستانی علاقے اسلامی بنانا چاہتی ہے اور کردوں پر ہونے والے مظالم کے خاتمے اور ان کے حقوق کے لئے کوشاں ہے۔ کردستان کا علاقہ ترکی، ایران، عراق، شام اور سابق سویت یونین میں واقع ہے۔ کردوں کی اکثریت سنّی ہے۔ طوفانِ نوح علیہ السلام کے بعد یہ علاقہ انسانوں کا مرکز رہا، کردوں میں بڑے بڑے فاتحین اور علماء گزرے ہیں جن میں سلطان صلاح الدین ایوبی، امام ابن تیمیہ، حافظ ابنِ حجر اور امام ابن صلاح وغیرہ چند ایک ہیں۔ کردوں نے ترکی، ایران اور عراق میں کافی بغاوتیں کیں، اوجلان (جو کی اب ترکی میں قید ہیں) کی قیادت میں کردوں نے ترکی کے خلاف بہت بڑی مسلح تحریک لائی، اس تحریک کے کئی ٹی وی چینلز مختلف ممالک سے چلتے تھے۔ 11 ستمبر کو امریکہ پر ہونے والے حملوں کے بعد جب "دہشت گردی "کے خلاف امریکہ کی قیادت میں عالمی اتحاد بنا تو یہ مسلح تحریک ختم ہونے کے قریب ہوئی، اب کردوں نے امریکی حمایت سے مسلح فوج بنا کر کردستان کے عراقی علاقوں میں نیم خود مختار ریاست قائم کی ہے، جس کا مرکز اربیل ہے۔[14]

۹۔اسلامی قومی محاذ (سوڈان)

اسلامی قومی محاذ ایک تجدیدی اسلامی تحریک ہے جو اخوان المسلمون سے نکلی ہے، اس تنظیم نے سوڈان کے دوسرے اسلام پسند عناصر کو اپنے ساتھ ملا کر ایک اسلامی اتحاد تشکیل دیا ہے، اب یہ اخوان المسلمون کی فکر سے

کافی دور ہو چکی ہے۔ ڈاکٹر حسن ترابی (1932م) اس تحریک کے بانی ہیں، ان کی کئی آراء جمہور امت کے خلاف ہیں۔ اس تحریک نے عسکری انقلاب کی معاونت کی جس کے نتیجے میں صدر عمر بشیر کو اقتدار حاصل ہوا، بعد میں صدر عمر بشیر نے حسن ترابی کو جیل میں ڈال دیا۔ صدر عمر بشیر اسلامی نظام کے لئے کافی مخلص تھے لیکن مغربی دباؤ کے باعث ڈھیر ہو گئے۔ کچھ عرصہ قبل سوڈان دو ٹکڑے ہوا، ایک ٹکڑے پر صدر عمر بشیر اور دوسرے ٹکڑے پر عیسائیوں کی حکومت ہے۔[15]

۱۰۔ حماس (اسلامی مزاحمتی تحریک فلسطین)

حماس ایک اسلامی جہادی فلسطینی تنظیم ہے، یہ غزہ میں قائم ہوئی، پھر مقبوضہ فلسطین میں پھیلی، یہ بھی اخوان المسلمون کی ایک شاخ ہے۔ شیخ احمد یاسین شہید اس کے ابتدائی مؤسس ہیں، انہوں نے یہ تنظیم 1987ء میں قائم ہوئی۔ ان کی شہادت کے بعد اسرائیل نے پے در پے حماس کی قیادت کو نشانہ بنایا اور اس کے رہنماء کو شہید کیا۔ اب اسماعیل ھنیہ حماس کے سربراہ ہیں۔ حماس فلسطین کو تمام مسلمانوں کے لئے وقف سرزمین سمجھتی ہے اور فلسطین میں یہودیوں کے خلاف جہاد تمام امت مسلمہ پر فرض عین سمجھتی ہے۔ حماس چونکہ اخوان کی شاخ ہے، اس لیے یہ جمہوری سیاست پر بھی یقین رکھتی ہے۔ مسجد ابن تیمیہ جو کہ عالمی سلفی جہادی تحریک کا مرکز تھی اس پر حماس کے عسکری ونگ نے آپریشن کیا، جس کے نتیجہ میں کثیر تعداد میں عالمی جہادی تحریک کے ارکان شہید ہوئے۔ اس آپریشن کے نتیجہ میں حماس اور عالمی سلفی جہادی تحریک میں اختلافات زیادہ ہوئے۔ حماس نے ہمیشہ ڈٹ کر مقابلہ کیا اور متعدد اسرائیلیوں کو فوجی آپریشنز میں ہلاک کیا۔[16]

۱۱۔ اسلامی محاذ برائے بچاؤ (جبهة الانقاذ) الجزائر

اسلامی محاذ برائے بچاؤ ایک سلفی اسلامی تحریک ہے جو اسلام کی طرف دوبارہ لوٹنے کی داعی ہے اور اسلام کو الجزائر کے مختلف بحرانوں کا واحد حل سمجھتی ہے۔ 132 سالہ فرانسیسی استعماری قبضے کے بعد رونما ہونے والے مغربی اثرات کو ختم کرنے کے لئے کوشاں ہے۔ شیخ علی بلحاج (1956م) اور شیخ عباس مدنی (1931م) اس تحریک کے اہم راہنماؤں میں سے ہیں۔ 1991ء کے ملکی انتخابات میں اس تنظیم نے بڑے پیمانے پر کامیابی حاصل کی جس کے بعد فوجی انقلاب کے ذریعے اسلام پسندوں کو اقتدار سے دور رکھا گیا اور بڑے پیمانے پر گرفتاریاں ہوئیں۔

ان مظالم کے نتیجہ میں ملک بھر میں حکومت کے خلاف مسلح تحریک شروع ہوئی۔ یہ تحریک کافی کامیابی سے جاری تھی کہ انٹیلی جنس ایجنسیوں نے تحریک میں اپنے ہرکارے داخل کیے اور معمولی باتوں پر تکفیر اور عامۃ المسلمین کا قتل شروع ہوا، جس کے نتیجے میں یہ تحریک ناکام ہو گئی۔[17]

۱۲۔ حزب التحریر

حزب التحریر ایک اسلامی، سیاسی جماعت ہے جو اسلامی خلافت کے قیام کی داعی ہے۔ اس جماعت کے نزدیک پہلے لوگوں میں فکری انقلاب برپا کیا جائے گا، اس کے بعد خود بخود سیاسی انقلاب برپا ہوگا۔ اس جماعت کی کچھ آراء جمہور امت کے خلاف ہیں۔ شیخ تقی الدین نبہانی فلسطینی (1326-1397ھ/1908-1977م) نے اس جماعت کی بنیاد رکھی۔ ان کی وفات کے بعد عبدالقدیم زلوم نے حزب کی سربراہی سنبھالی۔ حزب محض فکری کشمکش سے اسلامی نظام لانا چاہتی ہے حالانکہ یہ دعوات کے امتحانات وابتلاءات کے سلسلے میں سنت اللہ کے خلاف ہے۔ حزب صرف فکری اور سیاسی پہلوؤں کو اہمیت دیتی ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اسلامی ریاست کے قیام تک معطل رکھنے کا نظریہ رکھتی ہے۔ حزب عذاب قبر اور دجال کی آمد کا انکار کرتی ہے اور اجنبی عورت کا بوسہ لینا جائز سمجھتی ہے۔[18] ابتداء میں حزب کی سرگرمیاں اردن، شام اور لبنان تک محدود تھیں، بعد میں دیگر اسلامی ملکوں اور آخر میں یورپ اور جرمنی وغیرہ میں پھیلیں، حزب تمام ملکوں کو ولایت سے تعبیر کرتی ہے۔

۱۳۔ جماعت اسلامی (مصر)

جماعت اسلامی مصر جہاد کو اسلامی خلافت کے قیام کا واحد راستہ سمجھتی ہے۔ جماعت اسلامی باقی جہادی تحریکات سے مندرجہ ذیل امور مختلف ہیں:

1. جماعت اسلامی صرف کفری نظام قائم کرنے والے حاکم کو کافر سمجھتی ہے، باقی نظام کے افراد پر یہ حکم لاگو نہیں کرتی۔
2. جماعت اسلامی اسیر کی امارت کو جائز سمجھتی ہے۔
3. جماعت اسلامی شوریٰ کی اکثریتی رائے کو امیر پر لازم سمجھتی ہے چنانچہ ان عقائد کی بناء پر جماعت کے اسیر قائدین کے ذریعے مصری حکومت نے جماعت کے عسکری ونگ کو غیر فعال کیا ان پر یکطرفہ جنگ بندی نافذ کردی۔

جماعت اسلامی مصر کے بانی امیر ڈاکٹر عمر عبد الرحمٰن ہیں جن پر امریکہ میں دو سال قید لاگو کی گئی تھی اور 2017ء میں امریکی جیل میں ان کا انتقال ہوا۔ 6 اکتوبر 1981ء کو فوج میں موجود جماعت کے اراکین نے خالد احمد اسلام بولی کی قیادت میں ایک عسکری پریڈ کے دوران مصری صدر انور سادات کو قتل کیا۔ جماعت اسلامی کے عسکری ونگ نے کئی وزراء اور سیکولر افراد کو موت کے گھات اتارا۔[19]

۱۴۔ تحریک انقلاب اسلامی ایران (1979ء)

انقلابِ اسلامی ایران یا انقلابِ ایران کی اصطلاح 1979ء میں ایران میں آنے والے اسلامی انقلاب کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ اس انقلاب کی قیادت ایرانی مذہبی رہنما آیت اللہ روح اللہ خمینیؒ نے کی۔ اس انقلاب کے نتیجہ

میں ایران میں محمد رضا شاہ پہلوی کی بادشاہت کا خاتمہ ہوا اور اسلامی جمہوریہ ایران وجود میں آیا۔ جس کے پہلے سپریم لیڈر آیت اللہ خمینی بنے۔ یہ اسلامی انقلاب دنیا بھر میں ایک ایسا نظام ایجاد کرنے کی کوشش میں ہے جس کی بنیاد مذہب پر ہے۔ آیت اللہ العظمیٰ امام روح اللہ موسوی خمینی 20 جمادی الثانی 1320ھ بمطابق 24 ستمبر 1902ء کو تہران سے تین سو کلومیٹر دور خمین میں پیدا ہوئے۔ آپ رحمہ اللہ نے ایران اور عراق میں دینی علوم کی تکمیل کی۔ 1953ء میں محمد رضا شاہ پہلوی کے حامی جرنیلوں نے قوم پرست وزیراعظم محمد مصدق کی حکومت کا تختہ الٹ کر "تودہ پارٹی" کے ہزاروں ارکان کو تہ تیغ کر دیا تو ایرانی علماء نے درپردہ شاہ ایران کے خلاف مہم جاری رکھی اور چند سال بعد آیت اللہ خمینی ایرانی سیاست کے افق پر ایک عظیم رہنما کی حیثیت سے ابھرے۔ آپ کے خاندان نے کشمیر سے ایران ہجرت کی اور خاندان کی نسبت سید علی ہمدانی سے ملتی ہے۔

یہ بات مشہور ہے کہ عموماً فلسفی حضرات کی زندگی سوائے ان کی سوانح حیات لکھنے والوں کے علاوہ کسی کے لئے اتنی دلچسپ نہیں ہوتی بلکہ جو چیز لوگوں کے لئے ان کی زندگی کے بعد یادگار کے طور پر رہ جاتی ہے وہ ان کی تالیفات ہوتی ہیں۔ مگر امام خمینی رحمتہ اللہ جنہیں بعد میں ایران کے لوگوں نے مختصر طور پر امام کے پرکشش نام سے نوازا ہے، اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں۔ ان کی شخصیت اور زندگی تاریخ اسلام اور تشیع کے اہم ترین موڑ یعنی انقلاب کی آئینہ دار ہے جو پندرہویں صدی ہجری کے شروع سالوں میں استبداد گری کے سرد اور تاریک ماحول سے نکل کر اسلامی حکومت کے وسیع اور روشن ماحول کی صورت میں وجود میں آیا۔[20] آیت اللہ خمینی المعروف امام خمینی دنیا کو اسلامی نظریہ حیات کو اپنانے کی تاکید کرتے تھے اور اسے صرف جہان اسلام کے لئے مخصوص خیال نہیں کرتے تھے۔ آپ نے مغربی طور طریقوں اور مغربی طرز زندگی کی نفی کی اور اس فکر کو انسان کی نجات کے لئے ناکافی جانا۔ اسی دوران مسلمانوں میں سے بہت سے مفکرین کے نزدیک اس طرح کے نظریات کو اتنی اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ گذشتہ پانچ یا چھ صدیوں میں امام خمینی رحمہ اللہ وہ واحد رہبر ہیں جنہوں نے نہ صرف انقلاب کے متعلق نظریاتی تھیوری بیان کی اور اس کو عملی جامعہ بھی پہنایا۔ بلکہ تاریخ میں ایسے کم ہی لوگ ملتے ہیں جو یہ بھی لکھیں کہ کیسے اور کیونکر انقلاب لایا جائے اور پھر خود میدان عمل میں شامل ہو کر اپنی کہی باتوں کو سچ کر دکھائیں۔

حقیقت میں نظر و عمل کا جوڑ اسلامی انقلاب کو لانے میں امام خمینیؒ کی کامیابی کے اہم دلائل ہیں۔ مطلوبہ معاشرے میں تحریک پیدا کرنے کے لئے دین سے رہنمائی حاصل کرنا امام خمینیؒ اور اسلامی انقلاب کے اسلامی بیداری کی تحریکوں پر اہم ترین اثرات ہیں جبکہ اس سے قبل یہ تحریکیں لبرالیزم اور کمیونزم کے غبار سے آلودہ تھی۔ بہت ہی کم لوگ ایسے تھے جو انقلاب لانے کے لئے دین پر یقین رکھتے تھے۔ امام خمینیؒ کی رہنمائی نے مسلمانوں میں بیداری کی لہر پیدا ہوئی اور ان پر یہ واضح ہو گیا کہ اصل قدرت اللہ تعالی کی ذات ہے اور اس کی مدد اور اس کے بتائے ہوئے

اصولوں پر عمل کرکے انسان اپنے دنیاوی حقوق کو بھی حاصل کر سکتا ہے۔ امام خمینیؒ نے تمام جہان اسلام اور کمزور اقوام پر یہ واضح کر دیا کہ مشروعیت، مقبولیت، سادہ زندگی، انسانوں کی نجات، ثقافتوں کی نجات اور نظر و عمل کی ترکیب سازی صرف اور صرف دین الٰہی کے راستے پر چلنے سے ہی ممکن ہے۔ وہ دین جو تمام جہان کے لئے جامعہ ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت امام خمینیؒ اور ایران کے اسلامی انقلاب نے بڑے اچھے انداز میں رہتی دنیا کو یہ پیغام دیا ہے کہ نجات کا واحد راستہ اسلام کے اصولوں پر عمل پیرا ہو کر ممکن ہے اور یہ وہ راز ہے جو مسلکی لحاظ سے گمراہ اور تھکی ہوئی دنیا کو بیدار کرنے کے لئے کافی ہے۔[21] انقلاب اسلامی ایران کی دیگر اہم شخصیات میں مرتضیٰ مطہری، محمد حسین بہشتی، ہاشمی رفسنجانی، حسن لاہوتی اشکواری، امام خمینیؒ کے فرزند احمد خمینی، صادق قطب زادے، ابوالحسن بنی صدر اور صادق طباطبائی اور موجودہ سپریم لیڈر سید علی خامنہ قابل ذکر ہیں۔

ویسے باقاعدہ طور پر اس کا وجود اسلامی جمہوریہ ایران میں ہی پایا جاتا تھا، مگر فکری طور پر اس کا اثر ورسوخ عراق، پاکستان، شام، فلسطین، اردن، لبنان سمیت امریکہ، یورپ، عرب ممالک اور جنوب مشرق ایشیائی ممالک میں بھی موجود ہے۔

۱۴۔حزب اللہ (1985ء)

لبنان میں "حزب اللہ" شیعہ مسلمانوں کی ایک انتہائی طاقتور سیاسی اور فوجی تنظیم خیال کی جاتی ہے۔ ایران کی پشت پناہی سے انیس سو اسی میں تشکیل پانے والی اس جماعت نے لبنان سے اسرائیلی فوجی دستوں کے انخلاء کے لیے جدوجہد کی۔ عباس موسوی حزب اللہ کے بانیوں میں سے تھے۔ 1992ء میں اسرائیلیوں کے ہاتھوں حزب اللہ کے رہنما عباس موسوی کی شہادت کے بعد سید حسن نصر اللہ کو تنظیم کا نیا لیڈر منتخب کر لیا گیا۔ اس وقت ان کی عمر بتیس برس تھی۔ نعیم قاسم اس تحریک کے ڈپٹی سیکرٹری جنرل ہیں۔ اس تنظیم کو مئی 2000ء میں اپنے اس مقصد میں کامیابی حاصل ہوئی۔ لبنان پر اسرائیلی قبضے کے بعد علما کے ایک چھوٹے سے گروہ سے ابھرنے والی اس تنظیم کے اوائلی مقاصد میں اسرائیل کے خلاف مزاحمت اور لبنان سے غیر ملکی فوجوں کا انخلاء تھا۔ اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ لبنان کی کثیر المذہبی ریاست کی جگہ ایرانی طرز کی اسلامی ریاست بنائی جائے مگر بعد میں اسے یہ خیال ترک کرنا پڑا۔ ایران کی طرف سے حزب اللہ کو ایک طویل عرصے تک مالی اور عسکری مدد فراہم کی جاتی رہی ہے۔ لبنان میں شیعہ اکثریت میں ہیں اور یہ تحریک لبنان میں بسنے والے شیعہ فرقے کی نمائندگی کرتی ہے۔ لبنان سے اسرائیلی فوجی دستوں کے انخلاء سے اس تنظیم نے عام لوگوں کے دلوں میں جگہ بنا لی۔ اب لبنان کی پارلیمان میں اس جماعت کے امیدواروں کو واضح اکثریت حاصل ہے۔ اس کے ساتھ ہی سماجی، معاشرتی اور

طبّی خدمات کے حوالے سے اس تنظیم نے لوگوں میں مقبولیت حاصل کر لی ہے۔ جماعت کا اپنا ٹی وی سٹیشن "المینار" کے نام سے قائم ہے۔[22]

۱۵۔ القاعدہ

اسامہ بن لادن کی القائدہ تنظیم کی سرگرمیاں دنیا کے تقریباً پانچ براعظموں تک پھیلی ہوئی ہیں۔ امریکی جریدے دی ٹائمنز کی رپورٹ کے مطابق القائدہ نیٹ ورک کی عالمی پیمانے پر سرگرمیوں میں ملوث ہونے کا پہلی بار اس وقت پتہ چلا جب اٹلی کی پولیس نے ٹیلیفون پر ہونے والی ایک مشکوک گفتگو ٹیپ کی جس میں مخاطب کہہ رہا تھا: "تم جانتے ہو کہ القائدہ الجزائر سے فلپائن تک ہی نہیں بلکہ دنیا کے ہر کونے میں موجود ہے۔"[23] اس فون کے بعد اس شخص کو دہشت گردی کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ یہ تیونس کا باشندہ سمیع بن خماس نکلا۔ امریکہ میں اس ضمن میں ایک ہزار ایک سو اکتالیس لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان میں سے دس لوگ ایسے تھے جن کو 11 ستمبر کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پینٹا گون پر حملے کرنے والے، ہوائی جہازوں کو ہائی جیک کرنے والوں کے متعلق معلومات حاصل تھیں۔

سوویت یونین کے خلاف جنگ جیتنے کے لئے سی آئی اے اور آئی ایس آئی نے دنیا بھر سے مجاہدین بھرتی کیے جنہیں پاکستان لا کر سرحد کے قریب کسی کیمپ میں تربیت دی اور جہاد میں حصہ لینے بھیج دیا جاتا۔ 1982ء سے 1992ء تک مشرقی وسطی شمالی اور مشرقی افریقہ، وسطی ایشیاء اور مشرق بعید کے 43 ممالک سے 35000 سے زیادہ مسلم انتہا پسند افغان مجاہدین سے آملے اور سیکڑوں نے مدرسوں میں داخلہ لے لیا۔ باآخر ایک لاکھ سے زائد مسلمان انتہا پسندوں کا پاکستان اور افغانستان سے براہ راست رابطہ قائم ہو گیا۔ ان نوجوانوں میں ایک نوجوان سعودی طالب علم اسامہ بن لادن بھی تھا، وہ تعمیرات کے کام کرنے والے ایک ارب پتی محمد بن لادن کا بیٹا تھا۔ اس کا والد شاہ فیصل کے قریبی دوستوں میں سے تھے، ان کی کمپنی مکہ معظّمہ میں اور مدینہ منورہ میں توسیع وآرائش کے ٹھیکوں میں بڑی دولت کمائی۔

اسامہ 1957ء میں پیدا ہوا۔ اپنے یمنی باپ کی 57 اولادوں میں سے سترواں نمبر تھا، ان کی ماں سعودی تھی اور باپ نے کئی شادیاں کر رکھی تھیں۔ اسامہ نے شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ میں بزنس اینڈ ایڈ منسٹریشن میں ماسٹر ڈگری کے لئے داخلہ لیا، لیکن جلد ہی اسلامک سٹڈیز کی طرف منتقل ہو گئے۔ ان کے والد نے افغان جہاد کی حمایت کی اور مالی امداد بھی کی۔ 1980ء میں افغان جنگ میں پہلے پشاور آئے اور مجاہدین کے لیڈروں سے ملے۔ وہ اکثر سعودی عرب جاتے اور عطیات لاتے رہے۔ 1982ء میں انہوں نے پشاور ہی میں بس جانے کا فیصلہ کیا۔ وہ اپنی کمپنی کے انجینئروں اور بھاری مشینوں مع سازوسامان مجاہدین افغانستان کے لئے سڑکیں اور ڈپو تعمیر کرنے لگے۔ پہاڑوں میں تربیتی مراکز اور خوست کاٹنل کمپلیکس تعمیر کرنے میں مدد کی۔ 1990ء میں

مجاہدین کے اختلافات سے بددل ہو کر دوبارہ سعودی عرب چلے گئے۔ 1992ء میں کویت کی جنگ کے بعد جب 20 ہزار امریکی سعودی عرب میں مقیم رہے تو اسامہ بن لادن کی تنقید بڑھ گئی۔ امسال شہزادہ نائب سے ملاقات ہوئی، انہوں نے شہزادہ کو اسلام کا غدار کہاجس کی شہزادہ نے شاہ فیصل سے شکایت کی۔ جس پر اسامہ سوڈان چلے گئے، جہاں سوڈانی لیڈر حسن ترابی کی قیادت میں اسلامی انقلاب کی تیاری ہو رہی تھی۔ 1994 میں شاہی خاندان پر مسلسل تنقید اور اختلافات کی بدولت اسامہ سے سعودی شہریت چھین لی گئی۔

سوڈان میں اپنی دولت اور رابطوں کی بناء پر وہ افغان جنگ کے ساتھیوں کو اکٹھا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ امریکہ اور سعودی عرب نے سوڈان پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا کہ بن لادن کو یہاں سے چلے جانے کا حکم دے دیں۔ مئی 1996ء میں اسامہ بن لادن اپنے درجنوں مجاہدین اور خاندان کے ساتھ واپس افغانستان آ گئے۔ امسال ہی انہوں نے امریکیوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا۔ 23 فروری 1998ء کو خوست کیمپ میں القائدہ سے وابستہ عام گروپوں نے بین الاقوامی اسلامی فرنٹ کی جانب سے ایک منشور جاری کیا۔24 ویسے باقاعدہ طور پر اس کا وجود افغانستان، سوڈان اور چند ایک افریقی ملک میں ہی پایا جاتا تھا، مگر خفیہ طور پر اس کا اثر ورسوخ امریکہ، یورپ، عرب ممالک اور جنوب مشرق ایشیائی ممالک میں بھی موجود رہا ہے۔

نظام خلافت / شریعت کے نفاذ کے لئے دیگر تحریکیں

1. **شبیبہ تحریک (1963ء)**: مراکش میں شیخ عبدالکریم کی قیادت میں بادشاہ حسن ثانی کے خلاف اٹھنے والی تحریک۔
2. **تنظیم الجہاد (1965ء)**: سید قطب شہید کے ساتھ جمال عبدالناصر کے خلاف جہادی کوشش۔
3. **جہادی تحریک (1965ء)**: شام میں بعثی حکومت کے خلاف شیخ مروان حدید رحمہ اللہ کی جہادی تحریک۔
4. **افغان مجاہدین**: سویت یونین قبضے سے قبل اشتراکی نظام کے خلاف جہاد۔
5. **طلیعہ تنظیم (EKINGILAR)**: ترکی میں داخلی جنگ کے دوران طلیعہ تنظیم کا تجربہ (1972ء)۔
6. **اسلامی ریاست تحریک (1973ء)**: الجزائر میں شیخ مصطفیٰ بویعلی شہید کی اسلامی ریاست تحریک۔
7. **جہادی تحریک (1975-1982ء)**: شیخ مروان حدید کے شاگردوں کی قیادت میں شامی حکومت کے خلاف جہادی تحریک۔
8. **تنظیم الجہاد (1981-1997ء)**: تنظیم الجہاد اور جماعت اسلامی مصر کی انور سادات اور حسنی مبارک کے خلاف جہادی تحریک۔
9. **لیبیا جہادی تحریک (1986ء)**: قذافی حکومت کے خلاف لیبیا میں جہادی تحریک۔

10. اتجاہ اسلامی تونس (1986ء): اتجاہ اسلامی تونس کی فوجی انقلاب کے لئے محدود کاوش۔

11. تاجکستان (1992ء) میں اشتراکی حکومت کے خلاف جہادی کوشش۔

12. سعودی عرب (1964ء) میں محدود جہادی کاوش۔

13. لیبیا میں (1994-1996ء) میں جہادی کاوشیں اور جماعت مقاتلہ کا تجربہ۔

14. تحریک نفاذ شریعتِ محمدی (1996ء): تحریک نفاذ شریعت محمدی صوبہ سرحد/KPK پاکستان۔

15. مغرب اقصیٰ (1996ء) میں جہادی جماعتیں بنانے کی کوششیں۔

16. تحریک اسلامی ازبکستان (1998ء): ازبکستان میں کریموف کے خلاف جہادی کوششیں۔

17. عدن ابین (1999ء): یمن جیش میں عدن ابین کی جہادی کاوش۔

18. لبنان (2000ء) کے پہاڑی علاقے میں جہادی کوشش۔

19. تحریک طالبان پاکستان (2007-2017ء)۔

موجودہ اسلامی سیاسی تحریکیں

ہر زمانے کا ایک مزاج ہوتا ہے اور جب تک اصلاح و تجدید کا کام قوم وملت کے مزاج کے مطابق نہ ہو گا وہ کامیاب نہیں ہوسکے گا۔ اس وقت ملت اسلامیہ کے اصلاح و تجدید کے گروپوں میں سب سے زیادہ مقبول طریقہ جمہوری نظام میں شامل ہو کر اپنی بات منوانے کا ہے۔ کیونکہ جدید دنیا میں جمہوری ادارے ہی قوت کا اصل سرچشمہ ہیں۔ سیاسی تحریکیں فی زمانہ ہر ملک میں موجود ہیں اور حکومت وقت میں شامل ہو کر یا حکومت سے باہر رہ کر اسلامی احیاء کی کوششیں کر رہی ہیں، جس کی مثال: الجزائر کی اسلامک سلویشن فرنٹ، بنگلہ دیش اور پاکستان میں جماعت اسلامی وغیرہ ہیں۔

ا۔ ترکی میں سیکولر جمہوریت اور اسلامی سیاسی جمہوریت

اتاترک نے اسلامی اصلاحات کا آغاز ترکی کو ایک جمہوریہ قرار دے کر کیا۔ اس ضمن میں انہوں نے خلافت کا نظام ہی ختم کر دیا اور ترکی جمہوریہ کے آئین سے اسلامی ریاست کی دفعہ نکال کر ملک کو سیکولر یا لادین جمہوریہ قرار دے دیا۔ قوم کو مغرب میں ضم کر دینے کے لئے مسلسل اصلاحات نافذ کیں۔ خانقاہوں کو بند کر دیا گیا اور مغرب کے دیوانی اور فوجداری قوانین پر مشتمل ضابطے بنائے گئے۔ تعداد ازدواج کو ختم کر دیا گیا اور پردے کو خلاف قانون قرار دے دیا گیا۔ مسلمانوں کی فتوحات اور مساجد کو عجائب گھر بنا دیا، شادی اور طلاق کے قوانین تبدیل کر دیے گئے۔ ہیٹ کو لازمی، برقع ممنوع، اسلامی کیلنڈر کی جگہ یورپی کیلنڈر، عربی رسم الخط کی جگہ لاطینی رسم الخط رائج کیا گیا۔ اس لادینیت کے خلاف جو اتحاد بنے ان میں "ملت پارتی" پہلے قدم پر تھی، جس نے باقاعدہ منشور

تیار کیا اور اپنے اخبار "ملت" میں لادینی نظام کے خاتمے کی باتیں کیں۔ جس سے حکومت چونک اٹھی اور اس دوران میں نئی جماعت کی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی گئی اور روزنامچہ بند کر دیا گیا۔ اسلامی پارٹی نے اپنا اجلاس منعقد کیا، جس کا نام "ڈیمو کریٹک پارٹی" تھا۔[25]

۲۔ڈیموکریٹک پارٹی

1946ء میں جلال بایار نے اس پارٹی کی بنیاد رکھی اور یہ جلد عوام میں مقبول ہو گئی۔ یہ پارٹی حکومت کی غلط پالیسیوں پر تنقید اور نکتہ چینی کرنے لگی۔ چونکہ اس سے پہلے تمام سیاسی پارٹیوں پر پابندی تھی لہٰذا یہ جلد ہر دل عزیز ہوں گی۔ جلال بایار کے مقاصد یہ تھے کہ عہد کمالیت میں دینیت اور لامذہبیت کا دور شروع ہوا تھا، اس کا سدّباب کیا جائے اور لوگوں کو اسلام کے راستے پر گامزن کیا جائے تاکہ بیرونی دنیا جان لے کہ ترک مغربی تہذیب کے سیلاب میں بہہ کر اسلام کو بالکل ہی ترک کر چکے ہیں۔

1950ء میں جب قومی انتخابات ہوئے تو نوزائیدہ ڈیموکریٹک پارٹی معجزانہ طور پر بھاری اکثریت سے کامیاب ہو گئی۔ ڈیموکریٹک پارٹی کے دس سالہ دور حکومت میں اگرچہ صدارت کے عہدے پر جلال بایار فائز رہے لیکن اس دور حکومت کے اصل روح رواں وزیر اعظم عدنان مندریس تھے۔[26]

دیگر تحریکیں/جماعتیں

- **اسلامک سلویشن فرنٹ** (الجبہۃ الاسلامیۃ للانقاذ): یہ الجزائر کی ایک سخت ترین عقیدے کی سلفی مذہبی و سیاسی تحریک ہے۔
- **عرب قومیت:** یہ ایک متعصب فکری، سیاسی تحریک ہے جو عربوں کی تعظیم کی داعی ہے۔
- **حزب الوفد مصر:** یہ ایک عوامی سیاسی جماعت ہے، جس کا کوئی واضح متعین دینی نقطہ نظر نہیں ہے۔
- **آزادی نسواں تحریک:** یہ تحریک ایک سیکولر تحریک ہے جو مصر میں قائم ہوئی اور پورے عالم اسلام میں پھیلی۔
- **کردستانی جمہوری پارٹی:** یہ ایک نسلی، سیکولر اور اشتراکی پارٹی ہے، جس کا مقصد ایرانی، عراقی اور ترکی کردستان میں ایک متحدہ کردی حکومت کا قیام ہے۔
- **شامی قومی پارٹی:** یہ تحریک/جماعت شامی قومیت اور دین کو ریاست سے جدا کرنے کی داعی ہے۔
- **بانتشاسیلا:** یہ تحریک انڈونیشیا میں اسلامی عقیدہ کی بجائے مخصوص پانچ اصولوں کے تحت نظام حکومت چلانے کے لئے معرض وجود میں آئی۔

- **بعثی اشتراکی پارٹی:** یہ ایک قوم پرست اور سیکولر پارٹی ہے جو تمام عرب و اسلامی اقدار کو اشتراکیت کا لبادہ اوڑھنا چاہتی ہے۔
- **ناصریہ:** یہ ایک عرب قوم پرست تحریک ہے جو سابق مصری صدر جمال عبدالناصر کے دور حکومت میں قائم ہوئی۔
- **تحریک جہاد اسلامی در فلسطین:** ایک فلسطینی اسلام پسند تنظیم ہے جس کا قیام سنہ 1981ء میں ہوا، اس تنظیم کے پیش نظر یہ مقصد ہے کہ ریاست اسرائیل ختم کرکے ایک آزاد و خود مختار فلسطینی اسلامی ریاست قائم کی جائے۔
- **جماعت اسلامی:** جماعت اسلامی نصف صدی سے زائد عرصہ سے پاکستان اور بنگلہ دیش سمیت دنیا بھر کی عالمی اسلامی تحریکوں میں شمار کی جاتی ہے۔ [27]

مسلمان اور جدید تحدیات

"ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۔" (41:30)

ترجمہ: "خشکی وتری میں فساد ہو گیا ہے۔ لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے تاکہ مزا چکھائے ان کو ان کے بعض اعمال کا، شاید کہ وہ باز آ جائیں۔"

اسلام اللہ کی ہدایت کا نام ہے۔ بلاشبہ مسلمان وہ ہے جو اسلام قبول کرے۔ اپنی زندگی اللہ کی بندگی میں دے اور اسے ان مقاصد کے لئے وقف کرے، جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے انسانی زندگی کے لئے مقرر کیے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان اسلام کے طابع ہیں، اسلام مسلمانوں کے طابع نہیں۔ اسلام کوئی نسلی مذہب نہیں ہے اور نہ ہی اس پر مسلمانوں کی اجارہ داری ہے۔ فقہاء نے کبھی اس کو دارالسلام، و دارالامن اور دارالکفر کی جو اصلاحات وضع کی تھیں وہ آج نئی حکمت عملی کی متقاضی ہیں۔ اسلام کا پیغام ایمان وامن ہے، جو سارے معاملات کی بنیاد ہے۔ اس وقت مسلم امہ کی یہ صورتحال ہے کہ مختلف وجوہ سے مغربی اقوام کے ہاتھوں سیاسی شکست نے اس کو اس مقام تک پہنچادیا ہے۔

اسلام کی اکائی جغرافیائی نہیں ہے۔ لہٰذا احیائے اسلام ایک عالم گیر لہر ہے، جو ایک فطری تہذیبی عمل ہے، جسے فکری اور تاریخی پس منظر میں ہی سمجھا جانا چاہیے۔ آج احیائے اسلام محض چند مخصوص معاصرانہ چیلنجوں پر مسلمانوں کے رد عمل دونوں کے تناظر میں دیکھا جانا چاہیے۔ سب سے پہلے ہمیں دو پہلوؤں پر غور کرنا چاہیے: ایک داخلی پہلو اور دوسرے خارجی۔

تاریخی پس منظر

بہت زیادہ گہرائی میں جانے کی بجائے احیائے اسلام کی حالیہ تاریخ کو دو مراحل میں بانٹا جاسکتا ہے۔

۱۔نوآبادیاتی　　　۲۔بعداز نوآبادتی

نوآبادیاتی دور

جب ہمارا مغرب سے آمنا سامنا ہوا تو ہم عالمی منظر سے پسپا ہو جانے کی وجہ سے برابر کے مقابلے پر نہیں تھے۔ 19 ویں صدی کے اختتام تک تقریباً کل مسلم دنیا سوائے چار غیر اہم مسلم ممالک کے نوآبادیاتی حکمرانوں کے زیر نگیں آگئی تھی۔ اس دور میں شکست خوردہ مسلمانوں کے لئے اسلام ہی محور تھا جس کے گرد جمع ہو کر مسلم ممالک پر حملوں، مغرب کی مداخلت اور نوآبادیات کے خلاف مزاحمت کی گئی۔ یہ اسلام ہی کا دیا ہوا سیاسی آزادی، قومی شناخت اور عزت ووقار کا احساس تھا، جس کی وجہ سے سامراجی حکمرانوں کے خلاف مسلسل مزاحمت جاری رکھی جاسکی۔[28]

بعد از نوآبادیاتی دور

بعداز نوآبادیاتی دور میں نوآبادیت کے ورثے اور معاشرے کی تشکیل نو کے چیلنج کا مقابلہ کرنے والی بڑی قوتوں میں اسلام بھی تھا۔ایک ایک کرکے مسلمان ممالک کو سامراجیت سے نجات ملی لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا یہ آزادی مسلمانوں کی کاوشوں کا نتیجہ تھی یا کچھ اور عوامل کارفرما تھے۔ البتہ امت مسلمہ بدترین زوال کی کیفیت سے نکل آئی اور جدوجہد آزادی کے ساتھ ہی جگہ جگہ غلبہ اسلام کی تحریکیں بھی ابھر آئیں، جو اسلامی احیاء کے ساتھ نوآبادیت کے ورثے اور معاشرے کی تشکیل نو کا چیلنج بھی ساتھ لائیں۔ اس کی وجہ مسلمانوں میں پیدا ہونے والی یہ تحریکیں تھیں۔

ماضی قریب کے واقعات میں ایک واقعہ وسطی ایشیا کا بھی ہے جہاں اشتراکیت کا زوال امت مسلمہ کی کوششوں کا نتیجہ نہ تھا۔ ورنہ آج بھی اگر اشتراکیت سرد جنگ سے شکست نہ کھاتی تو مسلمانوں کی حالت زار قابل بیان ہوتی۔ آج مسلم امہ بدترین زوال کے مرحلے سے تو نکل آئی ہے، دور محکومی کی مایوسی بہت زیادہ تھی جس میں سوچ کا عمومی رخ مغربی تہذیب میں جذب ہونے کی طرف تھا۔ ترکی نے اس کا ثبوت بھی دے دیا، لیکن آزادی کے بعد صورتحال قومی اور ملی تشخص کی بحالی کی صورت کو اختیار کرنے کی بجائے مغربی غلبہَ اسلام کے لئے کوششیں نہ ہوئی ہوں۔ پاکستان، افغانستان، ترکی، شام، لیبیا، فلسطین، الجزائر، سوڈان، ملائیشیا، انڈونیشیا اور کشمیر تمام علاقے اسلامی تحریکوں کے نام سے پہچانے جانے لگے۔

نیا عالمی نظام

نئے عالمی نظام "نیو ورلڈ آرڈر" کی حسین تصویر کے پیچھے اس کے اصل خدوخال بھی کوئی ڈھکے چھپے نہیں۔

- دنیا کے تمام ممالک کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ امریکہ دنیا کی واحد عالمی طاقت ہے، امریکہ کا یہ ہدف ہوگا کہ وہ اپنے اس مقام کو برقرار رکھ سکے۔
- اب کسی ملک کو خصوصاً کسی مسلمان ملک کو یہ موقع نہیں ملنا چاہیے کہ وہ بالاتر سیاسی قوت کی حیثیت سے ابھرے۔
- پوری دنیا میں احیائے اسلام کی تحریکوں کی مخالفت کی جائے گی۔

بظاہر وقت کا دھارا جس رخ بہہ رہا ہے، اسے دیکھ کر یہ کہنے میں کوئی تعجب نہیں کہ آنے والی اکیسویں صدی کا نام امریکی صدی رکھا جارہا ہے۔ اس وقت کرہ ارضی پر ایک ایک ہمہ پہلو کش مکش برپا ہے۔ جہاں اسلام کو اپنی بقاء کے لئے اندرونی مخالف قوتوں کا سامنا ہے، وہاں آج کے استعمار جو محض سفید فام اقوام یا عیسائیت و یہودیت کے پیروکاروں سے ہی نہیں بلکہ اس میں آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور متعدد ایشیائی، افریقی اقوام اور ان کے مغرب زدہ طبقے کی مخالفت کا بھی سامنا ہے۔ [29]

مسلمان پہلا نشانہ کیوں۔۔؟

امریکیوں کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اسلام اور دوسری طرف کنفیوشس سولائزیشن دونوں کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ چین جو مادی قوت کے طور پر ابھر رہا ہے، دوسری طرف اسلام نظریاتی قوت سے مالا مال ہے اور تیل کی بے پناہ دولت بھی موجود ہے، ان کا اگر کسی نقطہ پر اتحاد ہو جاتا ہے تو پھر امریکہ اور اس کے اتحادی خصوصاً اسرائیل کے لئے مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ مستقبل میں وجود میں آنے سے پہلے ہی اس کو توڑ دینا چاہتے ہیں۔ [30]
تہذیبوں کے تصادم کا نظریہ آنے کے بعد امریکہ میں انتظامی عہدوں پر قابض یہودیوں نے ایک ایسی فضا قائم کر دی، جس کے تحت وہ اسلام اور مسلمانوں کو فوری خطرہ قرار دیتے ہیں۔ مسلمانوں کے خلاف اپنے اہداف آج سے بہت پہلے مقرر کر چکے ہیں۔ چونکہ بنیادی ہدف عالم اسلام کو قرار دیا گیا ہے، مسلمانوں میں بھی نماز، روزہ اور دیگر عبادات سے ان کو کوئی خطرہ نہیں ان کو کوئی اپنا دشمن نظر آتا ہے تو وہ جہاد کی تحریکیں ہیں یا وہ اسلامی تحریکیں جو حکومت سے برسرپیکار ہیں۔

نائن الیون کا منصوبہ

نائن الیون کے بارے میں شکوک شبہات، چبھتے سوالات، ٹھوس سائنسی حقائق اور اصولوں پر اشکالات بھی یہ ثابت کر رہے ہیں کہ نائن الیون کے پیچھے دراصل امریکہ اور اسرائیل کی خفیہ ایجنسیوں کا ہی کردار تھا۔ دونوں ممالک کی قیادت ہی اس کی بنی فیکٹری ہے یعنی اس سے فائدہ اٹھارہی ہے اور اپنے کے حصول کے لئے اسے استعمال کر رہی ہے۔

اس نقطہ ہائے نظر کو سازشی نظریے کی حیثیت اور پراپیگنڈے کی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے اہل علم و فکر کی ساری سرگوشیوں پر امریکہ کی انتظامیہ اور میڈیا کا وژن بری طرح سے چھایا رہاہے۔ مگر دسمبر 2007ء میں ایک بیان ایسا آیا جس نے یورپ کے حلقوں میں ہلچل مچادی۔ اس کے باوجود کہ امریکہ میں اسے بالکل ہی دبا دیا گیا اور مسلم دنیا میں اسے اہمیت نہیں ملی حالانکہ اس بیان سے عالمی سطح پر ایک نئی بیداری کی ضرورت سامنے آئی۔

مسلمانوں کی سیاسی کمزوری اور آمریت کا سامنا

اسلام دین وسیاست میں کسی تفریق کا روادار نہیں وہ اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کے قانون کے تابع کرنا چاہتا ہے اور اس مقصد کے لئے سیاست کو بھی اسلامی اصولوں پر مرتب کرتا ہے اور ریاست کو اسلام کے قیام اور اس کے استحکام کے لئے استعمال کرتا ہے۔

"وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا۔" (80:17)

ترجمہ: "اور کہہ (اے نبی دعا کرو) اے میرے رب مجھے خوبی کے ساتھ پہنچادے اور مجھے خوبی کے ساتھ نکال لے اور میرے لیے اپنی طرف سے غلبہ دے جس کے ساتھ نصرت ہو۔"

یہ آیت مبارکہ ہجرت سے کچھ پہلے نازل ہوئی۔ اس میں کہا گیا ہے کہ اے اللہ یا تو مجھے خود اقتدار دے یا کسی حکومت کو میرا مددگار بنادے تاکہ اس طاقت سے میں دنیا کے بگاڑ کو درست کر سکوں، برائیوں کے سیلاب کو روک سکوں۔ اس کی عملی تعبیر کے لئے اسلام نے مسلمانوں کو اقتدار میں رہنے اور اقتدار کا محاسبہ کرنے کی پوری آزادی دی ہے۔[31]

موجودہ حالات میں اسلامی ممالک میں اسلامی نظام کے قائم ہونے میں جو چیز حائل ہے، وہ سیاسی نظام میں آمرانہ طرزِ عمل ہے۔ فرد واحد کی حکومت کرپشن اور بدعنوانی کمزور سیاسی جماعتیں اور ان کا غیر جمہوری طرز عمل روپے پیسے کی سیاست اور اخلاقیات سے عاری سیاست سمیت موروثی سیاست کا مضبوط تصور موجود ہے۔ اسلامی تحریکوں کے اندر مضبوطی اور معاشرے میں اس کا نتیجہ خیز کردار نظر نہ آنے کی وجہ یہ غیر سیاسی حکومتیں و قبائلی طرز سیاست اور آمرانہ سیاست ہے۔

اسلامی سیاسی نظام سیکولر نہیں ہو سکتا

جدید دور کے حوالے سے اسلامی تحریکوں کا ایک بنیادی موقف یہ ہے کہ بیسویں صدی میں اسلامی سیاسی نظام کے بغیر اسلام پر مکمل عمل نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے اسلامی احیاء کا خصوصاً اس کے شدت پسند عناصر کا ایک اہم نصب العین سیاسی حکومت کا قیام ہے۔ عرب دنیا کی موجودہ حکومتوں کے حوالے سے دیکھا جائے تو اسلامی احیاء نے ایسا نظریاتی موقف اختیار کیا ہے جو موجودہ معاشی، سیاسی اور سماجی حالت کو تسلیم نہیں کرتا اور اسی لیے اسلامی احیاتی تحریک کو ریاست مخالف نظریہ قرار دیا جاتا ہے۔

"اس حقیقت نے کہ معاصر ریاست سیکولرازم کی دعویدار ہے۔ سیاسی احتجاج کی بعض قوتوں کو یہ موقع فراہم کیا ہے کہ وہ اسلام کو اپنے ہتھیار کے طور پر استعمال کریں کیونکہ ریاست اسلام کی دعویدار نہیں ہے۔ اس لیے وہ ماضی کی ریاستوں کی طرح مخالفوں کو کافر قرار نہیں دے سکتی۔ اسلامی سیاسی تحریکوں نے اب بالکل الٹ صورتحال پیدا کر دی ہے اور اب وہ اصل اور حقیقی اسلام کی دعوے دار ہیں اور ریاست کو اپنے اسلام کا جواز ثابت کرنے کی مشکل ہے۔[32]

مغربی تہذیب و ثقافت کا خطرہ

تہذیب کس چیز کو کہتے ہیں؟ لوگ سمجھتے ہیں کسی قوم کی تہذیب اس کے علوم وآداب، فنون لطیفہ، صنائع و بدائع، اطوار معاشرت، انداز تمدن اور طرز سیاست کو کہتے ہیں، حقیقت میں یہ نفس تہذیب نہیں ہیں۔

بلکہ مذکورہ بالا عناصر تہذیب کے نتائج و مظاہر ہیں، تہذیب کی اصل نہیں ہیں، شجر تہذیب کے برگ و بار ہیں۔ کسی تہذیب کی قدر و قیمت ان ظاہری صورتوں اور نمائشی ملبوسات کی بنیاد پر متعین نہیں کی جا سکتی بلکہ سب کو چھوڑ کر ہمیں اس کی روح تک پہنچنا چاہیے اور اس کے اساس کا تجسّس کرنا چاہیے۔

تہذیب جس چیز کا نام ہے اس کی تکوین حسب ذیل پانچ عناصر سے ہوتی ہے:

- دینوی زندگی کا تصور
- زندگی کا نصب العین
- اسلامی عقائد و فکر
- تربیت اولاد
- انتظام اجتماعی

دنیا کی تہذیب ان پانچ عناصر سے بنی ہے۔ عہد حاضر میں ثقافت کی جس تعریف کو زیادہ شہرت حاصل ہے۔ وہ ای بی ٹائلر کی ہے۔ وہ ثقافت کو ایک مرکب متصور کرتا ہے کیسا مرکب اس کی تشریح اس نے یوں کی ہے:

"وہ مرکب جس میں علم، عقیدہ فن، اخلاق، رسم اور دوسری تمام صلاحیتیں اور عادات شامل ہوں۔ اس کا اکتساب انسان بحثیت رکن معاشرے کے کرتا ہو۔"[33]

چنانچہ مغربی فکر کے حوالے سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ یہ جبلی بلکہ انسانی کردار کا نظام ہے۔ بالفاظ دیگر کردار سے جو کچھ ابھر کر سامنے آتا ہے، وہی ثقافت ہے۔

حاصل کلام

اسلامی تحریک کا سرمایہ اس کے وہ باکردار افراد ہی ہو سکتے ہیں جو قرآن وسنت کی دعوت اور تبدیلی واصلاح کے طریق کار کو اختیار کریں اور وقت کی قید سے آزاد ہو کر تطہیر افکار، تعمیر سیرت اور معاشرتی عدل رائج کر سکیں۔ اسلامی تعلیمات بھی یہی مطالبہ کرتی ہیں کہ وہ ان صادق اور امین نمایندوں کو منتخب کریں جو شریعت کی بالادستی اور امت میں اسلامی عدل اور معیشت کے نظام کو رائج کر سکیں۔

اجتماعی اور سیاسی جدوجہد کے دوران مختلف درجوں کی سرگرمیاں اپنی جگہ، لیکن تبدیلی اور کش مکش کے عمل کو نتیجہ خیز بنانے اور پائدار اصلاح کے لئے سب سے زیادہ ضروری چیز وہ مسلسل تعلیمی وتربیتی عمل ہے، جس میں قرآن کریم کا براہِ راست مطالعہ، سیرت النبی ﷺ سے براہِ راست تعلق، عبادات اور حقوق العباد کا شدت کے ساتھ اہتمام، انفاق فی سبیل اللہ اور اپنے اصولوں پر سختی سے جم جانا شامل ہے۔ اگر معاشرے میں اخلاق باختگی ہے تو اس کے خلاف کھڑا ہونا، اگر معاشی استحصال ہے تو اس کے خلاف صف آرا ہونا، اگر عدل وانصاف نہیں ہو رہا تو اس کے قیام کی جدوجہد کرنا، راتوں کو اللہ کے حضور کھڑے ہو کر مدد طلب کرنا، دن میں رزق حلال کے حصول کی کوشش اور زندگی کے ہر لمحے کو صرف دعوت الی اللہ کے لئے استعمال کرنا شرطِ اوّل ہے۔ تحریک اسلامی کی بنیادی ذمہ داری ایسے افراد کی تیاری ہے جو ذاتی مفاد کے بندے نہ ہوں بلکہ صرف اور صرف خالق حقیقی کے بندے بن کر اس کے حقوق کو ادا کریں اور خلق خدا کے حقوق کے تحفظ میں ذمہ دارانہ کردار ادا کر سکیں۔ ان افراد کی تیاری کے بغیر جو تبدیلی بھی آئے گی وہ وقتی اور جزوی ہو گی۔ دعوتِ دین ایک ہمہ جہت اور نہ ختم ہونے والی جدوجہد کا نام ہے۔ اس کا ہر محاذ اہم اور ہر محاذ دوسرے سے مربوط اور اس کی معاونت کا محتاج ہے۔ جسے مسلسل خونِ جگر سے سینچنے ہی سے عصر حاضر میں تحاریک اسلامی اپنی منزل سے ہم کنار ہو سکتی ہیں۔

*****

حوالہ جات

1۔ سید قاسم، محمود، شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا (لاہور، الفیصل ناشران و تاجران، 2001ء)، 204۔

2۔ عبیداللہ، فہد فلاحی، تاریخ دعوت و جہاد (کراچی، فضلی سنز، 2000ء)، 17۔

3۔ مسعود عالم، ندوی، روداد جماعت اسلامی (دہلی، مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند، 1967ء)، 88۔

4۔ سید ابوالحسن علی، ندوی، حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت (لاہور، ادارۃ الحرم، 2009ء)، 12۔

5۔ مسلم، ابوالحسین مسلم بن الحجاج، الصحیح المسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون النھی عن المنکر ۔۔(بیروت، دارالاحیاء التروث العربی، 1401ھ)، ح: 177۔

6۔ ندوی، حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت، 13۔

7۔ شیخ عثمان بن عبداللہ بن، بشر الحنبلی، عنوان المجد فی تاریخ نجد (الریاض، طبۃ وزارۃ المعارف بالمملکۃ العربیۃ، 1387ھ)، 2-25۔

8۔ نوراکینہ، قاضی، مولانا وہاب اور وہابی تحریک (لاہور، ادارہ مطبوعات سبحانی، 2004ء)، 10۔

9۔ ناصر عبدالکریم، العقل، مباحث فی عقیدۃ اھل السنۃ والجماعۃ و موقف الحرکات الاسلامیۃ المعاصرۃ منھا (الریاض، دارالوطن للنشتر، 1412ھ)، مقدمہ۔

10۔ حسن، البنا، مبادی و اصول فی موتمرات خاصۃ، الموسسۃ الاسلامیۃ (قاہرہ، مطبعۃ الاخوان المسلمین، 1980ء/١٤٠٠ھ)، 21-23۔

11۔ خلیل احمد، الحامدی، دستور الجماعۃ الاسلامیۃ باکستان (المنصورہ (لاہور، منشورات، 1982ء)، 7-10۔

12۔ "مجلّہ الاصلاح العدد: 113و114"، 01-06-1981

http://alislahmag.com

13۔ "مجلۃ الشباب البیروتیۃ"، العدد اسادس، السنعۃ، 1975ء

http://dspace.univ-km.dz/xmlui/bitstream/handle

14."The Kurdish lands". Library of Congress, Washington, D.C. 20540 USA. Retrieved 6 November 2019.

15.RESEARCH OF ISLAMIST MOVEMENTS (PRISM). Retrieved 28 April 2015, visited on 22/03/2020.

16۔۔ "مجلۃ الدعوۃ السعودیۃ"، 13-10-1409ھ

17۔ "مجلۃ المجتمع" 26-06-1990

https://mugtama.com/

18۔ الشیخ، عبدالرحمٰن، حزب التحریر۔

https://ur.wikipedia.org/wiki visited on 25-03-2020

19۔ عمر، عبدالرحمٰن، کلمہ حق

https://hawzah.net/fa/Magazine/Visited on 11-02-2020

20۔احمد جان،بزرگی،*امام خمینی کا سیاسی نظریہ* (اسلام آباد، نورالہدیٰ ٹرسٹ، 2011ء)،20-21۔

21.https://urdu.tebyan.net/index.aspx?pid=59234 Visited on 22-04-2020

22۔ نعیم، قاسم، *حزب اللہ The Inside Story*، مترجم: محمد یحییٰ خان (لاہور، نگارشات پبلشرز، 2018ء)ء مقدمہ 6-15۔

23۔ چودھری، زاہد محمود، *افغانستان پر امریکہ کا قبضہ* (لاہور، یو پبلشرز، 2014ء)،95۔

24 ۔زاہد محمود، *افغانستان پر امریکہ کا قبضہ*،95۔

25۔بشیر احمد، تمنا، *جدید دنیائے اسلام* (لاہور، ایور نیو بک پیلس، 2016ء)،84۔

26۔بشیر احمد، *جدید دنیائے اسلام*،84۔

27۔ مفتی انور خان، سالار، *دور حاضر کے مذاہب کو فرقے* (کراچی، المنہل پبلشرز، 1438ھ)،164-175۔

28۔پروفیسر خورشید، احمد، تحریک اسلامی اور ترجیحات و تقاضے، *ماہنامہ ترجمان القرآن*، جلد21، شمارہ3، (2010ء):3۔

29۔ خرم، مراد، *مغرب اور عالم اسلام، ایک مطالعہ* (منصورہ لاہور، منشورات، 2006ء)، 312۔

30۔ سیف اللہ، خالد، *اب امریکہ کی باری ہے* (لاہور، علم و عرفان پبلشرز، 2003ء)، 26-27۔

31۔ پروفیسر خورشید، احمد، *اسلامی نظریہ حیات* (اسلام آباد، آئی پی ایس پریس، 2010ء)، 469۔

32۔ پروفیسر خورشید، احمد، *احیائے اسلام* (اسلام آباد، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز، س ن)، 19۔

33۔ سبط، حسن، *پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء* (کراچی، مکتبہ دانیال، 1983ء)، مقدمہ، 6۔

Bibliography

1) Abu al-Husyn, Muslim b. al-Hajjaj, Sahi al-Muslim, Beirut: Dar al-Ihya al-Turath al-Arabi, 1401/
2) Ahmad, Prof. Khursheed, Ahya-ye Islam, Islamabad: Institute of Policy Studies, nd.
3) Ahmad, Prof. Khursheed, Islami Nazriya-ye Hayat, Islamabad: APS Press, 2010.
4) Ahmad, Prof. Khursheed, Tehrik-e Islami aur Tarjihāt wa Taqazey, Monthly Tarjaman al-Quran 21, no. 3 (2010).
5) Al-Hamdi, Khalīl Ahmad, Dastūr al-Jama'ah al-Islamiyyah Bakistan, Lahore: Manshurāt, 1982.
6) Bashr al-Hambali, Shaykh Uthman b. Abdullah b., Anwān al-Majd fi Tarikh al-Najd, Riyadh: Wizarat al Maā'rif bi al-Mamlakah al-Arabiyyah, 1387/
7) Buzurgi, Ahmad Jan, Imam Khomeini ka Siyasi Nazriya, Islamabad: Noor al-Huda Trust, 2011.
8) Fahad Falahi, Ubaydullah, Tatikh-e Dawat wa Jihad, Karachi: Fazli Sons, 2000.
9) Hasan, al-Bana, Mabadi wa Usūl fi Mu'tamarāt Khassah, Cairo: Mutba'ah al-Ikhwan al-Muslimīn, 1400/1980.
10) Hasan, Sibt, Pakistan may Tahzeeb ka Irtiqā, Karachi: Maktaba Daniyal 1983.
11) Khalid, Saifulllah, Ab America ki Bari hey, Lahore: Ilm wa Irfan Publishers, 2003.
12) Mahmood, Sayyed Qasim, Shahkār Islami Encyclopedia, Lahore: al-Faisal Nashiran wa Tajiran, 2001.

13) Majallah al-Shihāb al-Beirutiyah, al-Adad Sadis, 1975.
14) Murad, Khurram, Maghrib aur Alam-e Islam: Aik Mutala'ah, Lahore: Manshurāt, 2006.
15) Nadwi, Masu'd Alam, Rudād-e Jamaa't-e Islami, Dehli: Markazi Maktaba Jamaa't-e Islami Hind, 1967.
16) Nadwi, Sayyed Abu al-Hasan, Hazrat Maolana Ilyas aur un ki Dīni Dawat, Lahore: Idara al-Harum, 2009.
17) Nasir Abd al-Karim, al-Aql, Riyadh: Dar al-Watan li al-Nashr, 1412/
18) Qasim, Naei'm, Hizbollah: The Inside Story, Lahore: Nigarishat Publishers, 2018.
19) Qazi, Tawrakina, Maolana Wahhab aur Wahabi Tehrīk, Lahore: Idara Matboa't Subhani, 2004.
20) Salar, Mufti Anwar Khan, Dour-e Hazir key Mazahib wa Firqey, Karach: al-Munhil Publishers, 1438/
21) Tamanna, Bashir Ahmad, Jadīd Dunya-ye Islam, Lahore: Evernew Book Palace, 2016
22) "The Kurdish lands". Library of Congress, Washington, D.C. 20540 USA. Retrieved 6 November 2019.
23) Zahid Mahmood, Chaudary, Afghanistan par America ka Qabza, Lahore: U Publishers, 2014.

خدمت خلق، فلاح و نجات کا وسیلہ

(اسلامی نقطہ نظر سے ایک تجزیاتی مطالعہ)

SERVING HUMANITY: A SOURCE OF WELLBEING & SALVATION

(AN ANALYTICAL STUDY IN THE CONTEXT OF ISLAMIC PERSPECTIVES)

Muhammad Akram Hureri
Shazia Rasheed Abbasi

Abstract

To devote yourself for the fulfillment of the requirements of the needy, deprived, distressed, and powerless is called "serving humanity". It brings comfort and tranquility in the lives of humans. Islam encourages serving the humanity selflessly. In fact, helping people irrespective of their color, creed, religion, caste, race, and all other differences makes a man the best of his kind. According to the Prophet the best of the people is the one who benefits others. This paper investigates the role of social service in bringing about the contentment of souls and tranquility of hearts. It examines the issue from the viewpoint of Quranic verses and Prophetic traditions and how it helps to achieve success and divine blessings both in this world and the hereafter.

Keywords: *Social welfare, Islamic teachings, humanity, blissful life.*

خلاصہ

اپنے آپ کو ضرورت مند، پریشان حال، بے سہارا لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے وقف کر دینے کا نام "خدمت خلق" ہے۔ خدمت خلق انسان کی زندگی میں فلاح و نجات لاتی ہے۔ اسلام، انسانیت کی بے لوث خدمت کی ترغیب دیتا ہے۔ دراصل، لوگوں کے رنگ و نسل، ملت و مذہب اور زبان و کلچر سے ماوراء ہو کر ان کی خدمت کرنا ایک شخص کو سب سے برتر انسان بنا دیتا ہے۔ پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "لوگوں میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو دوسروں کے کام آتا ہے۔"

کلیدی کلمات: خدمت، خلق، سماجی فلاح و بہبود، اسلامی تعلیمات، انسانیت۔

تعارف

انسانیت کی خدمت اتنا عظیم عمل ہے کہ اس سے بڑھ کر شاید کوئی ثواب اور تسکین دہ عمل ہو۔ حضور اکرم ﷺ نے خدمت انسانیت کی بہت نصیحت فرمائی اور آپ ﷺ کے ارشادات اس کے متعلق کثرت سے کتب احادیث میں موجود ہیں۔خدمت خلق کا مطلب ہے کہ بندوں کی ضروریات پوری کرنا اور ان کے کام آنا اور خدمت پر مامور ہونا۔ اللہ تعالی اپنےان بندوں سے بہت خوش ہوتا ہے جو اس کے بندوں کا خیال رکھتے ہیں۔رسول اکرم ﷺ کاارشاد ہے کہ: "خیرُالنّاسِ مَن نَفَعَ النّاسَ "[1] یعنی: "لوگوں میں بہترین وہ ہے جو دوسروں کے کام آئے۔" اس طرح لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے بات کرنا اور ان کے بارے میں مثبت سوچ رکھنا، انسان کے عزت ووقار کو بلند کرنے کے ساتھ ساتھ ذہنی تسکین کا باعث اور سنت پہ عمل ہے۔ کیونکہ جب دوسروں کے ساتھ خوش کلامی سے بات کی جائے گی تو وہ بھی جوابا اچھے انداز میں بات چیت کریں گے جس سے ماحول سازگار ہو گا جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ: وَقُولُواْ لِلنَّاسِ حُسْناً۔ (83:2) ترجمہ: "لوگو سے اچھے طریقے سے گفتگو کرو۔" دنیامیں رہتے ہوئے انسان کو دوسرے انسان کا چند امور میں محتاج بنا دیا گیا ہے۔ ایک انسان کا دوسرے انسان کی اکٹھے رہتے ہوئے خوبیوں سے آگاہ ہونا اور اسی طرح اس کے لیے کسی چیز کے حصول کے لیے، فائدے کے لیے سفارش کرے کہ یہ حقدار ہے یا یہ اس چیز کا حق دار ہے، تو اللہ تعالی اس اچھائی اور بھلائی میں اپنے بھائی کے لئے مثبت سوچ کے حامل فاعل کے لیے بھی حصہ رکھ دیتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهُ نَصِيبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهُ كِفْلٌ مِّنْهَا (85:4) ترجمہ: "جو کسی کے لیے اچھائی کی سفارش کرے، اللہ اس شخص کے لیے بھی اچھائی سے حصہ بنا دیتے ہیں اور جو کوئی برے کام میں شفارش کرے گا وہ اسے کافی ہو جائے گی۔"

رسول اکرم ﷺ کا عمل یہ ہوتا تھا کہ: "آپ ہمیشہ دوسروں کے کام آتے تھے۔بلکہ آپ کی صفات میں ہے کہ آپ ضرورت مندوں اور بے کسوں کا سہارا ہوا کرتے تھے۔خدمت خلق کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے۔ جیسے کہ بڑھیا کے گھر میں جھاڑو دینا اور ان کے لیے ضروری سامان مہیا کرنا، سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا، حضرت خبابؓ جنگی مہم پر گئے تو گھر میں کوئی مددگار نہ تھا اور عورتیں دودھ دوہنے والے جانوروں کو دوہنا نہیں جانتی تھی۔ آپ ﷺ روزانہ خبابؓ کے گھر جا کر جانوروں کا دودھ دوہتے۔"[2] رسول معظم ﷺ مصیبت زدہ لوگوں کی ہمدردی کرتے بلکہ امت کو بھی اس کار خیر میں بڑھ چڑھ کر شامل ہونے کا درس دیا۔حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: "وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ

الْقِيَامَةِ"[3] یعنی: "جس نے کسی مسلمان کی دنیاوی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت دور کی اللہ تعالی اس کی اخروی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت کو دور کریں گے۔"

رسول کریم ﷺ کے اس فرمان کی رو سے ایک انسان کتنے بڑے فائدے میں ہے کہ اسے اپنے دینی بھائی کے دنیا کے دکھ دور کرنے، ان کے ساتھ ہمدردی رکھنے اور اس کے متعلق مثبت سوچ اپنانے کے بدلے آخرت میں پر سکون گھڑیاں ملیں۔ پھر دنیا میں بھی ایسے لوگوں کے لیے بھلائیوں کا خزانہ ہے۔ ضرب المثل مشہور ہے کہ: "کر بھلا ہو بھلا" (دوسروں کا بھلا کروگے تو اپنا بھلا ہوگا)۔ یعنی دوسروں کو سکون پہنچاؤگے تو آپ کو خود بھی سکون وآرام میسر ہوگا۔ دوسروں کے بارے میں اچھی اور مثبت سوچ رکھوگے تو وہ بھی آپ کے بارے میں مثبت احساسات اپنائیں گے۔ جس سے ماحول اور فضا سازگار ہوگی اور افراد حالت اطمینان محسوس کریں گے۔۔ اسی طرح دوسروں کے راز چھپانا بھی معاشرے اور انسانیت کی بڑی نیکی ہے۔ فرمان رسول ﷺ ہے: "وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"[4] یعنی: "جو کسی کے راز چھپائے گا، اللہ تعالی اس کے رازوں پر قیامت کے دن پردہ ڈالیں گے۔"

رسول اکرم ﷺ کا ایک اور فرمان بھی ہے جو بندہ مومن کے لیے بہت اطمینان بخش اہمیت کا حامل ہے کہ بندہ خدمت خلق میں دل جمعی سے لگا رہتا ہے۔ فرمایا: "مِن اَحَبِّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللهِ إِدْخَالُ السُّرُورِ عَلَى الْمُسْلِمِ"[5] یعنی: "اللہ تعالی کے نزدیک پسندیدہ عمل یہ ہے جو کسی کے گھر خوشی پہنچائے۔"

مسلمان کے حقوق

ایک مسلم کے دسرے مسلمان پر صرف مذہب اور عقیدے کے لحاظ سے جو حقوق ہیں وہ بھی رسول معظم نے ارشاد فرما دئے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ اس حدیث کے راوی ہیں، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھے حقوق ہیں: سلام کرنا، دعوت قبول کرنا، اچھا مشورہ دینا، چھینک کا جواب دینا، مریض کی عیادت کرنا اور جنازہ ادا کرنا۔" اب دیکھیں کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کو سلام کرے اور دوسرا اس کو سلام کرے تو کتنا اچھا ماحول بنتا ہے کہ ایک دوسرے کو سلامتی کی دعائیں مل رہی ہیں۔ باہمی تعلقات مضبوط کرنے کے لیے فرمایا کہ دعوت قبول کرو۔ اور رسول اللہ ﷺ کے اس عمل نے بڑوں بڑوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔ جیسے رسول اللہ ﷺ مدینہ میں ہجرت کرکے گئے تو فرمایا: "ایھا الناس، افشوا السلام وصلو ا الرحام و اطعموا الطعام وصلوا باالیل والناس نیام تدخلوا الجنۃ بسلام"[6] یعنی: "اے لوگو! سلام کو کثرت سے عام کرو، رشتہ داروں سے حسن سلوک سے پیش آؤ، ایک دوسروں کو کھانا کھلاؤ اور رات کو نمازیں ادا کرو جب لوگ سو رہے ہوں، تو جنت میں سلامتی سے داخل ہو جاؤگے۔" اس حدیث مبارکہ

میں چار چیزیں بیان کی گئی ہیں جن میں سے تین کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ اور ایک کا تعلق حقوق اللہ کے ساتھ ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے توراۃ کے حافظ تھے۔ جب یہ باتیں سنیں تو اسلام قبول کر لیا کہ انہیں ذہنی سکون و اطمینان مل گیا کہ یہی فطری دین ہے۔ مذکورہ بالا دونوں احادیث باہمی تعلقات مضبوط تر بنانے کے لئے ہیں اور جب باہمی تعلقات مضبوط اور ان میں ہمدردی ہو گی تو خود باخود انسان ذہنی طور مطمئن اور خوش ہوگا۔

خیر خواہی کرنا

ایک فرد کا دوسر فرد کی بھلائی چاہتے ہوئے کام آنا خیر خواہی ہے۔ اس کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ جس کا اندازہ نبی اکرم ﷺ کے فرمان سے لگایا جاسکتا ہے کہ: "الدّیْنُ النَّصِیحَہ"[7] یعنی: "دین خیر خواہی کا نام ہے۔" مسلمان کے جو حقوق بیان ہوئے ہیں ان میں سے ایک حق یہ تھا کہ اگر تم سے کوئی مشورہ طلب کرے تو خیر خواہی کے ساتھ مشورہ دیا جائے کہ اسے زیادہ سے زیادہ مادی فوائد مل سکیں اور اس مشورے پر عمل کرنے سے اسے ذہنی اطمینان اور سکون بھی مل سکے۔ خدمت خلق دراصل تمام تر خیر خواہی کا دوسرا نام ہے۔ جس کی مثال مہاجرین کی یثرب آمد پر اہل مدینہ کے انصار نے دی کہ اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی رضامندی کو حاصل کرنے کے لئے نہ صرف انہیں اپنا بھائی بھائی بنالیا بلکہ انہیں اپنی جائیدادوں میں بھی برابر کا حصہ دار بنالیا۔ جس سے مدینہ کی فضا ایسی خوش گوار ہو گئی کہ دور دور تک کا علاقہ امن و آشتی اور پُر سکون ماحول سے معطر ہو گیا۔

نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ: "اَلموْمنُ مرَأةُ الموُمنْ"[8] یعنی: "مومن دوسرے مومن کے لئے آئینہ ہے۔" اور مومن کو دوسرے مومن کے لئے آئینہ سے اس لئے تشبیہ دی کہ جس طرح آئینہ کسی کی خوبیوں خامیوں کو صرف اس آدمی کے سامنے ظاہر کرتا ہے جو اس کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اور خوامخواہ اِدھر اُدھر پر چار کر کے اس کی ذلّت کا اہتمام نہیں کرتا اس طرح مومن کا اپنے بھائی کے لئے کردار ہونا چاہیے۔ جب ایسی مثبت سوچ ہو گی تو نا صرف افراد بلکہ معاشروں کے معاشرے سکون دہ کیفیت میں آسکتے ہیں۔ فرمان باری تعالی ہے: إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔ (10:49) ترجمہ: "بلا شبہ مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں پس بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔" اس بھائی کے ساتھ خیر خواہی کا ایک فائدہ نبی کریم ﷺ نے یہ بتایا کہ: "منْ دلَّ عَلىٰ خیرٍ فَهُوَكَفَاعِلِه"[9] ترجمہ: "جس نے بھی اپنے مومن بھائی کے ساتھ کچھ بھلائی اور خیر خواہی کی اللہ تعالی اسے بھی اتنا اجر عطا کریں گے۔"

نقوش رسول نمبر میں ہے: "حضور ﷺ کی محنت اصلاح معاشرہ اور خدمت خلق کے سلسلہ میں ہمارے سامنے ہے۔اور حقیقت یہ ہے کہ انسانیت کی بھلائی بھی اسی میں ہے کہ زمام حیات رسول اللہ ﷺ کے طریقے پر گزاریں اور اطمینان بخش زندگی کو فروغ دیں۔یہ آپ ﷺ کی محنت تھی کہ معاشرے کے افراد کو عزت و شوکت عطا کی اور اس کی تہذیب و تمدن کو بالاترین مدارج پر جاگزیں کر دیا۔"[10] آپ ﷺ نے فرمایا: "عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: يَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا، وَبَشِّرُوا، وَلاَ تُنَفِّرُوا"[11] یعنی: "انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تم لوگوں کے لئے سہولت فراہم کرو اور مشکلات پیدا نہ کرو۔لوگوں کو اچھے کاموں کی بشارت دو اور ان کو وحشت زدہ نہ کرو (باہمی اتفاق سے رہو اور اختلاف پیدا نہ کرو۔"

جب ان تعلیمات نبوی ﷺ پر عمل ہو گا تو معاشرے میں امن کا بول بالا ہوگا۔جس میں ہر بندہ دوسرے کی خیر خواہی چاہے گا' ضروریات کا خیال رکھے گا' ان کو خوش دیکھے گا اور دوسروں کے بارے میں مثبت سوچ اپنائے گا تو نہ صرف وہ افراد خوش ہوں گے بلکہ ایسے لوگ دوسرے افراد اور معاشروں کے لئے بھی امن وسکوں اور تسکین ذہن کا باعث ہوں گے۔سنت رسول ﷺ کے مطابق عمل کرتے ہوئے دوسروں کے کام آئیں اور زندگی بسر کریں تو اللہ تعالی ان کے کام میں غیبی امداد سے سکون، اطمینان، 'فرحت و شادمانی اور سکینت نازل فرماتے ہیں۔

مہمان اور مسافر

مسافر کے لئے قرآن نے ابن السبیل۔النساء (36:4) کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔یعنی راستے کا بیٹا۔اللہ نے مصارف زکٰوۃ میں سے ایک حصہ مسافر کے لئے بھی رکھا۔یہی وجہ ہے کہ مصارف زکٰوۃ جو آٹھ بیان کئے گئے ہیں ان میں ایک یہ مسافر ہے۔ (60:9) رسول معظم ﷺ کے زمانے میں عرب شہر اور بستیاں ایک دوسرے سے بہت ہی دور ہوا کرتی تھیں اور آج کی طرح ہوٹلوں کا انتظام نہیں تھا۔لوگوں کا سفر کرنے کاانداز گروہ اور جماعتوں کی صورت میں ہوا کرتا تھا۔اونٹوں، گھوڑوں اور گدھوں پر سفر کرتے تھے اور زاد راہ ہمراہ ہوتا تھا۔جنگلوں اور بیابانوں سے گزرتے ہوئے راستہ بھولنے کے امکانات بہت زیادہ ہوتے تھے۔اس صورت میں زاد راہ ختم ہو جاتا تھا۔کیونکہ راستہ بھول جانے یا مسافت کا اندازہ غلط ہونے کی وجہ سے آٹھ دس دن کی بجائے بیس سے پچیس دنوں میں بھی منزل تک پہنچنے میں لگ جایا کرتے تھے۔ایسے سفر کے بارے میں ہمارے لئے کیا احکامات ہیں۔

اس سلسلہ میں فہم القرآن والے نے حضور ﷺ کی ایک حدیث ذکر فرمائی ہے: "عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْنَا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكَ تَبْعَثُنَا فَنَنْزِلُ بِقَوْمٍ لَا يَقْرُونَا فَمَا تَرَى فِيهِ فَقَالَ لَنَا إِنْ نَزَلْتُمْ بِقَوْمٍ فَأُمِرَ لَكُمْ بِمَا يَنْبَغِي لِلضَّيْفِ فَاقْبَلُوا فَإِنْ لَمْ يَفْعَلُوا فَخُذُوا مِنْهُمْ حَقَّ الضَّيْفِ"[12] یعنی: "حضرت عقبہ بن عامرؓ نے رسول اللہ

ﷺ سے سوال کیا، کہ آپ ہمیں کسی مہم پر روانہ کرتے ہیں اگر ہم ایسے لوگوں کے پاس سے گزریں جو ہماری مہمان نوازی کرنے کے لئے تیار نہ ہوں اس صورت میں آپ ﷺ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اگر لوگ تمہارا خیال رکھیں تو اچھی بات ہے بصورت دیگر تمہیں ان سے اپنی مہمان نوازی کا حق وصول کرنا چاہئے۔" مراد یہ ہے کہ بھوکا مرنے کی بجائے ان سے کھانا پینا مانگا جا سکتا ہے۔ یہاں امام بخاریؒ نے اس حدیث سے مسافر سے مراد مہمان لیا ہے یعنی جو مہمان کے حقوق ہیں وہی مسافر کے حقوق ہونگے ان کی خدمت اعانت کرنے سے قلبی سکون ملتا ہے۔ جس کے بارے میں بے شمار پیغمبر مصطفیٰ ﷺ کے ارشادات ہیں۔ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے بھی ابن السبیل سے مراد مسافر اور مہمان لیا ہے۔[13]

آنحضرت ﷺ نے پڑوسی / مہمان (مسافر) کے حقوق کی ادائیگی کو ایمان کی شرائط میں بیان فرمایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ"[14] یعنی: "جو اللہ تعالی اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو اپنے ہمسایہ سے اچھا سلوک کرنا چاہئے اور جو اللہ تعالی اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو اپنے مہمان کی خاطر تواضع کرنی چاہئے اور جو اللہ تعالی اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ زبان سے کلمہ خیر نکالے یا خاموش رہے۔" حضرت ابو شریح کعبیؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ جَائِزَتُهُ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ وَالضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ فَمَا بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَثْوِيَ عِنْدَهُ حَتَّى يُحْرِجَهُ"[15] یعنی: "جس کا اللہ اور روز آخرت پر ایمان ہو اس کو اپنے مہمان کی شبانہ روز ضیافت کرنی چاہئے اور مہمانی کا حق تین دن تک ہے اس کے بعد خیرات ہے۔ مہمان کے لئے جائز نہیں کہ میزبان کو تنگ کرنے کے لئے اس کے پاس پڑا ہی رہے۔" اب میزبان کے لئے قابل تسکین بات یہ ٹھہری کہ وہ مہمان پر جو بھی خرچ کرے گا اس کے لئے صدقہ شمار ہو گا اللہ اور آخرت پر ایمانی شرط بھی پوری ہو گی۔ مسافروں سے بہتر سلوک کرنے سے متعلقہ چند احادیث مزید پیش خدمت ہیں:

۱۔ حضرت ابو سعید خزریؓ کہتے ہیں: "بَيْنَمَا نَحْنُ فِي سَفَرٍ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ عَلَى رَاحِلَةٍ لَهُ قَالَ فَجَعَلَ يَصْرِفُ بَصَرَهُ يَمِينًا وَشِمَالًا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ مَعَهُ فَضْلُ ظَهْرٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لَا ظَهْرَ لَهُ وَمَنْ كَانَ لَهُ فَضْلٌ مِنْ زَادٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لَا زَادَ لَهُ قَالَ فَذَكَرَ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ مَا ذَكَرَ حَتَّى رَأَيْنَا أَنَّهُ لَا حَقَّ لِأَحَدٍ مِنَّا فِي فَضْلٍ"[16] یعنی: "ہم ایک سفر میں جا رہے تھے، اثنائے سفر میں آپ ﷺ نے ہمیں فرمایا "جس کے پاس فاضل سواری ہے وہ اسے دے دے، جس کے پاس سواری نہیں اور جس کے پاس زائد

کھانا ہو وہ اسے دے دے جس کے پاس کھانا نہیں، غرضیکہ آپ ﷺ نے مال کی ایک ایک قسم کا جدا جدا ذکر کیا۔ حتیٰ کہ ہم یہ سمجھنے لگے اپنے زائد مال میں ہمارا کوئی حق نہیں۔"

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے ایک شخص کو جو سفر پر روانہ ہو رہا تھا کہا کہ: میرے پاس آؤ۔ میں تمہیں ایسے ہی رخصت کروں جیسے رسول اللہ ﷺ ہمیں رخصت کیا کرتے تھے۔ پھر انہوں نے کہا: "أَسْتَوْدِعُ اللهَ دِينَكَ وَأَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيمَ عَمَلِكَ" [17] یعنی: "میں تمہیں تمہارا دین، تمہاری امانت اور آپ کے آخری عمل (جو تو نے میرے پاس کیا) کے ساتھ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ رَجُلٌ وَرَجُلٌ مَنَعَ فَضْلَ مَاءٍ" [18] یعنی: "تین آدمی ایسے ہیں جن کی طرف اللہ قیامت کے دن دیکھے گا بھی نہیں اور نہ ہی انہیں پاک کرے گا اور انہیں دردناک عذاب ہوگا ایک وہ جس کے پاس راستہ میں فاضل پانی ہو اور وہ مسافر کو بھی پانی نہ دے۔" اس روایت کی رو سے پانی جیسی نعمت مسافر کو نہ دینا گناہ کبیرہ قرار دیا ہے بلکہ فقہاء کے حوالے سے ایک مفسر نے لکھا ہے : "جس فعل کے متعلق قرآن یا حدیث میں یہ مذکور ہو کہ اللہ قیامت کے دن اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں یا پاک نہیں کرے گا تو ایسا فعل گناہ کبیرہ ہوتا ہے۔" [19]

زمانہ قدیم، عرب اور اس کے قرب و جوار میں بعثت نبوی ﷺ سے قبل اور بعد میں بھی اکثر یا کچھ علاقوں میں پانی کی بہت کمی ہوا کرتی تھی مسافروں کے لشکر عموماً وہاں قیام کیا کرتے تھے جہاں پانی ہوتا تھا اور عموماً قافلے والے پرندوں کی اڑان سے بھی اندازہ لگایا کرتے تھے کہ اس علاقے میں پانی موجود ہے جو پرندے اڑ رہے ہیں تو پانی کی قلّت کی موجودگی میں بستی اور شہر والوں کا مسافروں کی مہمانی سے انکار دراصل انہیں مار دینے کے مترادف ہوتا تھا۔ ایسی صورت میں جب مسافر کی جان پر آئی ہو اور اہلِ علاقہ اس کی مدد کرنے پر تیار نہ ہو تو اپنا حق مانگا جا سکتا ہے اسی وجہ سے حق وصول کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ جبکہ عبد الرحمٰن کیلانی تیسر القرآن میں منفرد اور دل کو لگنے والی توجیہ/تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "لیکن آج کل اور بالخصوص پاکستان میں ایسی صورت نہیں ہے۔ پانی عام ہے۔ بستیاں قریب قریب ہیں۔ کھانے پینے کی دکانیں اور ہوٹل بکثرت سے ہیں۔ لہٰذا اس طریقہ سے کسی کا جائز طریقے سے مہمانی وصول کرنے کا حق نہیں اور اب یہ صرف اس صورت میں جائز ہے کہ مسافر کے پاس زاد راہ ختم ہو جائے۔" [20]

نبی ﷺ کی سنت اور مہمان

آنحضرت ﷺ مہمان کی خوب خاطر تواضع فرمایا کرتے تھے؛ خود مہمان نوازی نہ فرما سکتے تو صحابہؓ کے ذمہ لگا دیتے۔ جیسا کہ مشہور واقعہ ہے۔ ایک دفعہ ایک مہمان آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کون اس کی مہمان نوازی کرے گا؟ حضرت

طلحہؓ نے حامی بھری کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! میں مہمان نوازی کرونگا۔ جب مہمان کو گھر لے کر گئے تو صرف ایک فرد کا کھانا تھا۔ حضرت طلحہؓ نے اپنی زوجہ محترمہ کو کہا کہ جب ہم کھانا کھانے لگیں آپ چراغ گُل کر دیں۔ اس طرح صحابی رسولؐ مہمان کے ساتھ خالی منہ ہلاتے رہے اور مہمان سمجھتا رہا کہ آپ بھی کھانا کھا رہے ہیں۔ صبح جب نبی ﷺ کو ملے تو آپ ﷺ نے فرمایا: طلحہؓ کیا خوب مہمان نوازی کی کہ اللہ کریم قرآن نازل فرما دیا: وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ (9:59) ترجمہ: "اور ان (نبی ﷺ کے صحابہؓ) میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے اوپر اللہ کی کے لئے دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور جو اپنے نفس کی خواہشات سے بچ گیا پس وہ ہی لوگ کامیاب ہیں۔" اب دیکھیں مہمان کی خاطر تواضع پر اللہ پاک نے کس طرح تعریف فرمائی اور اس وقت جیسے حضرت طلحہؓ خوش ہوئے ہونگے آج بھی مہمان کے حقوق ادا کرنے سے بندہ مسلم کو خوشی ہوگی۔ سبحان اللہ! ایسا انعام کہ اللہ مالک الملک نے خود بھی مدح سرائی فرمائی اور اپنے حبیب سے بھی کروائی تاکہ ہر مہمان نواز ہمیشہ مہمان نوازی کرتے ہوئے راحت اور تسکین محسوس کرے نہ کہ بوجھ اور تھکان۔

بیوہ/یتیم/مسکین کے ساتھ ہمدردی

بیوہ، یتامیٰ اور مساکین معاشرے کے ایسے افراد ہیں جو بہت زیادہ توجہ اور ہمدردی کے مستحق ہیں اور ان حضرات کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا اللہ تعالی کے ہاں اجر و ثواب کے ساتھ دنیا میں عزت و شرف کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ دین، دنیا اور آخرت کے لحاظ سے سرخرو ہونا اس کا مقدر بنتا ہے۔ دنیا میں رہتے ہوئے اپنے قرب وجوار میں مذکورہ افراد کے ساتھ ہمدردی، اعانت اور بھلائی کرتے ہوئے جو اطمینان، سکون کی کیفیت اسے ملتی ہے اس کا اندازہ اس کے لئے شاید بہت ہی مشکل ہے۔ جب اسے ان افراد کی طرف سے دلی دعائیں رب کبریا کے حضور ہاتھ اٹھائے ملتی ہیں کہ اے اللہ تعالی جس نے ہمیں سکون فرحت و شادمانی مہیا کرنے کا انتظام فرمایا تو ان کو اور انکے گھر والوں کو فرحت وانبساط اور سکون نصیب فرما اور اللہ تعالی اپنے بے کس بے سہارا بندوں کی التجاؤں کو ضرور سنتا ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ کریم فرماتے ہیں: وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ۔ (220:2) ترجمہ: "اور وہ آپ سے یتیموں کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ آپ فرمادیں کہ ان کی اصلاح کرنا بہتر ہے اور تم انہیں اپنے ساتھ ملالو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔"

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللهِ أَوْ الْقَائِمِ اللَّيْلَ الصَّائِمِ النَّهَارَ"[21] یعنی: "حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا بیوہ اور مسکین پر نگران اللہ کی راہ میں مجاہد کی طرح ہے یا رات کو قیام اور دن کو روزہ رکھنے والے کی

طرح ہے۔" اس طرح کا اجر وثواب اور دل کو تسلی وسکون واطمینان دینے والا انعام اور فضیلت کسی اور کام پر کم ہی ملے گا جو آنحضرت ﷺ نے بیوہ، یتیم اور مسکین کی خدمت انکے اخراجات کو برداشت کرنا اور ان کی دیکھ بھال کرنے پر دیا ہے۔ انسان کے لئے اس سے بڑھ کر پر سکون اور اطمینان والی بات کیا ہوگی کہ یتامیٰ و مسکین کے حقوق کی ادائیگی کی صورت میں اللہ کے راستے چلنے والے مجاہد کی طرح ہیں یا رات کو قیام کرنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے کی طرح ہیں۔

قرآن حکیم میں اللہ کریم فرماتے ہیں: وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۔ (2:220) ترجمہ: "اور وہ آپؐ سے یتیموں کے متعلق سوال کرتے ہیں آپؐ فرما دیں کہ ان کی اصلاح کرنا بہتر ہے اور اگر تم انہیں اپنے ساتھ ملا لو۔ وہ تمہارے بھائی ہیں اللہ تعالیٰ مصلح اور مفسد کو جانتا ہے اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا۔ یقینا اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔" اس آیت کریمہ میں یتیم کو بھائی سے تعبیر کرتے ہوئے اصلاح کرنے کی تلقین فرمائی ہے کہ جس طرح سگا بھائی دوسرے بھائی کی حفاظت، احتیاط، نگرانی اور تربیت کرنے میں خیر خواہی اپناتا ہے اسی طرح یتیم کے ساتھ بہتر رویہ رکھتے ہوئے اس کی نگرانی اور اصلاح فرماتا رہے۔ رسول کریم ﷺ نے حضرت ابو ذرؓ کو فرمایا: "يَا أَبَا ذَرٍّ إِنِّي أَرَاكَ ضَعِيفًا وَإِنِّي أُحِبُّ لَكَ مَا أُحِبُّ لِنَفْسِي لَا تَأَمَّرَنَّ عَلَى اثْنَيْنِ وَلَا تَوَلَّيَنَّ مَالَ يَتِيمٍ"[22] یعنی: "اے ابو ذرؓ! میں تجھے کمزور پاتا ہوں اور میں تمہارے لئے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں تم دو آدمیوں کے امیر نہ بننا اور نہ ہی یتیم کے مال کا والی بننا۔"

اسی طرح حضرت ابو ھریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "خَيْرُ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِينَ بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يُحْسَنُ إِلَيْهِ وَشَرُّ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِينَ بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يُسَاءُ إِلَيْهِ"[23] یعنی: "مسلمانوں میں بہترین گھرانہ وہ ہے جس میں یتیموں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو، مسلمانوں میں بدترین گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ بد سلوکی کے ساتھ پیش آیا جاتا ہو۔" اول الذکر حدیث مبارکہ کو دیکھا جائے تو آنحضرت ﷺ ہمیں ایک طرف خبردار فرما رہے ہیں کہ یتیموں کی کفالت ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے اس میں نہ پڑنا جبکہ دوسری طرف یتیموں کی کفالت میں حسن سلوک روا رکھنے والے گھرانے کو بہترین گھرانہ بھی قرار دیتے ہوئے سکون اور اطمینان کی کیفیت میں اعتدال بھی دیتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ حسن سلوک اور کفالت یتیم لازمی جز و لا ینفک ہے۔ رہا یہ کہ مفلسی ہے اور یتیم مالدار ہے اور مالدار یتیم کی کفالت / پرورش کرتے ہوئے اور اس کے مال کو سنبھالتے ہوئے وہ کیا انداز اپنا سکتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا أَجِدُ شَيْءًا وَلَيْسَ لِي مَالٌ وَلِي يَتِيمٌ لَهُ مَالٌ قَالَ كُلْ مِنْ مَالِ يَتِيمِكَ غَيْرَ مُسْرِفٍ وَلَا مُتَأَثِّلٍ مَالًا قَالَ وَأَحْسِبُهُ قَالَ وَلَا تَقِي مَالَكَ بِمَالِهِ"[24] یعنی: "نبی کریم ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا کہ میرے پاس کوئی مال نہیں البتہ میرے پاس ایک یتیم ہے جس کا مال بھی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنے یتیم کے مال سے فضول خرچی اور اپنے مال کے ساتھ نہ ملاتے ہوئے اس کے مال سے کھا لیا کر، راوی کہتے ہیں میرا خیال کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا اپنا مال اس کے مال کے ذریعے نہ بچانا۔" قرآن حکیم میں اللہ کریم فرماتے ہیں کہ: وَلاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَهُمْ إِلَى أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ حُوباً كَبِيراً۔ (2:4) ترجمہ: "اور ان کا (یتیم) کا مال اپنے مالکے ساتھ ملا کر مت کھاؤ بلا شبہ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔" یتیم کا مال کھانے کو گناہ کبیرہ بیان کیا گیا ہے۔ ایسا کرنے والا حلال کو حرام اور حرام کو حلال کے ساتھ ملانے والا ہے۔ اس سے پچھلے الفاظ میں اس انداز کو خبیث کے ساتھ تشبیہ دی تاکہ مزید نفرت دلائی جاسکے۔ اسکی تفسیر میں ایک مفسر بیان کرتے ہیں: "خبیث ناپاک اور گندی چیز کو کہتے ہیں لفظ خبیث استعمال کرنے کا مقصد یہ ہے کہ پاک ذہن اور باضمیر شخص یتیم کا مال کھانے کا تصور بھی نہ کرسکے۔"[25]

مولانا عبد الرحمٰن کیلانی نے یتیموں کی کفالت پر اپنی تفسیر میں لکھا ہے: "اللہ تعالی جل شانہ فرماتا ہے رسول ﷺ کو؛ جس طرح ہم نے تمہاری یتیمی کے دوران ہر مرحلہ پر تمہارا خیال رکھا اسی طرح تم بھی یتیموں سے بہترین سلوک کرو نہ انہیں دباؤ نہ ان پر سختی کرو، نہ انہیں بے یارومددگار چھوڑ دو، بلکہ ان کی ضرورتوں کا پورا پورا خیال رکھا کرو۔"[26] آپ ﷺ نے دوسرے مسلمانوں کو بھی یتیموں کی کفالت اور ان سے حسن سلوک کی ترغیب اور ذوق مہیا کرنے کے لئے ایک بہت قابل اطمینان اور یتیم کی کفالت کرنے والے کے لئے ذہنی سکون مہیا کرنے والی بات بیان فرمائی: "كَافِلُ الْيَتِيمِ لَهُ أَوْ لِغَيْرِهِ أَنَا وَهُوَ كَهَاتَيْنِ فِي الْجَنَّةِ وَأَشَارَ مَالِكٌ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى"[27] یعنی: "میں اور یتیم کا کفیل جنت میں اس طرح اکٹھے ہوں گے پھر آپ ﷺ نے اپنی شہادت کی اور دستی انگلی کی طرف اشارہ کیا اور انہیں تھوڑا سا کھول دیا۔"

مفسر کی پیش کردہ رسول کریم ﷺ کی اس روایت سے ہر قاری کو دلی اطمینان اور سکون نصیب ہوتا ہے اور یتیم کی کفالت کرنے والے کے لئے کہ یتیم کی کفالت اور جنت میں رسول کریم ﷺ کا ساتھ خوشی اور سعادت والی بات ہو جاتی ہے۔ اس رو سے جو لوگ یتامیٰ کی کفالت میں بے اعتنائی برتتے ہیں ان کے یہ بات قابل رشک بھی اور ترغیب حاصل کرتے ہوئے ذوق اور شوق سے یتامیٰ کی کفالت کی ذمہ داری اٹھانے کا جذبہ بھی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی صفات میں سے ایک صفت عظیم یہ بھی ہے کہ آپ بے سہارا، مساکین کا ساتھ دینے والے

عظیم انسان ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ پر پہلی وحی مبارک نازل ہوئی تو ام المومنین سیدہ خدیجہؓ نے آنحضرت ﷺ کو پریشانی سے نکالنے کے لئے اور ذہنی طور پر سکون اور حوصلہ دلانے کے لئے جو صفات آپ کی اس وقت شمار کروائی وہ مثالی حیثیت رکھنے کے ساتھ ساتھ ہمارے لئے بھی باعث تسکین ہیں۔ اگر ہم ان صفات پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں۔ام المومنینؓ نے فرمایا : "كَلَّا وَاللهِ لَا يُخْزِيكَ اللهُ أَبَدًا إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَصْدُقُ الْحَدِيثَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَقْرِى الضَّيْفَ وَتُعِينُ عَلَىٰ نَوَائِبِ الْحَقِّ "[28] ترجمہ: "اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی رسوا نہیں کریں گے کیونکہ آپ بے سہارا (مساکین) لوگوں کا بوجھ بر داشت کرنے والے ہیں، مہمانوں کی میز بانی اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والے ہیں۔ جو لوگ کما نہیں سکتے ان کے لئے کمانے والے یعنی (یتامیٰ، مساکین اور بیوگان کی کفالت کرنے والے) اور حق کا ساتھ دینے والے ہیں۔"

یعنی یہ صفات جب ہوں پھر پریشانی نہیں بلکہ سکون ملتا ہے۔ یتیم اگر صرف والد کی وجہ سے ہے اور اس کی ماں زندہ ہو تو اسلام اس سلسلے میں تلقین کرتا ہے کہ بیوہ عورت اگر رضا مند ہو اور نکاح ثانی کرنا چاہے تو اس کا نکاح کرا دینا چاہئے تاکہ معاشرے میں وہ قابل تسکین حالت میں زندہ رہنے کے قابل ہو سکے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ۔ (32:24) ترجمہ: "اور تم میں سے جو بیوہ عورتیں ہیں ان سے نکاح کر لو۔" لیکن اگر بیوہ عورت اپنی عصمت و عفت کو بر قرار رکھنے کے ساتھ ساتھ چھوٹے چھوٹے بچوں کی پرورش میں لگی رہے اور نکاح کے بندھن سے آزاد رہے تو اس کی بھی بڑی فضیلت اور ثواب ہے۔رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "أَنَا وَامْرَأَةٌ سَفْعَاءُ الْخَدَّيْنِ كَهَاتَيْنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَوْمَأَ يَزِيدُ بِالْوُسْطَى وَالسَّبَّابَةِ امْرَأَةٌ آمَتْ مِنْ زَوْجِهَا ذَاتُ مَنْصِبٍ، وَجَمَالٍ، حَبَسَتْ نَفْسَهَا عَلَى يَتَامَاهَا"[29] ترجمہ: "میں اور وہ شریف اور حسن و جمال و عزت والی بیوہ/عورت جو شوہر کے انتقال کے بعد اپنے یتیم بچوں کی خاطر اپنے نفس کو نکاح سے روکے رہے اور محنت و مشقت کرنے کی وجہ سے اس کی رنگ کالی ہو گئی ہو قیامت کے دن میں وہ اور میں مقام و مرتبہ میں دو انگلیوں کی طرح ہوں گے۔"

غرضیکہ بیوہ عورت کو قرآن اور اسلام نے بہترین مقام عطا فرمایا ہے اور بوجہ اللہ اس کی خدمت کرنے والا بڑا ہی سعادت مند ہے۔ یاد رہے کہ اسلام کے آنے سے پہلے زمانہ جاہلیت میں اگر کوئی عورت بیوہ ہو جاتی تھی تو اس بے چاری کی زندگی جیتے جی جہنم بن جاتی تھی۔ بیوہ ہونے کے بعد نہ اسے سسرال میں رہنے دیا جاتا اور نہ اسے میکے میں جگہ ملتی تھی۔ ہر جگہ سے اسے دھکے دے کر نکال دیا جاتا تھا۔ کیونکہ وہ لوگ اسے ڈائن، بھاگن اور قابل نفرت سمجھ کر اس کے سائے تک سے بچنا چاہتے تھے۔ اسلام نے نہ صرف بیوہ کو زندہ رہنے کا حق اور قابل عزت مقام دیا بلکہ ان

کی عزت و تکریم اور دیکھ بھال کرنے والے کو دلی سکون اور اطمینان کی دولت عطا فرمائی کہ اللہ تعالی ان سے راضی ہونے والا ہے۔ رہی یہ بات جو قرآن نے فرمایا ہے: "وانکحوا الایامیٰ منکم" تو اس سے متعلق مولنا مودودیؒ لکھتے ہیں: "تو اس سے مراد ہر مرد اور عورت مراد ہیں جو کنوارہ ہو یا کسی وجہ سے رنڈوہ ہو جہاں تک رنڈوے (بیوہ) کے نکاح کا تعلق ہے اس کے لئے یہ حکم نہیں کہ وہ دوسرا نکاح کرے اگر وہ اپنی اولاد یا کسی دوسری وجہ سے نکاح نہیں کرنا چاہتا (چاہتی) تو اس میں کوئی حرج نہیں بشر طیکہ اپنی طبیعت پر ضبط کرنے والا ہو۔"[30]

نکاح کرنے کے بارے میں رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں: "النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي فَمَنْ لَمْ يَعْمَلْ بِسُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي"[31] ترجمہ: "نکاح کرنا میری سنت ہے جو میری سنت سے انحراف کرے گا اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔" مگر یتیم کی کفالت کرنے والے بیوگان کے لئے اس سنت سے رخصت ہے اگر وہ اپنے اوپر ضبط کرتے ہوئے شادی کے بندھن سے آزاد رہنا چاہیں۔ قرآن نے انسان کے اطمینان اور سکون کے لئے رہنما اصول فراہم کئے ہیں اور ان رہنما اصولوں کو اپنانے کے لئے انسان کو فطری زندگی کا رنگ اپنانا ضروری ہے۔ ان فطری رنگوں میں ایک رنگ یہ ہے کہ انسان اپنے گرد و پیش میں رہنے والے افراد (یتامیٰ، مساکین اور بیوگان) کے ساتھ ہمدردانہ اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے توجہ دیں اگر ایسا ہوگا تو یقیناً اطمینان والی زندگی خود کو بھی نصیب ہوگی۔

حاصل مطالعہ

اللہ کریم کے فرامین اور اسوہ رسول ﷺ کے مطالعہ کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ ایمان لاتے ہوئے فرائض کی بجاآوری کے بعد عامۃ الناس کے لئے فلاح و بہبود کے کام کرنا عظیم ترین خدمات ہیں اور حسن ایمان کا اوج کمال ہے۔ محض اللہ کریم کی رضا کے لئے اپنے آپ کو دوسروں کے لئے وقف کر دینا گویا کہ خالق کائنات کی اکمل صفت کو اپنانے کی کاوش ہے۔ درد دل ہے جو اسے دوسروں کے دکھ درد کم کرنے کے لئے اکساتا ہے۔ چاہے کوئی اپنا ہے یا بیگانا، رشتہ دار ہے یا غیر رشتہ دار، ہمسایہ ہے یا پردیسی اور مسلم ہے یا غیر مسلم۔ مخلوق خدا کی خدمت کا بندھن جوڑتے ہوئے اللہ کی رضا کے حصول میں مگن سفر جاری رکھتا ہے۔ اللہ کی رضا کے لئے دوسروں کی خوشیوں کا سبب بننے والے، دوسروں کی مشکلات میں کمی لانے کا سبب بننے والے، ضروریات زندگی کے ہر معاملے میں مخلصانہ خدمات کی فراہمی کرنے والے نہ صرف دنیا میں حقیقی خوشیاں سمیٹتے ہیں بلکہ آخرت میں بھی اللہ کریم کی خصوصی رحمت کے سزاوار ہوں گے۔ اس مقالے کا حاصل بھی یہی ہے کہ جتنی زیادہ اور حقیقی خوشیاں، راحتیں اور دلی سکون خدمت خلق سے ملتا ہے وہ کسی اور عبادت سے کم ہی ملتا ہوگا۔ اور ہمارے ہر باشعور شخص کے تجربے میں بھی یہ بات بار بار آچکی ہے۔ وجہ کیا ہے کہ اس عبادت کا تعلق کئی لوگوں کی

خوشیوں سے جڑا ہوا ہے۔ انسان ہزاروں کی کی کسی کی خلوص بھری دعائیں نہیں خرید سکتا مگر ایک بھوکے کو پیٹ بھر کر کھانا کھلا دینے سے، کسی مصیبت زدہ کی معمولی سی مدد کرنے سے، کسی کو ذلت ورسوائی سے بچا لینے سے اور ان کی خوشیوں کا سبب بننے سے آپ مفت میں خلوص بھری دعائیں لیتے ہوئے اپنے لئے بھی خوشیاں، اطمینان اور قلبی راحت کا سامان اکٹھا کر سکتے ہیں۔

*****

حوالہ جات

1۔البیہقی، الخراسانی، أبو بکر أحمد بن الحسین بن علی بن موسی، (المتوفی: 458ھ)، *شعب الایمان*، المحقق: الدکتور عبد العلی عبد الحمید حامد، (الریاض: مکتبۃ الرشد' 1423ھ)، باب التعاون علی البر والتقوی، *حدیث* 7252۔

2۔ *محمد طفیلؒ، نقوش رسول نمبر، جلد 03، " رسول اللہ اور معاشرت "رشید احمد ارشد (لاہور، ادارہ فروغ اردو، لائبریری ایڈیشن)، شمارہ*130(1983ء):426۔

3۔القشیری، النیسابوری، مسلم بن الحجاج أبو الحسن (المتوفی: 261ھ)، *الجامع الصحیح المسلم*، المسند الصحیح المختصر بنقل العدل عن العدل إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المحقق: محمد فؤاد عبد الباقی، (بیروت: دار إحیاء التراث العربی، 1424ھ)، کتاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ، باب تَحْرِيمِ الظُّلْمِ *حدیث* 2580۔

4۔ *ایضا*، کتاب الذِّكْرِ وَالدُّعَاءِ وَالتَّوْبَةِ وَالِاسْتِغْفَارِ، بَابُ فَضْلِ الِاجْتِمَاعِ عَلَى تِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَعَلَى الذِّكْرِ، *حدیث* 2699

5۔الحنظلی، الترکی ثم المرْوزی، أبو عبد الرحمن عبد اللہ بن المبارک بن واضح (المتوفی: 181ھ)، *الزھد والرقائق*، المحقق: حبیب الرحمن الأعظمی، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1425ھ)، بَابُ مَا جَاءَ فِي الشُّحِّ، *حدیث* 684۔

6۔القزوینی، أبو عبد اللہ محمد بن یزید (المتوفی: 273ھ)، *سنن ابن ماجہ*، المحقق: محمد فؤاد عبد الباقی، (بیروت: دار إحیاء الکتب العربیۃ، 2009)، کتابُ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي قِيَامِ اللَّيْلِ، *حدیث* 1334

7۔ *النیشابوری، کتاب الایمان*، باب بیان ان الدین النصیحہ، *حدیث* 55۔

8۔السِّجِسْتانی، الأزدی، أبو داود سلیمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو (المتوفی: 275ھ)، *سنن ابی داود*، (بیروت: المکتبۃ العصریۃ، صیدا، 2011)، المحقق: محمد محیی الدین عبد الحمید، كِتَاب الْأَدَبِ، بَابٌ فِي النَّصِيحَةِ وَالْحِيَاطَةِ، *حدیث* 4918

9۔الشامی، اللخمی، سلیمان بن أحمد بن أیوب بن مطیر، أبو القاسم الطبرانی (المتوفی: 360ھ)، *معجم الکبیر*، (القاھرۃ: مکتبۃ ابن تیمیۃ، 2010) المحقق: حمدی بن عبد المجید السلفی، حدیث 627

10۔محمد طفیل *نقوش رسول نمبر، حضور ﷺ نے انسانی معاشرت کو کیا دیا*' ڈاکٹر فواد فخر الدین (انڈونیشیا) ترجمہ خلیل حامدی' جلد 3، شمارہ 130، (س ن): 453۔

11۔البخاری، الجعفی، محمد بن إسماعیل أبو عبد اللہ (المتوفی: 256ھ) *صحیح بخاری الجامع المسند الصحیح المختصر من أمور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وأیامہ*، المحقق: محمد زھیر بن ناصر الناصر، (بیروت: دار طوق النجاۃ، ط أولی: 1422ھ)، کتاب العلم، بَابُ مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَوَّلُهُمْ بِالْمَوْعِظَةِ وَالعِلْمِ كَيْ لاَ يَنْفِرُوا، حدیث 69

12۔محمد جمیل، میاں، *فہم القرآن*، ج 1 (لاہور: *ابو ہریرہ اکیڈمی*، 2003)، 693/البخاری، کتاب الادب، باب اکرام الضیف وَخِدْمَتِهِ إِيَّاهُ بِنَفْسِهِ، حدیث 6137۔

13۔پانی پتیؒ، ثناء اللہ، قاضی، *تفسیر مظہری*، ج 3 (کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی، س ن)، 76۔

14۔البخاری، *کتاب الادب*، بَابٌ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَاليَوْمِ الآخِرِ فَلاَ يُؤْذِ جَارَهُ، حدیث 6019

15۔البخاری، *کتاب الادب*، بَابُ إِكْرَامِ الضَّيْفِ، وَخِدْمَتِهِ إِيَّاهُ بِنَفْسِهِ، حدیث 6135

16۔القشیری، *کتاب اللقطہ*، بَابُ اسْتِحْبَابِ الْمُؤَاسَاةِ بِفُضُولِ الْمَالِ، حدیث 1728

17۔ السجستانی، *کتاب الجہاد*، بَابٌ فِي الدُّعَاءِ عِنْدَ الْوَدَاعِ، حدیث 2600

18۔البخاری، *کتاب المساقات*، باب اثم من منع ابن السبیل من الماء، حدیث 2358

19۔کیلانی، عبد الرحمٰن، *تیسیر القرآن*، جلد 1 (لاہور، مکتبہ السلام، 2011) 382۔

20۔ایضاً: 82

21۔البخاری، *کتاب النفقات*، باب فضل النفعہ علی الاھل، حدیث 5353

22۔القشیری، *کتاب الامارۃ*، باب کراھتہ الامارۃ بغیر ضرورۃ، حدیث 1826

23۔القزوینی، *کتاب الادب*، باب حق الیتیم، حدیث 3679

24۔ایضا، کتاب الوصایا، بَابُ قَوْلِهِ تَعَالَى وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ، حدیث 2718

25۔میاں، *فہم القرآن*، جلد 1، 644.

26۔کیلانی، *تیسیر القرآن*: 658/البخاری کتاب الادب، فضل من یعول یتیما

27۔القشیری، *كِتَابُ الزُّهْدِ وَالرَّقَائِقِ*، بَابُ الْإِحْسَانِ إِلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ وَالْيَتِيمِ، حدیث 2983

28۔البخاری، باب کیف کان بدء الوحی علی رسول اللہ، حدیث 3

29۔السجستانی،کتاب الادب، باب فی فضل من عال یتیما، حدیث5149

30۔ابوالاعلی، مودودی، تفہیم القرآن، ج4 (لاہور، ادارہ ترجمان القرآن،، 1978تا1998)، 562۔

31۔القزوینی،کتاب النکاح، بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ النِّكَاحِ، حدیث1846

Bibliography

1) Abu abd al-Rahman Abdullah b. al-Mubarak b. Wadheh, al-Hanzali, Al-Tarki Summa al-Mazwazi, Beirut: Dar al-Kutub al-Ilmiyyah, 1425/
2) Abu Abdillah Muhammad b. Yazid, al-Qizwini, Sunan Ibn Maja, Beirut: Dar Ihya al-Kutub al-Arabiyyah, 2009
3) Abu Bakr Ahmad b. AlHusyn b. Ali b. Musa, al-Bayhaqi al-Khurasani, Shaa'b al-Imān, Riyadh: Matabah al-Rashīd, 1423/
4) Anonymous, Tafhīm al-Quran, n.pub, nd.
5) Kaylani, Abd al-Rahman, Taysīr al-Quran, Lahore: Maktaba al-Salām, 2011
6) Muhammad b. Ismael Abu Abdillah, al-Bukari, Sahi al-Bukhari al-Jame' al-Musnad al-Sahi al-Mukhtasar min Umūr Rasoolillah wa Sunnatihi wa Aylihi, Beirut: Dar Taoq al-Najah, 1422/
7) Muhammad Jameel, Miyan, Faham al-Quran, Lahore: Abu Hurayrah Academy, 2003.
8) Muhammad Tufail, Nuqūsh-e Rasool Number, Rasoolalallah aur Mua;shirat, Rasheed Ahmad Arshad, vol. 3 (nd), Lahore: Idara Forugh-e Urdu, n.page.
9) Muslim b. al-Hajjaj Abu al-Hasan, al-Nishabori, al-Jame' al-Sahi al-Muslim, Beirut: Dar Ihya al-Turāth al-Arabi, 1424/
10) Solaiman b. Ahmad b. Ayyub b. MAzhar, al-Shami al-Lakhmi, Abu al-Qasim al-Tabrāni, Moa'jam al-Kabīr, Cairo: Maktabah Ibn Taymiyah, 2010.
11) Thanau'llah, Qadi, PAnipati, Tafsīr Mazhari, Karachi: HM Sae'ed, nd.

انسداد غربت وافلاس : سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں

ERADICATION OF POVERTY IN THE LIGHT OF THE SIRAH OF THE PROPHET

Tahmina Fazil
Dr. Monazza Hayat

Abstract

Poverty is a complex situation. The world has been struggling to overcome poverty for centuries. This is a great challenge facing the modern world. A comprehensive approach is needed to develop poverty averting strategies and programs. Prophet Muhammad not only removed the misunderstanding of the people about poverty, but also gave them such rules and regulations which, on the one side, alleviated the poverty of the people and, on the other, became a means of improving the economic life of others. It is, therefore, important for us to highlight and follow the economic principles laid down by the Prophet (peace and blessings of Allaah be upon him) for the eradication of poverty. This article highlights the role of the Holy Prophet in alleviating poverty.

Key word: *Poverty, Modern World, Reduction, Seerah, Principles.*

خلاصہ

غربت ایک پیچیدہ صورتحال ہے۔ دنیا صدیوں سے غربت پر قابو پانے کے لئے جدوجہد کر رہی ہے۔ یہ جدید دنیا کو درپیش ایک بڑا چیلنج ہے۔ غربت کے انسداد کی حکمت عملی اور پروگرام تیار کرنے کے لئے ایک جامع نقطہ نظر کی ضرورت ہے۔۔ حضرت محمد ﷺ نے غربت کے بارے میں نہ صرف لوگوں کے ذہنی ابہام کو دور کیا، بلکہ ان کو ایسے اصول و ضوابط دیے کہ جن سے نہ صرف لوگوں کی اپنی غربت دور ہوئی بلکہ وہ دوسروں کی معاشی زندگی کو بہتر بنانے کا ذریعہ بھی بنے۔ لہٰذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم غربت کے انسداد کے لئے آپ ﷺ کے مرتب کردہ معاشی اصول کو اجاگر کریں اور ان پر عمل پیرا ہوں۔ اس مقالہ میں غربت کے خاتمہ میں رسول اکرم ﷺ کے کردار کو اجاگر کیا گیا ہے۔

کلیدی کلمات: غربت، افلاس، سیرت طیبہ، جدید دنیا۔

تعارف

اس وقت انسانیت کے سنگین مسائل میں سے ایک مسئلہ غربت کا ہے۔آج دنیا کی تقریباً نصف آبادی غربت کی زندگی گزار رہی ہے۔ غربت کے معیار کے معاملے میں ورلڈ بینک نے جو پیمانہ مقرر کیا ہے اس کے مطابق جس شخص کی یومیہ آمدنی ایک یا دو ڈالر سے کم ہو اسے غریب کہا جائے گا۔[1] معاشی لحاظ سے دیکھا جائے تو غریب اس شخص کو کہتے ہیں جو کم ترین معیار زندگی بھی بر قرار نہ رکھ سکتا ہو بلکہ اس معیار کے لئے بھی اس کے پاس وسائل و زرائع کا فقدان ہو۔ سادہ الفاظ میں یوں کہ سکتے ہیں کہ غربت، بھوک و افلاس کا نام ہے۔ ایسا شخص جو بیماری میں علاج کے وسائل، اولاد ہونے پر اس کی پرورش اور تعلیم کے وسائل اور رہائش و خوراک کے وسائل میں فقدان کا شکار ہو وہ غریب کہلائے گا۔ اگر غربت کو جانچنے کے لئے ورلڈ بینک کے مقررہ پیمانے کو تسلیم کر لیا جائے تو ورلڈ بینک کی اپنی رپوٹ کے مطابق 1990 میں غربت 1.9 بلین تھی۔ یہ وہ تعداد ہے جو دو ڈالر سے کم آمدنی والی آبادی تھی۔ 2001ء میں یہ تعداد 2.7 ارب ہو گئی جبکہ Covid-19 کی وجہ سے 2020ء کے آخر تک یہ تعداد 2019ء کے مقابلے میں 40 سے 60 ملین زیادہ ہو جائے گی۔[2] ورلڈ بینک کی رپورٹ اپنی جگہ لیکن بھارت، بنگلہ دیش اور پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک میں صورتحال اس دو ڈالر کی لکیر سے بھی بدتر ہے۔اس سے پسماندہ ممالک کی حالت کا اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے۔

پاکستان میں غربت کی صورتحال

پاکستان میں غربت کی صورتحال بھی دنیا سے مختلف نہیں اور اس میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ غربت کی اس بڑھتی ہوئی شرح کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ پاکستان کی ایک غیر سرکاری تنظیم سسٹین ایبل ڈویلپمنٹ پالیسی انسٹی ٹیوٹ نے پاکستان میں بڑھتی ہوئی غربت پر ایک تحقیقی رپورٹ جاری کی ہے Sustainable Development Policy Institute جس کے مطابق پاکستان کی ایک تہائی سے زیادہ آبادی تو وہ ہے جو غربت کی لکیر سے بھی انتہائی نچلی سطح پر زندگی گزار رہی ہے۔[3] 1998ء کی ہیومن ڈویلپمنٹ رپورٹ کے مطابق پاکستان 138 ویں نمبر پر ہے جب کہ کینیڈا پہلے، فرانس دوسرے اور ناروے تیسرے نمبر پر ہے۔ ہیومن ڈویلپمنٹ سے مراد کوئی معاشرہ معاشی انصاف، معاشرتی اقدار، انسانی حقوق کے معیار اور اپنے شہریوں کو روزگار اور بنیادی سہولیات کی فراہمی کے لحاظ سے کس مقام پر کھڑا ہے۔[4]

2007ء میں انسانی معیار زندگی کی جو انڈیکس پاکستان کے ماہر اقتصادیات ڈاکٹر محبوب الحق نے شائع کی اس میں شامل 180 ممالک کی فہرست میں پاکستان کا نمبر 141 واں تھا اور اس خطے میں بھارت، بنگلہ دیش، سری لنکا اور بھوٹان پاکستان سے بہتر پوزیشن پر تھے۔[5] عالمی بینک کی رپوٹ ورلڈ ڈیولپمنٹ انڈیکیٹرز کے 2008ء میں کیے

گئے ایک سروے کے مطابق پاکستان کی ٪60.2 آبادی خط غربت سے نیچے زندگی بسر کر رہی ہے۔[6] 2019ء کی ہیومن ڈیولپمنٹ رپورٹ میں 189 ممالک کی فہرست میں پاکستان کا نمبر مزید گر کر 152 ہو گیا۔ اس سے ہی خطرناک بات یہ کہ جنوبی ایشیا میں بھی یہ پست ترین درجہ پر ہے۔ بھارت کا نمبر 129 اور بنگلہ دیش 136 ویں نمبر پر ہے۔[7]

ترقی یافتہ ممالک میں غربت کی صورتحال

دنیا میں بڑھتی ہوئی غربت صرف تیسری دنیا کے ترقی پزیر ممالک ہی کا مسئلہ نہیں بلکہ انتہائی ترقی یافتہ ممالک بھی اپنے تمام تر وسائل اور کوششوں کے باوجود غربت کے اس گمبھیر مسئلے کے سامنے بے بس دکھائی دیتے ہیں۔ گذشتہ اعداد و شمار کے مطابق دنیا کی واحد سپر پاور سمجھی جانے والی ریاست امریکہ میں غربت کی شرح 15 فیصد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس امیر ترین ملک کے چار کروڑ ساٹھ لاکھ افراد غربت کی لکیر سے نچلی سطح پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔[8] ترقی یافتہ یورپین ممالک کے حالات بھی اس سے مختلف نہیں۔ بین الاقوامی امدادی تنظیم آکسفیم کی رپورٹ کے مطابق 2011ء تک 500 ملین آبادی پر مشتمل یورپی یونین میں 121 ملین افراد غربت کے عالم میں زندگی گذارنے پر مجبور ہیں۔ آکسفیم کہتی ہے:

Oxfam's analysis is based on the EU's official definition of poverty. In 2011, there were 121million people at risk of poverty in the EU representing 24.3 percent of the population.[9]

مذکورہ اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ غربت وافلاس کا مسئلہ مسلسل طاقتور ہوتا جارہا ہے۔ یہ مسئلہ شخصی نہیں بلکہ اجتماعی ہے۔ میرے خیال میں یہ ایک مسئلہ تمام مسائل کی جڑ ہے۔ کیونکہ ایک بھوکا شخص اپنی بھوک مٹانے کے لئے ہر طرح کا جائز و ناجائز کام کرے گا اور اس طرح ملکی امن و امان کے لئے مسئلہ بن جائے گا۔ بہت سے نفسیاتی مسائل بھی غربت کا ہی نتیجہ ہیں۔ یہاں تک کہ ایک مفلس شخص اپنے اعضاء بلکہ اپنے بچوں کا بھی سودا کر سکتا ہے اور بعض اوقات نوبت خودکشی تک آجاتی ہے۔ آئے روز ہم غربت کی وجہ سے والدین کا اپنے بچوں کو قتل کرنے اور پھر خودکشی کر لینے کے واقعات سنتے ہیں۔

غربت وافلاس اور انسانی تاریخ

غربت وافلاس کا المیہ نیا نہیں بلکہ غربت کی تاریخ دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ یہ صرف دور حاضر کا مسئلہ نہیں بلکہ انسانی تاریخ کے آغاز ہی سے غربت اور امارت کی تفریق نظر آتی ہے۔ غربت کی روک تھام کے لئے مختلف ممالک نے مختلف قوانین متعارف کروائے۔ کسی نے سرمایہ دارانہ نظام کا راگ الاپا تو کسی نے جمہوریت کو

کمزور انسانوں کا مسیحا قرار دیا۔ کسی نے کمیونزم کو بقا کا ضامن قرار دیا۔ اقوام متحدہ نے 1992 سے سترہ اکتوبر غربت کے خاتمے کا عالمی دن قرار دیا جو آج بھی منایا جاتا ہے۔ اس دن کا مقصد غربت و محرومی کا خاتمہ کرنے کی تجاویز و اقدامات اور فلاح و بہبود کے منصوبوں کی اہمیت اجاگر کرانا ہے۔

غربت و افلاس کے اسباب

غربت و افلاس کے بہت سے ممکنہ اسباب ہو سکتے ہیں جن میں آبادی کا بڑھنا، وسائل کی کمی اور جہالت کو بڑا سبب مانا جاتا ہے اور ان کے سدّ باب پر زور دیا جاتا ہے۔ میرے ناقص علم کے مطابق غربت و افلاس کا سب سے بڑا سبب وسائل کی تقسیم میں انصاف نہ ہونا ہے اور وسائل کی غلط تقسیم موجودہ نظام معیشت اور طرز حکمرانی کی سب سے بڑی خامی ہے۔ وسائل کی کمی کے سبب کو دل و دماغ اس لیے تسلیم نہیں کرتے کیونکہ رزق کی فراہمی کی ذمہ داری خود اللہ تعالی نے اپنے اوپر لی ہے۔ اللہ تعالی کے ناموں میں سے ایک نام الرزاق بھی ہے جس سے مراد ہے رزق دینے والا۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے: وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الأَرْضِ إِلاَّ عَلَى اللّهِ رِزْقُهَا (06:11) ترجمہ: "اور زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہی ہے جس کا رزق اللہ نے اپنے ذمہ نہ لے رکھا ہو۔" کوئی بڑے سے بڑا ماہر اقتصادیات یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ آج زمین پر جتنی پیداوار ہے اس سے زیادہ آبادی ہے۔ کیونکہ اللہ پاک نے جس انسان کو پیدا کیا اس کے رزق کا بھی بندوبست کیا۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے: وَلاَ تَقْتُلُواْ أَوْلاَدَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلاَقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُم (31:17) ترجمہ: "اور اپنی اولاد کو تنگدستی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔"

ورلڈ وائیڈ فنڈ فار نیچر نے 9-9-1999 میں ایک رپوٹ شائع کی جس میں بتایا گیا کہ دنیا کی آبادی پانچ ارب تہتر کروڑ سات لاکھ سے بڑھ چکی ہے۔ اس پونے چھ ارب کی آبادی کے لئے اجناس اور گوشت ایک ارب اکتیس کروڑ اکاون ٹن کی مقدار میں موجود ہے اور 9 کروڑ 10 لاکھ ٹن مچھلی دستیاب ہے۔ مگر دنیا کا قدرتی ماحول یعنی زندگی کے لوازمات، کثرت استعمال، ناجائز استعمال، بدنظمی اور بدانتظامی کی وجہ سے نہایت تیزی سے زوال پذیر ہیں چنانچہ آنے والی نسلوں کے لئے مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔[10] پاکستان کے ایک ماہر اقتصادیات ڈاکٹر محبوب الحق نے بھارت کی ایک شخصیت امرتا سین سے مل کر انسانی معیار زندگی کا ایک اعشاریہ ہیومن ڈویلپمنٹ انڈیکس کے نام سے وضع کیا جس کے ذریعہ یہ دکھانا مقصود تھا کہ ترقی صرف کل پیداوار اور آمدنی میں اضافہ کا نام نہیں بلکہ اس اضافے سے عام آدمی کے معیار زندگی اور اس کے ارد گرد کے ماحول میں ترقی کا نام ہے۔[11] یعنی آمدنی اور کل پیداوار مین اضافہ تب تک بے سود ہے جب تک اس اضافے کی تقسیم منصفانہ نہیں ہو گی۔

پاکستان کے اقتصادی امور کے ایک اور ماہر منصور احمد بتاتے ہیں کہ پاکستان اپنی آمدن کا بڑا حصہ انسانی ترقی کے شعبوں پر خرچ کرنے سے قاصر رہا ہے۔ ترجیحات کے درست نہ ہونے اور کرپشن کی وجہ سے پاکستان اپنے ہیومن رائٹس ریسوسز کو بہتر نہیں بنا سکا اس لیے صحت تعلیم اور دیگر شعبوں میں اپنے ہمسایہ ممالک سے پیچھے رہ گیا۔[12] ڈاکٹر اکمل حسین کی رائے میں پاکستان میں اقتصادی ترقی صرف امیر لوگوں کے گرد گھومتی ہے۔ اقتصادی ترقی کی غیر مساوی تقسیم کی وجہ سے آزادی کے اتنے برسوں بعد بھی 40 فیصد پاکستانی ایسے ہیں جن کو روزانہ 2100 کیلوریز یا پیٹ بھر کر کھانا نہیں مل رہا۔ حکومت کی طرف سے دی جانے والی پبلک سروسز اسی ایلیٹ کلاس کو مل رہی ہیں جو ٹیکس بھی نہیں دیتے اس پر ستم یہ کہ کرپشن نے حالات مزید خراب کر دیے ہیں۔[13]

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا غربت و افلاس واقعی ایسا پیچیدہ اور نہ حل ہونے والا مسئلہ ہے کہ انسان ہر طرح کی کوششوں اور اقدامات کے باوجود اس پر قابو نہیں پا سکا یہاں تک کہ موجودہ ترقی یافتہ ممالک اپنے بے پناہ وسائل کے باوجود اس مسئلے کے سامنے بے بس دکھائی دیتے ہیں؟ نہیں! غربت کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس کا خاتمہ ممکن نہیں۔ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے نہ صرف اس مسئلہ کا حل پیش کیا بلکہ عملی طور پر اسے مملکت میں لاگو بھی کیا۔ یہ اسلامی دور حکومت ہی ہے جس کی بنیاد حضرت محمد ﷺ نے رکھی اور ایک ایسا نظام معیشت فراہم کیا کہ جو دنیا میں پہلے سے رائج نظام معیشت کی خامیوں سے مبرہ تھا۔ تاریخ اسلامی پر نظر ڈالی جائے تو واقعات و شواہد یہی بتاتے ہیں کہ دنیا میں بھوک و افلاس، تنگدستی، خود ساختہ استحصالی اور معاشرتی عدم توازن کو ختم کرکے خیر و بھلائی اور دنیاوی و اُخروی کامیابی کے لئے سیرت طیبہ اور تعلیمات نبوی کی پیروی ضروری ہے۔ چنانچہ ہمیں رسول اکرم ﷺ کی سیرت میں غربت وافلاس کے خاتمے کے لئے درج ذیل اقدامات نظر آتے ہیں:

فقر و فاقہ سے پناہ مانگنا

انسان کو اپنے رب سے دعا مانگتے رہنا چاہیے کہ وہ اُسے فقر و فاقہ کی زندگی سے محفوظ رکھے۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: كَادَ الْفَقْرُ أَنْ يَكُونَ كُفْرًا[14] ترجمہ: "قریب ہے کہ فقر و محتاجی کفر بن جائے۔" آپؐ اللہ تعالیٰ سے جو دعا مانگا کرتے تھے اِن میں فقر و محتاجی سے بچاؤ کی دعا بھی شامل ہے۔ حدیث رسول ہے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیٓ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْفَقْرِ وَالْقِلَّةِ[15] ترجمہ: "اے اللہ! میں فقر سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور قلّت سے۔" حضرت علی علیہ السلام اپنے بیٹے محمد حنفیہؒ سے فرماتے ہیں: يَا بُنَيَّ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكَ الْفَقْرَ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ مِنْهُ فَإِنَّ

الْفَقْرَ مَدْهَشَةٌ لِلْعَقْلِ دَاعِيَةٌ لِلْمَقْتِ[16] ترجمہ: "اے فرزند! میں تمہارے لیے فقر و تنگدستی سے ڈرتا ہوں لہٰذا فقر و ناداری سے اللہ کی پناہ مانگو۔ کیونکہ فقر و تنگدستی عقل کی پریشانی اور لوگوں کی نفرت کا باعث ہے۔"

فقر و فاقہ سے بچنے کے لئے فضول خرچی اور اسراف سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے: إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوٓاْ إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ (27:17) ترجمہ: "بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔" ایک اور جگہ ارشاد ہے: وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلاَ تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا (26:17) ترجمہ: "قرابت داروں کو ان کا حق ادا کرو اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی اور (اپنا مال) فضول خرچی سے مت اُڑاؤ۔" سورہ فرقان میں ارشاد ہے: وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا (25:67) ترجمہ: "اور وہ جب خرچ کرتے ہیں نہ حد سے بڑھیں نہ تنگی کریں۔" معصومین (علیہم السلام) بھی اسراف اور فضول خرچی سے بچنے کے بہت فائدے بتاتے ہیں۔ جیسا کہ امام صادق (علیہ السلام) ارشاد فرماتے ہیں: وَ مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ وَ التَّقْدِيرُ نِصْفُ الْعَيْشِ[17] ترجمہ: "جس نے میانہ روی کی وہ فقیر نہ ہوگا۔"

صحابہؓ کی ذہنی تربیت

رسول اکرم ﷺ نے غربت وافلاس کو ختم کرنے کے لئے امت کی ذہنی تربیت کی اور اپنے صحابہ کرام کے ذہنوں میں یہ بات راسخ کر دی کہ اصل دولت اس کا قناعت پسند اور دل کا دولت مند ہونا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللهُ لَكَ تَكُنْ أَغْنَى النَّاسِ[18] ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے جو مال تمہارے لیے تقسیم کیا ہے اُس پر راضی اور خوش ہو جاؤ تو تم تمام لوگوں سے زیادہ مالدار ہو جاؤ گے۔" رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کے ذہنوں میں اِس نظریے کو جلا بخشی کہ اُن کے مالوں میں ہونے والا اضافہ دراصل فقراء اور مساکین کو اُن کا حق ادا کرنے کا ہی صلہ ہے۔ لہٰذا غریب اور تنگدست لوگوں پر اپنا مال خرچ کرنے میں کسی قسم کا بوجھ تصور نہ کرو۔ آپؐ نے فرمایا: أَبْغُونِي ضُعَفَاءَكُمْ فَإِنَّكُمْ إِنَّمَا تُرْزَقُونَ وَتُنْصَرُونَ بِضُعَفَائِكُم[19] ترجمہ: "میری رضا اپنے کمزور لوگوں کے ساتھ احسان کرکے حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ کیونکہ تمہیں اپنے کمزور اور ضعیف لوگوں کی وجہ سے مال و دولت اور نصرت ملتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں دو بھائی تھے جن میں سے ایک رسول اللہ ﷺ کی خدمت کرتا اور دوسرا محنت مزدوری کرتا تھا۔ محنت مزدوری کرنے والے نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے بھائی کی شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا: لَعَلَّكَ تُرْزَقُ بِهِ[20] ترجمہ: "تجھے بھی شاید اِسی کی وجہ سے روزی ملتی ہے۔"

محنت کا فروغ

رسول اکرمﷺ نے لوگوں میں سستی اور کاہلی کو ختم کرنے کے لئے محنت کی عظمت پر زور دیا۔ آپؐ نے گداگری کی مذمت کی کیونکہ فقر وفاقہ کا ایک سبب تن آسانی اور گداگری ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے: وَلَا یَفْتَحُ عَبْدٌ بَابَ مَسْأَلَةٍ إِلَّا فَتَحَ اللهُ لَهُ بَابَ فَقْرٍ[21] ترجمہ: "جب کوئی بندہ لوگوں سے مانگنا شروع کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس پر فقر و افلاس کا دروازہ کھول دیتا ہے۔" رسول اکرمﷺ نے لوگوں کو نہ صرف محنت کرنے کا درس دیا بلکہ اُنہیں عملی نمونہ بن کر دیکھایا۔ آپؐ نے بچپن میں مکہ مکرمہ کے مقام پر خود بکریاں چرائیں۔ اور چرواہوں کو عزت بخش کر یہ پیغام دیا کہ بکریاں کوئی معیوب کام نہیں ہے۔ یہ وہ مقدس پیشہ جسے ہر نبی محتشم نے اختیار کیا ہے۔ ایک اور حدیث میں رسول اکرمﷺ نے فرمایا: مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا خَيْرًا مِن أَنَ يَأْكُلَ مِن عَمَلِ يَدِهِ، وَإِنَّ نَبِيَّ اللهِ دَاوُدَ كَانَ يَأْكُلُ مِن عَمَلِ يَدِهِ[22] ترجمہ: "کسی نے اپنے ہاتھ سے کمائے ہوئے سے بہتر کھانا نہیں کھایااور بلاشبہ حضرت داوًد اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔"

رسول اکرمﷺ نے محنت کے نہ صرف دنیاوی فائدے بتائے بلکہ اُخروی فوائد بھی بتائے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تاریخ میں بہت سے ایسے آئمہ اور مفسرین و محدثین گزرے ہیں جو اپنے اپنے آباؤاجداد کے نسبت اپنے معمولی پیشوں کے حوالے سے زیادہ معروف تھے۔ مثلاً امام غزالیؒ، امام جصاصؒ اور امام قدوریؒ وغیرہ۔ محنت کی عظمت کی اِس سے زیادہ حوصلہ افزائی کیا ہو سکتی ہے کہ رسول اکرمﷺ نے ایک مزدور کے ہاتھ کا بوسہ لے کر فرمایا یہ وہ ہاتھ ہے جسے آگ نہیں چھوئے گی۔[23] سیرتِ طیبہ کی روشنی میں یہ سبق ملتا ہے کہ ہر شخص اپنی صلاحیتوں کے لحاظ سے زمین پر ملنے والے رزقِ الٰہی سے اپنی پسند کے مطابق جائز ذرائع سے اپنے بیوی بچوں کے لئے معاش کا اہتمام کرے اور حکومت کا فرض ہے کہ وہ اس سلسلے میں آنے والی مشکلات کو دور کرے۔ اسلامی ریاست ہر شخص کے لئے روزگار کے مواقع فراہم کرنے کی پابند ہے۔ جیسا کہ رسول اکرمﷺ کی ایک شخص کو روزگار کا سامان دینے کی مثال ہے۔ آپؐ نے ایک نوجوان کی وقتی طور مدد کرنے کی بجائے اُس کا کمبل اور پیالہ بولی میں فروخت کرکے ۲ درہم لیے۔ ایک درہم سے اُس کے اہلِ خانہ کے لئے کھانے پینے کا سامان اور دوسرے سے کلہاڑی خرید کر خود دستِ نبوت سے اُس کا دستہ لگا کر اُس بندے کو لکڑیاں کاٹنے اور بیچنے کے کاروبار پر لگا دیا۔[24]

ایثار و مواخات

اسلامِ دین فطرت ہے اور شریعتِ محمدیہ اُس دین کا تشریعی نظام، شریعتِ محمدیہ میں درجاتِ معشیت میں سوشلزم کی طرح غیر فطری مساوات نہیں البتہ اِس نے (حقِ معشیت) میں جملہ انسانوں کو بغیر کی تفریق کے برابر قرار

دیا۔ اِس کام کے لئے اِس نے برادرانہ مواخات اور باہمی ہمدردی اور غمخواری کی تعلیمات سے کام لیا۔ سیرت نبوی میں باہمی بھائی چارے کی سب سے بڑی مثال معاہدہ مواخاتِ مدینہ ہے جو آپؐ نے بغیر ساز و سامان کے ہجرت کر کے آئے مہاجرین اور انصارِ مدینہ کے درمیان کرایا۔ اور ہمدردی کا ایسا ماحول پیدا کیا کہ کسی کو اپنی تکلیفوں اور تنگدستی کا احساس ہی نہ ہونے پائے یوں آپؐ نے اُس پورے معاشرے کو ایک خاندان کی طرح جوڑ دیا۔اِس سے مہاجرین کے معاشی مسائل کا مداوا ہوا۔ حدیث نبوی ہے ہم ہر غریب اور مفلس کی غربت وافلاس کی ٹیس اور چبھن اس طرح محسوس کریں جس طرح ایک عضوء بدن میں تکلیف ہو تو سارا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے۔[25] آپﷺ نے ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی قرار دیا۔ آپﷺ نے فرمایا: لَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ، وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا[26] ترجمہ: "تم ایک دوسرے پر حسد نہ کرو، نہ خرید و فروخت میں بولی بڑھا کر ایک دوسرے کو دھوکا دو، نہ باہم بغض رکھو، نہ ایک دوسرے سے پیٹھ پھیرو، نہ ایک دوسرے کے سودے پر سودا کرو، اور اے اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ۔" امام غزالی کی (الاسلام والمناھج الاشتراکیہ) کے حوالے سے نجات اللہ صدیقی لکھتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرمﷺ نے فرمایا اے مہاجرین وانصار کی جماعت! تمھارے بعض بھائی ایسے ہیں جن کے پاس نہ تو کوئی مال ہے اور نہ اُن کا کوئی قبیلہ ہے (جو اُن کی نگہداشت کرے) لہٰذا تمہیں چاہیے کہ ایک آدمی اِن میں سے دو تین آدمیوں کو اپنے ساتھ (کھانے پینے اور کاروبار میں) شریک کرے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ میں اپنے ساتھ دو تین آدمیوں ملا لیا۔ حالانکہ میرے پاس دوسرے آدمیوں کی طرح صرف اونٹوں کا ایک گلہ تھا۔[27]

تقسیمِ دولت کے اقدامات

اسلام دولت کے چند ہاتھوں میں مرکوز ہونے کے خلاف ہے اِسی لیے رسول اکرمﷺ نے معاشرے سے غربت وافلاس ختم کرنے کے لئے تقسیم دولت کے اقدامات کیے۔ اسلامی ریاست کے معاشی امور بجالانے اور دولت کو کچھ چند ہاتھوں کے تصرف سے نکالنے کے لئے آپؐ نے عوام کو دو حصوں مسلم اور غیر مسلم میں تقسیم کیا۔ اس طرح مسلمانوں پر نظام زکوۃ و عشر لگایا اور غیر مسلموں پر جزیہ و خراج لاگو کیا۔ زمانہِ قدیم سے ہی طبقاتی تقسیم کو ختم کرنے کے لئے حکومتیں عوام پر ٹیکس لگاتی ہیں لیکن اگر ہم حکومتوں کے ٹیکس کا جائزہ لیں تو یہ ظالمانہ اور عوام کے استحصال کا باعث ہوتے ہیں اور اِن میں بعض ٹیکس معاشرے کے ہر طبقہ خواہ غریب

اور فقراء ہی کیوں نہ ہوں اُنہیں دینے پڑتے ہیں مثلاً سیلز ٹیکس، لیکن سیرتِ رسولؐ کا جائزہ لیں تو زکوۃ وعشر اور جزیہ وخراج کے لئے ایسے ضابطے مقرر کیے گئے کہ یہ کسی پر بوجھ نہ بنیں۔

زکوۃ وعشر

زکوۃ مالدار صاحب نصاب پر سال میں ایک دفعہ فرض ہے ۔آپ ﷺ نے فرمایا :اِنَّ اللہَ قَدْ فَرَضَ عَلَیْھِمْ صَدَقَةً فِیْ اَمْوَالِھِمْ تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِیَائِھِمْ وَتُرَدُّ اِلٰی فُقَرَآءِھِمْ[28] ترجمہ: "ان کے لئے اللہ نے زکوۃ دینا ضروری قرار دیا ہے- یہ ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے غریبوں پر خرچ کی جائے گی۔" زکوۃ کی ادائیگی کے حکم کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے اس کا مکمل نصاب اور طریقہ جاری کیا اور مقررہ شرح سے زیادہ ادائیگی سے منع فرمایا۔ آپ نے یہ حکم نامہ جاری فرمایا: "مسلمانوں میں سے جس شخص سے اس نصاب اور شرح کے مطابق مال طلب کیا جائے وہ اسے ادا کرے اور جس سے اس شرح سے زائد مطالبہ کیا جائے وہ ادا نہ کرے۔" [29] عشر سے مراد پیداوار کا دسواں حصہ ہے جو مسلمانوں کی پیداوار سے وصول کیا جاتا ہے اور زکوۃ وعشر سے حاصل ہونے والی رقم عوام کی فلاح و بہبود، جنگی اخراجات اور دیگر قومی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے استعمال کی جاتی۔اس کے علاوہ مسلمانوں سے کوئی اور ٹیکس زبردستی نہ لیا جاتا بلکہ انہیں انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت بتا کر زیادہ سے زیادہ مال خرچ کرنے کی ترغیب دی جاتی۔

جزیہ وخراج

غیر مسلموں سے جزیہ اور خراج وصول کیا جاتا۔ جزیہ صرف ان افراد پر عائد کیا جاتا جو لڑنے کے قابل ہوتے، بچے بوڑھے، خواتین اور معذور افراد کو استثناء حاصل ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو جزیہ کے بارے میں حکم دیا: "ہر بالغ (غیر مسلم) مرد سے ایک دینار یا اس کی برابر مالیت کا یمنی معافری کپڑا (بطور جزیہ) لینا۔" [30] جزیہ لیتے وقت ہمدردی اور نرمی کا سلوک کیا جاتا ایک دفعہ حضرت عمر نے ایک بوڑھے شخص کو بھیک مانگتے دیکھا تو وجہ دریافت کی اس نے کہا میرے پاس جزیہ ادا کرنے کے لئے مال نہیں تو آپ نے تمام گورنروں کے نام یہ حکم نامہ جاری کیا کہ کسی بوڑھے سے جزیہ وصول نہ کیا جائے۔[31] اکثر و بیشتر نہ صرف جزیہ معاف کر دیا جاتا بلکہ مستحقین غیر مسلموں کو ان کی ضرورت کے مطابق بیت المال سے وظیفہ ادا کیا جاتا۔ حضرت عمر کی یہ عادت تھی کہ خراج وغیرہ کی وصولی کے موقع پر آپ ہر علاقے کے دس معتمد افراد کو چار چار مرتبہ قسمیں دلا کر تحقیق کرتے کہ کہیں رقم کی وصولی میں زیادتی نہ کی گئی ہو۔

نان و نفقہ

زکوۃ کے بعد اہم پیشرفت نان و نفقہ ہے۔ غربت و افلاس کے لئے یہ وہ منفرد قانون ہے جو صرف اسلام ہی کا حصہ ہے۔ اسلام نے دولتمند رشتے داروں کا نان و نفقہ واجب قرار دیا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے: وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (19:51) ترجمہ: "اور ان کے مالوں میں مانگنے والوں اور محروم لوگوں کا حق ہے۔" سورۃ نور میں ارشاد ہے: وَآتُوهُم مِّن مَّالِ اللهِ الَّذِي آتَاكُمْ (33:24) ترجمہ: "اور انہیں اس مال میں سے جو اللہ نے تمہیں بخشا ہے دے دو۔" ڈاکٹر یوسف قرضاوی لکھتے ہیں: "فقہ اسلامی میں کتاب النفقات کے تحت رشتہ داروں پر خرچ کرنے کے جو احکام دیے گئے ہیں وہ نہ پرانی شریعتوں میں کہیں ملیں گے نہ جدید قوانین میں اس کا خیال پایا جائے گا۔" [32]

المختصر صاحب حیثیت آدمی پر اس کے غریب والدین، بیوی، چھوٹی اور نادار اولاد اور ضرورت مند بہن بھائیوں اور مستحق قریبی رشتہ داروں کا نان و نفقہ واجب ہے۔ اس سلسلہ میں حکومت اور عدلیہ بھی اپنا کردار ادا کرتی ہیں اور جو صاحب حیثیت رضاکارانہ طور پر اپنے غریب اور قریبی رشتہ داروں کی کفالت پر راضی نہ ہو تو اسے قانونی طور پر ایسا کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ثُمَّ قَالَ: ابْدَأْ بِنَفْسِكَ فَتَصَدَّقْ عَلَيْهَا، فَإِنْ فَضَلَ شَيْءٌ فَلِأَهْلِكَ، فَإِنْ فَضَلَ عَنْ أَهْلِكَ شَيْءٌ فَلِذِي قَرَابَتِكَ، فَإِنْ فَضَلَ عَنْ ذِي قَرَابَتِكَ شَيْءٌ فَهَكَذَا وَهَكَذَا يَقُولُ: فَبَيْنَ يَدَيْكَ وَعَنْ يَمِينِكَ وَعَنْ شِمَالِكَ[33] ترجمہ: "تم اپنے آپ سے شروع کرو اور اپنی جان پر صدقہ کرو۔ اگر کچھ بچ جائے تو پھر تیرے اہل و عیال کے لئے اور اگر اہل و عیال سے بچ جائے تو پھر قریبی رشتہ داروں کا اور اگر قریبی رشتہ داروں سے بچ جائے تو پھر اسے تیرے سامنے اور دائیں بائیں پر خرچ کرو۔"

یہاں صدقہ کا لفظ ثواب کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ رشتہ داروں پر خرچ کرنا واجب ہے اور واجب صدقہ نفلی صدقہ پر مقدم ہے۔ مذکورہ تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے غربت و افلاس کے خاتمے کے لئے بہت سے اقدامات ایسے کیے کہ انہیں قانون بنادیا ہے تاکہ غریبوں کی دادرسی کے ساتھ ان کی مالی مدد بھی ہو سکے۔ ان اقدامات کے علاوہ صدقہ و فطر، مال غنیمت و مال فئے اور میراث کی تقسیم وغیرہ کا بڑا مقصد یہی ہے کہ معاشرے سے بھوک اور افلاس کا خاتمہ کیا جاسکے۔

افتادہ زمین کی آبادکاری

انسانی زندگی میں زمین کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ (10:7) ترجمہ: "ہم نے تم کو زمین میں اختیار دیا اور تمہارے لیے اس میں سامان

زندگی رکھا۔" رسول اکرم ﷺ نے غربت کے خاتمے کے لئے زرعی ترقی کے اقدامات کیے کیونکہ روزمرہ غذائی ضروریات زراعت اور باغ بانی سے ہی پوری ہوتی ہیں۔ اس لیے زمین کو قابل کاشت بنانے کے اقدامات کیے گئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اطْلُبُوا الرِّزْقَ فِي خَبَايَا الْأَرْضِ[34] ترجمہ: "رزق کو زمین کے پہناؤں میں تلاش کرو۔" آپ ﷺ نے اسلامی حکومت کے علاقے میں جہاں بھی افتادہ زمین پڑی تھی اس کے بارے میں اعلان فرمایا: من أحيا أرضًا ميتةً فهي له[35] ترجمہ: "جس نے کوئی بے آباد افتادہ زمین آباد کی تو وہی اس کا مالک ہے۔" بنجر زمین کی آبادکاری کے بارے میں یہ فیصلہ فرمایا: أَنَّ الأَرْضَ أَرْضُ اللهِ، وَالْعِبَادَ عِبَادُ اللهِ وَمَنْ أَحْيَا مَوَاتًا فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ[36] ترجمہ: "زمین اللہ کی ہے اور بندے بھی سب اللہ کے بندے ہیں اور جو شخص کسی بنجر زمین کو آباد کرے تو وہ اس زمین کا زیادہ حقدار ہے۔"

ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ نے قبیلہ جہینہ کے کچھ لوگوں کو زمین عطاء کی لیکن انہوں نے اسے آباد نہ کیا تو کسی اور قبیلہ نے اسے آباد کر لیا۔ اس پر دونوں فریقوں میں جھگڑا ہو گیا اور معاملہ حضرت عمرؓ تک جا پہنچا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر یہ میرے یا ابوبکرؓ کے دور کا معاملہ ہوتا تو میں تمہیں لوٹا دیتا۔ لیکن نہ تو رسول اللہ ﷺ کی عطا کردہ جاگیر ہے۔ لیکن اس معاملے کے بعد آپؐ نے فرمایا: "جس کے پاس کوئی زمین ہو اور وہ تین سال تک بنجر پڑی رہنے دے آباد نہ کرے اور دوسرے لوگ اسے آباد کرلیں تو وہ (آباد کرنے والے) اس زمین کے زیادہ حقدار ہیں۔"[37]

اشیائے خوردونوش کو ذخیرہ کرنے کی ممانعت

عہد رسالت میں اگرچہ عام حالات میں بھی مسلمان فقروفاقہ اور غربت کا شکار تھے۔ لیکن کبھی تو حالات ایسے آجاتے کہ نوبت فاقہ کشی تک آجاتی۔ لہٰذا ان حالات کو بہتر کرنے کے لئے آپؐ یہ حکم دیتے کہ کھانے پینے کی اشیاء کو ذخیرہ نہ کیا جائے بلکہ ایثار کام لیا جائے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ قربانی کے موقع پر فرمایا: مَنْ ضَحَّى مِنْكُمْ فَلاَ يُصْبِحَنَّ بَعْدَ ثَالِثَةٍ وَبَقِيَ فِي بَيْتِهِ مِنْهُ شَيْءٌ[38] ترجمہ: "تم میں سے جس شخص نے قربانی کی ہے وہ تیسرا دن اس حال میں نہ کرے کہ اس کے گھر میں گوشت کی ایک بوٹی بھی ہو۔" صحابہ کرامؓ نے آپؐ کے حکم پر سارا گوشت تقسیم کر دیا پھر جب حالات بہتر ہوئے تو آپؐ نے گوشت جمع کرنے اور زیادہ دن استعمال کرنے کی اجازت دے دی۔ رسول اکرم ﷺ نے ایک سفر میں صحابہ کرامؓ کو حکم دیا: مَنْ كَانَ مَعَهُ فَضْلُ ظَهْرٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لَا ظَهْرَ لَهُ، وَمَنْ كَانَ لَهُ فَضْلٌ مِنْ زَادٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لَا زَادَ لَهُ سُوْرَةٌ، قَالَ: فَذَكَرَ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ مَا ذَكَرَ حَتَّى رَأَيْنَا أَنَّهُ لَا حَقَّ لِأَحَدٍ مِنَّا فِي فَضْلٍ[39] ترجمہ: "جس کے پاس زائد سواری ہو تو وہ اسے

اس شخص کو لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں اور جس کے پاس زائد کھنا ہے وہ اسے اس شخص کو لوٹا دے گس کے پاس کھانا نہیں ہے صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ نبی اکرمؐ اسی طرح چیزوں کے نام بیان فرماتے رہے حتی کہ ہم نے یہ بات سمجھ لی کہ ہمارے زائد مال میں ہمارا کوئی حق نہیں۔" اس حدیث میں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ یہاں "فلیعد بہ "یعنی "لوٹادو" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے یہ پتا چلتا ہے کہ انسان کے پاس جو زائد مال ہے وہ حقیقت میں کسی غریب کا حق ہے جو حقدار کو لوٹایا جاتا ہے یعنی یہ مستحق پر کوئی احسان نہیں بلکہ اسی کا حق ہے جو لوٹ کر اس کے پاس آتا ہے۔ معلوم ہوا کہ لوگوں کے پاس جو زائد مال ہے وہ فقراء اور مستحقین کا ہے۔

*****

حوالہ جات

1.http://data.worldbank.org/indicator/SI.POV.2DAY .

2.https://www.worldbank.org *poverty overview*.

3.http://tribune.com.pk/story/675805/sdpi-report-58-7m-pakistanis-living-below-poverty-line/

4. Human Develo pment report 1998.hdr.undp.org>content>humandevelopment

5 Bbcurdu.com کالم وسعت اللہ خان 06 June 2010.

6.http://wdi.worldbank.org/table/2.8.

7. Human Development report 2019 hdr.undp.org>files>hdr201

8.http://www.urduvoa.com/content/us-poverty/1751792.html.

9.http://www.oxfam.org/en/eu/pressroom/pressrelease/2013-09-15/25

10.WWF living planet report 1999.Awassets.panda.org>lpr-livi……

11. bbc.com 06 june 2010-

12.https://www.dw.com>انسانی ترقی کے شعبے میں پاکستان پیچھے کیوں 19-12-2015

13.https://www.dw.com>انسانی ترقی کے شعبے میں پاکستان پیچھے کیوں -

14۔ محمد بن سلامہ، مصری، قضائی، مسند شہاب، مترجم، پروفیسر علامہ محمد طارق نعیمی (لاہور، شبیر برادرز، 2016ء)، 271۔

15۔ احمد بن شعیب، نسائی، سنن نسائی، ج3 (الریاض، دارالاسلام للنشر والتوزیع، 1999) ح: 5460۔

16۔ علامہ سید الشریف، الرضی، نہج البلاغہ، مترجم، علامہ مفتی جعفر حسین، کلمات قصار 319 (لاہور، المعراج کمپنی، 2003)، 788۔

17۔ محمد ابن یعقوب، کلینی، اصول کافی، ج2 (تہران، دارالکتب الاسلامیہ، 1407ھ)، 139۔

18۔ محمد بن عیسی، الترمذی، السنن الترمذی، کتاب الزهد، باب مَن اتّقی المحارم فهو اعبد النّاس، (الریاض، دارالاسلام للنشر والتوزیع، 1999) ح: 2305۔

19۔ الترمذی، سنن الترمذی، الجہاد، باب ماجاءَ ف الاستفتاح بصعالیك المسلمین، ح: 1702۔

20۔ ایضا، کتاب الزهد، باب فی التوکل علی الله، ح: 2345۔

21۔ عسقلانی، ابن حجر، فتح الباری فی شرح البخاری، ج4 (القاہرہ، المطبعۃ السلفیۃ ومکتبتھا، 1981)، 94۔

22۔ محمد بن اسماعیل، البخاری، ابو عبدالله، الجامع الصحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب کیف کان عیش النبی ﷺ واصحابه، وَأصحابه، وتخلیهم من الدُنیا، (الریاض، دارالاسلام للنشر ووالتوزیع، 1998) ح: 6452۔

23۔ ابن اثیر، الجذری، اسدالغابہ، مترجم، حضرت سعد انصاری، ج2 (بیروت، دار ابن حزم 1988) ، 626۔

24۔ ولی الدین الخطیب، التبریزی، مشکوۃ المصابیح، باب من لاتحل له المسئله (لاہور، مکتبہ رحمانیہ، 2005)، 163۔

25۔ ایضا، 422 ۔

26۔ مسلم بن الحجاج، القشیری، صحیح مسلم ، ، کتاب البروالصلة والآداب، باب تحریم ظلم المسلم وخذله واحتقاره ومه و عرضه وماله (بیروت، دارالاحیاء التراث العربی، س ن) ح 2564۔

27۔ ڈاکٹر نجات الله، صدیقی، اسلام کا نظریہ مملکت (لاہور، طبع اسلامک پبلیکیشنز 1968ء)، 35۔

28۔ البخاری، صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، باب أخذ الصّدَقة من الأغنیاء وَتردَّ فی الفُقراء حَیثُ کانُو، ح: 1496۔

29۔ ایضا، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الغنم، ح: 1454۔

30۔ ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی، السنن، کتاب الخراج، باب فی اخذ الجزیة، (الریاض، دارالسلام للنشر والتوزیع، 1999) ح: 3040۔

31۔ ابن زنجویہ، حمید، الأموال، السعودیۃ، ج1 (مرکز الملک فیصل للبحوث والدراسات الاسلامیۃ، 1986)، 162۔

32۔ ڈاکٹر یوسف، القرضاوی، مشکلات الفقر وکیف عالجھا الاسلام، اردو ترجمہ بنام، اسلام اور معاشی تحفظ (لاہور، البدر پبلیکیشنز، س، ن)، 63-64۔

33۔ القشیری ، صحیح مسلم ، کتاب النفقات ، باب فی الابتداء بانفس والأهل و ذی القرابة ، ح: 997۔

34۔ نورالدین، الہثیمی، علی بن ابی بکر، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، کتاب البیوع، باب الکسب والتجارۃ والحث علی طلب الرزق (بیروت، بدار الفکر، س، ن) ح: 6237۔

35۔ ابوداود، سنن ابی داود، الخراج، باب فی احیاء الموات (الریاض دار السلام للنشر والتوزیع 1999) ، ح: 3075۔

36۔ ایضا، ح: 3078۔

37۔ ابویوسف، کتاب الخراج، مترجم، مولانا نیاز احمد اوکاڑوی (لاہور، مکتبہ رحمانیہ، س، ن)، 185۔

38۔ البخاری، صحیح البخاری، کتاب الاضاحی، باب مایوکل من لحوم الاضاحی و مایتزوَّ دُمنها، ح: 5569۔

39۔ القشیری ، صحیح مسلم، کتاب اللقطة، باب استحباب المُواساۃ بفُضُول المال، ح: 1728۔

Bibliography

1) Abu Dawoodd, Sunan Abi Dawood, Riyadh: Dar al-Slam, 1999.
2) Abu Yusuf, Kitab al-Khirāj, Trans. Maolana Niyaz Ahmad Ukadawi, Lahore: Maktaba Rahmaniyah, nd.
3) Al-Bukhari, Muhammad b. Ismael, Abu Abdillah, al-Jame’ al-Sahi al-Bukhari, Riyadh: Dar al-Salam, 1998.
4) Ali b. Abi Bakr, Noor al-Dīn, al-Haythami, Majma’ al-Zawai’d wa Manba’ al-Fawai’d, Beirut: Dar al-Fikr, nd.
5) Al-Jazri, Ibn Ithīr, Asad al-Ghabah, trans. Hazrat Saad Ansari, Beirut: Dar Ibn Hazm, 1988.
6) Al-Qardhawi, Dr. Yusuf, Mushkilāt al-Faqr wa Kayfa Alijuha al-Islam, translated as Islam ka Muā’shi Tahfuz, Lahore: al-Badr Publications, nd.
7) Al-Qushayri, Muslim b, al-Hajjaj, Sahi Muslim, Beirut: Dar al-Ihya al-Turath al-Arabi, nd.
8) Al-Radi, Allama Sayyed al-Sharif, Nahj al-Balagah, trans. Allama Mufti Jafar Husyn, Lahore: al-Me’raj Co., 2003.
9) Al-Tabrezi, Wali al-Dīn al-Khatīb, Mishkāt al-Masabīh, Lahore: Maktaba Rahmaniyyah, 2005.
10) Al-Tirmizi, Muhammad b. Esa, al-Sunan al-Tirmizi, Kitāb al-Zuhd, Riyadh: Dar al-Salam, 1999.
11) Ibn Hajr Asqalani, Fat’h al_bari fi Shar al-Bukhari, Cairo: al-Matba’a al-Salfiyyah 1981.
12) Ibn Zanjowayh, Hamīd, al-Amwāl, Saudi Arabia: Markaz al-Malik Faisal li al-Bohuth wa al-Darasār al-Islamiyyah, 1986.
13) Kulayni, Muhammad b. Yaqub, Usūl al-Kafi, Tehran: Dar al-Kutub al-Islamiyyah, 1407/
14) Nasai, Ahmad b. Shoayb, Sunan Sasai, Riyadh: Dar al-Salam, 1999.
15) Siddiqui, Dr. Najatullah,, Islam ka Nazriya-ye Mumlikat, Lahore: Taba’ Islamic Publications, 1968’
16) Solaiman b. al-Asha’th al-Jestani, Abu Dawood, al-Sunan, Riyadh: Dar al-Salam, 1999.

مکلی کا قبرستان، ایک اہم ثقافتی، ادبی ورثہ

CEMETERY OF MAKLI: AN IMPORTANT CULTURAL AND LITERATURAL HERITAGE

Syed Asad Ali Kazmi

Abstract

Mukli Cemetery is the second largest cemetery in the Muslim world which was declared a World Heritage Site by UNESCO in the 1980s. Unfortunately, no significant research is available on this heritage, especially for the Urdu-speaking class. There is room for a large collection of research material in the form of poems and prose fragments from Persian artefacts from Mukli's cemetery, which shows the history, cultural attitudes, and especially the funeral rites of that era, as well as the regional ways of emotional expressivity to the deceased. While highlighting the cultural significance of this cemetery, this article presents important material on Persian poetry and literature.

Key words: *Makli, Persian, poetry and literature, Cemetery.*

خلاصہ

مکلی کا قبرستان مسلم دنیا کا دوسرا بڑا قبرستان ہے جسے یونیسکو نے ۸۰ء کی دہائی میں عالمی ثقافتی ورثے کا درجہ دیا۔ بدقسمتی سے ابھی تک اس ورثے کے متعلق کوئی قابل ذکر تحقیق علی الخصوص اردو دان طبقے کے لئے میسر نہیں ہے۔ مکلی کے قبرستان سے فارسی آثار میں سے اشعار اور نثری ٹکڑوں کی صورت میں بہت سا تحقیقی مواد جمع کرنے کی گنجائش موجود ہے جو اس عہد کی تاریخ، ثقافتی رویوں، اور علی الخصوص تدفین کی رسوم، نیز فوت شدگان سے جذباتی وابستگی کے اظہار کی علاقائی روشوں پر روشنی ڈالتا ہے۔ زیر نظر مقالہ میں اس قبرستان کی ثقافتی حیثیت کو اجاگر کرنے کے ضمن میں یہاں موجود فارسی شعر وادب کے آثار پر بھی اہم مواد پیش کیا گیا ہے۔

کلیدی الفاظ: مکلی، فارسی، شعر وادب، عالمی ورثہ، قبرستان۔

تعارف

مکلی، ٹھٹھہ، سندھ کا ایک قصبہ اور تقریباً چھے کلومیٹر کے دائروی علاقے پر مشتمل ایک ٹیلہ نما پہاڑی علاقہ ہے۔ اس علاقے میں مسلم دنیا کا دوسرا بڑا قبرستان موجود ہے جسے مکلی کا قبرستان کہا جاتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق اس قبرستان میں چھے ملین سے زائد قبور موجود ہیں جس میں ایک بڑی تعداد کا تعلق سما اور ارغون بادشاہت کے خاندانوں، بڑی شخصیات اور وزراء کی قبور سے ہے۔ ۲۰۱۸ میں ہونے والی مکلی کانفرنس کے شرکاء کی آراء کے مطابق اس عالمی ورثے کو جسے یونیسکو نے ۱۹۸۰ کی دہائی میں عالمی ثقافتی ورثے کا حصہ قرار دیا، تحقیق اور حفاظتی اقدامات سے خالی ہونا ایک بڑے ثقافتی خزانے کو تباہی سے دوچار کرنے کے مترادف ہے۔ مکلی میں فارسی زبان وادب کے ان گنت آثار موجود ہیں جو ایک طرف تو اس پورے علاقے کی ثقافت اور زبان پر فارسی اثرات کے لئے حوالہ جاتی اتھارٹی کی حیثیت رکھتے ہیں اور دوسری جانب کلاسیکی شعر وادب کا ایک نادر خزانہ ہیں۔ ارغون اور سما بادشاہتوں کے زمانے میں ہنر اسلیمی اور عربیک اسلیمی ڈیزائن کی قبور مکلی کے اس نادر ورثے کی خوبصورتی اور تحقیقی و ثقافتی اہمیت میں مزید اضافہ کرتی ہیں۔ امیر خسرو اور کلاسیکل دہلوی و لکھنوی شعراء کے کلام میں مکلی کا حوالہ ماضی کے اس تجارتی اور ثقافتی نیز تصوف کے مرکز کے تعارف میں سندھ کا درجہ رکھتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ سندھ کے فارسی شعراء کے کلام میں مکلی کا حوالہ اس کی اہمیت کا آئینہ دار ہے۔ ماخذات اولیہ کی کمی اور موضوع پر قابل ذکر تحقیقی مواد کی عدم دستیابی کے باوجود زیر نظر مقالہ میں کوشش کی گئی ہے کہ ایک طرف اس عالمی اسلامی ورثہ کی اہمیت اجاگر کر دی جائے اور دوسری طرف برصغیر پاک و ہند میں فارسی زبان وادبیات کی تاریخی اہمیت اور نفوذ کو بھی اجاگر کر دیا جائے۔

مکلی کی تاریخ

مکلی کی نزدیکی تاریخ پر حسام الدین راشدی کا کام قابل ذکر ہے۔ البتہ یہ مکلی کے قبرستان اور اس میں موجود فارسی شعر وادب کے آثار سے زیادہ علاقائی نوعیت کی تاریخ ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ حسام الدین راشدی کی تاریخ نویسی میں جابجا خداداد خان کی بیاض سے استفادہ کیا گیا ہے۔ بیشتر مقامات انہی کے فٹ نوٹس سے بھرے ہوئے ہیں۔ تاریخ نویسوں کے لئے مکلی کے سنگی کتبے اس قدر اہم نہیں تھے لیکن ان میں کے بعض محققین کو افغانستان، مرکزی ایشیا، ایران اور ہندوستان سے متعلق بڑے مقابر نے اپنی جانب متوجہ ضرور کیا۔ حتیٰ کہ مغل شہزادے داراشکوہ نے اپنی یادداشتوں میں مکلی میں اہل تقدس کی تدفین اور ان کے قطعاتِ تاریخ کا تذکرہ کرنے کو ضروری سمجھا۔ مکلی کا شہر جو ٹھٹھہ کے ساتھ تقریباً متصل ہے، کراچی سے کوئی سو کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ تقریباً نو کلومیٹر کے رقبے پر پھیلا ہوا یہ قبرستان جس کے دو کنارے "ساموئی" اور "پٹھو پیر" کے نام سے

معروف ہیں، دراصل مکلی کی وہی چھے پہاڑیاں ہیں جو قدیمی زمانے کی متمدن ٹھٹھہ پورٹ کے ذرا فاصلے پر شہر خموشاں کی آبادی کہلاتی ہیں۔ یہاں کے ایک انداز کے بنے مقبروں اور قبور میں ایرانی ساخت جھلکتی ہے اور فارسی مصرعوں اور جملوں کی وافر مقدار حیرت میں مبتلا کر دیتی ہے۔ مکلی اپنی اس وسعت کے ساتھ مسلمان جغرافیے کا دوسرا بڑا قبرستان ہے۔ البتہ بعض کے مطابق یہ دنیا کا پانچواں بڑا قبرستان ہے جس سے پہلے وادی السلام، عراق کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ یونیسکو نے اپنی ایک رپورٹ میں مکلی کی پہاڑیوں کے متعلق کچھ یوں لکھا ہے:

"مکلی اپنی طرز کا واحد اور منفرد عالمی ورثہ ہے اور یہ عالمی ورثہ صوبہ سندھ میں ٹھٹھہ کی چھے عدد پہاڑیوں میں اس کے دیہاتی علاقے سے اوپر کی جانب واقع ہے۔ اس میں شعراء، سلاطین اور مذہبی رہنماؤں کے مقابر شامل ہیں۔ جن کا تعلق ساتویں صدی سے چودہویں صدی ہجری تک کا ہے۔ ان میں چھے مختلف مناطق میں موجود 21 زیارت گاہیں شامل ہیں اور ان کی تباہی کا خطرہ پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گیا ہے۔ دریائے سندھ کے قدیم راستے پر واقع 1000 ہیکٹر سے زائد رقبے میں 64 اہم مقبرے اور پانچ سے دس لاکھ کے درمیان قبور شامل ہیں۔ جن کا زمانہ ساتویں سے چودہویں صدی ہجری تک کا ہے۔ اس سائٹ کی ایک جدید ٹیم کے ذریعے حفاظت کی جارہی ہے مگر مکرر عوامی آمدورفت، بجٹ کی کمی، دیکھ بھال کا فقدان، حفاظتی و تعمیری مواد کا نہ ہونا، ہوا اور نمک کے مقابر پر اثرات وغیرہ ایسے جدید خطرات سے ہیں جن سے نمٹنے کا کوئی معقول انتظام موجود نہیں ہے۔"[1]

2019 کی اسپین کی ایک مانیٹرنگ موومنٹ اسی باب میں کچھ یوں رقم طراز ہے: "2018 کے اوائل میں ڈاکٹر متھائس بیک نے ایک اہم تحقیق انجام دی جس کا مرکزی نکتہ مکلی کا جام نظام الدین کا مقبرہ تھا۔ اس تحقیق کے مطابق مقبرے کی تعمیری صورتحال، ارضیاتی پوزیشن اور دوسرے ساختی ڈھانچے اسی خطرناک پوزیشن کا سامنا کر رہے تھے جس کے انجام اس عظیم ورثے کی تباہی پر منتج ہوتا ہے۔" ایک اور جگہ لکھتے ہیں: " اس ورثے کی تباہی سے بچنے کا پہلا کام کریک مانیٹرنگ کے اہم پروٹوکولز کا قیام و تنصیب تھا۔ کراچی میں موجود آرکائیوز کی ورق گردانی کے دوران بہت سے پرانے فوٹو ملے جن کی اکثریت برٹش دور اور بیسویں صدی کے اوائل کی ہے اور اسی طرح سائٹ کے وزٹ کے دوران بھی پلاسٹک اور شیشے کے بہت سے کریک مانیٹرنگ کے ٹولز نظر آئے جن کے بارے میں حیرت انگیز طور پہ کوئی تحریری ریکارڈ موجود نہیں تھا۔ بالکل اسی طرح موجود مانیٹرنگ پروٹوکولز پر بھی کسی قسم کی تاریخ اور معلومات موجود نہیں ہیں۔"[2]

یاد رہے کہ اسی رپورٹ میں جام نظام الدین کے مقبرے میں بیس سے زائد خطرناک کریکس کی موجودگی کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ اس قسم کے بعض دیگر آثار واظہارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکلی کی تباہی کے لیے اب ہمیں اگلی نسل تک کے انتظار کی ضرورت نہیں بلکہ ہم لوگ ہی لوگ اس عالمی ورثے کو اپنے ہاتھوں سے جاتا

دیکھیں گے۔ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ یونیسکو نے 80 کی دہائی میں ہی مکلی کو عالمی ورثے کی فہرست سے نکالنے کی دھمکی دے دی تھی۔ موجودہ صورتحال میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مکلی کا قبرستان 2010 کے سیلاب اور اس کے بعد قبضہ گروپوں کی دست برد کا شکار ہو کر اپنے باقی ماندہ ورثے سے بھی محروم ہوتا جارہا ہے۔ یونیسکو نے 2018 میں عالمی ورثے سے نکالنے کی دھمکی دے کر اس بات پر قریبا" مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ چنانچہ وہی عالمی ورثہ جسے کبھی اس کی اہمیت سے متاثر ہو کر "ایل ڈوراڈو" کہا گیا تھا، اسی سنہری سرزمین کی طرح لٹتا جارہا ہے جس کا ذکر اس لقب کے پس منظر میں خوابیدہ ہے۔

تاریخی پس منظر

قرون وسطی کا جنوبی ایشیاء اپنے آس پاس کی جدید دنیا سے بہت مختلف تھا۔ بعض یونانی تاریخ کے محققین کے مطابق یہ علاقہ اسکندر اعظم کی تاخت و تاراج کا بھی ہدف رہا۔[3] حیرت انگیز طور پر دلچسپ اور تجسّس ابھارتی ثقافتی اقدار اور ان کی بہت سی رائج شکلیں جو بعد ازاں پیدا ہونے والی جمالیات سے متعلق ایک مقدمے کی حیثیت رکھتی تھیں۔ بعض ذہین مبصرین نے اس بنیاد کی تلاش کے لئے بہت ساری وجوہات تلاش کیں، جو ماضی کی بہتر تفہیم کے لئے صدیوں کے فاصلوں کے مابین پلوں کی تعمیر میں معاون ہو سکتی ہیں۔ ٹھٹھہ اسی زمانے کو تاریخ سے ملاتا ہوا نیز ایک بہت مصروف بندرگاہ کی حیثیت سے اس وقت تک قابل رسائی دنیا کے تقریباً نصف حصے کو ایک مرکزی بندرگاہ سے جوڑنے والا ایک حیرت انگیز شہر اور ایک خوشحال تجارتی مرکز تھا۔ مکلی نے ٹھٹھہ شہر کے ایک لازمی حصے، یعنی قبروں پر بنی ہوئی شبیہوں اور تحریروں کو جسے ٹھٹھہ کی ثقافت کا ایک اہم لیکن انتہائی خوبصورت حصہ کہنا چاہیے، اپنی آغوش میں بچا کر رکھا ہے۔ یہ اس قصبے کے فنون لطیفہ کی وہ تاریخ ہے جس نے ٹھٹھہ کو تاریخ میں روشن رکھا ہوا ہے۔ مکلی کا قبرستان ایشیاء اور افریقہ کے سب سے بڑے مسلم قبرستان میں سے ایک ہے جس میں قرون وسطی کے شہر کی ترقی کی نادر نمونوں کی روایت، تولیدی صلاحیت کی حامل ایک اہم بندرگاہ کے مٹتے ہوئے آثار، ایک متحرک معاشرے میں معماری کے رجحانات کا خیر مقدم کرنے، وسیع بحری تجارت اور ادب کے بیان اور فنون لطیفہ سے محبت کرنے کی تمام صلاحیتیں موجود ہیں۔ ٹھٹھہ ایک وسیع و عریض علاقے کو سمیٹتے ہوئے تجارت کی ضروریات کو پورا کرنے والی تعلیم، روزگار اور وسیع تجارتی سامان مہیا کرنے والی ایک بڑی آبادی تھی جو ایشیا کے ایک پر کشش شہروں میں سے ایک تھی۔[4] موجودہ مطالعے میں عالمی معاشرتی ورثہ، مکلی سے متعلق نیز ٹھٹھہ کے قبرستان اور اس کی خطاطی کے جوہر اور روح کو حاصل کرنے کے لئے صرف انگشت شمار جامع دستاویزات دستیاب ہیں۔ یہ حقیقت قرون وسطی کے دور کی تاریخ نگاری کے نئے سرے سے پڑھنے کی طرف اشارہ کرتی ہے، جس میں شامل مواد کے تجزیاتی مطالعہ کی دوبارہ سے ضرورت ہے، چاہے

وہ مقدس کتابوں سے استخراج شدہ ہو یا عام نوعیت کا ہو، جس میں جامع اعداد وشمار کی مدد سے مکلی اور اس قبرستان میں موجود تمام متن کا احاطہ کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ اس میدان میں کسی اچھے اسکالر اور ماہر کا کام، ٹھٹھہ مکلی کے ماضی کی مزید تحقیقات اور مطالعہ کے لئے بہت سارے امکانات کا دروازہ کھول سکتا ہے۔

یونیسکو عالمی ثقافتی ورثہ کی توقعات

یونیسکو کی 2016 کی مکلی کے قبرستان کے بارے میں شائع ہونے والی رپورٹ ایک ایسی دستاویز ہے جو مناسب طور پر اس ثقافتی ورثے کی تفہیم کے سلسلے میں معاون ثابت ہو سکتی ہے۔ مزید برآں، یہ اس کے تحفظ کی اہمیت کا احساس کرنے کے لئے بھی راہنما کردار ادا کر سکتی ہے اور آخرکار اسے ایک مناسب تحقیقی مطالعے میں اہم کردار کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔ آج ٹھٹھہ شہر کی زندگی کو پڑھنے میں مکلی کا حوالہ ایک بنیادی ضرورت ہے۔ خاص طور پر یہ تو کہا ہی جاسکتا ہے کہ ایک روشن دن میں جدید دنیا کے ماہرین آثار قدیمہ کا اس شہر کا مشاہدہ و مطالعہ کرنے کے لئے آنا اس بات کا ثبوت ہے کہ مکلی میں بڑی تعداد میں قبور کی موجودگی، مقبروں کی عمارتیں، ان کے پلیٹ فارم اور سب سے بڑھ کر ان کے نقش ونگار جو پوری دنیا میں اپنی مثال آپ ہیں اس بات میں کوئی شبہ نہیں چھوڑتے کہ یہ جگہ مردوں کے ساتھ ساتھ اس زمانے کے زندہ لوگوں کی بھی پسندیدہ جگہ ہے۔[5]

مکلی کے حوالے سے ایک مغربی شہری کا مشاہدہ ہے: "یہاں محنت اور وسعت میں کوئی کمی نہیں چھوڑی گئی لیکن افسوس کی بات یہ ہے جس شخص کے لئے یہ کام انجام دیئے جاتے ہیں، وہ مر چکا ہوتا ہے۔ پھر یہ مشاہدہ کرنے والا گویا نوحہ کرتا ہے: شاید یہ جگہ مردہ لوگوں کو زندوں سے بہتر رہائش فراہم کرنے کے مضحکہ خیز مقصد سے پُر ہے۔"[6] یہاں کی زیادہ تر قبریں چودھویں صدی سے متعلق ہیں جن کے بارے میں ابتدائی حوالہ جات ان کے بارے میں بالواسطہ نوعیت کی معلومات فراہم کرتے ہیں۔ لیکن یہ ایک ایسی سرگذشت ہے جسے شہر کی تاریخ سے نکال کر پھینکا نہیں جاسکتا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ قرون وسطیٰ کے وسطی ایشیاء کی سرگذشت میں مکلی کے قبرستان اور ٹھٹھ کی تاریخ کا ایک ناقابل فراموش باب موجود ہے۔ ایشیا کی تاریخ میں بہر حال موجود رہے گا چاہے اشاراتی طور پر ہی سہی لیکن ذکر تو ہوگا اس خطے میں ایک ایسا قبرستان موجود تھا جو خطے کی سماجی اور جغرافیائی تبدیلی میں پوری طرح سے شریک تھا۔ دریائے سندھ کے ڈیلٹا میں قائم بندرگاہوں اور دیگر تجارتی مقامات کے بارے میں کسی بھی قسم کی مبسوط معلومات کا کوئی ایک مستقل ذریعہ نہیں ہے۔ لیکن ان سب میں مشترکہ طور پر پرانی بندرگاہوں کے تسلسل سے موجود رہنے کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے، جو خود ٹھٹھہ کی بندرگاہ کی اہمیت کی ایک بہترین دلیل ہے۔ تاریخ مبارک شاہی، جس میں لکھا گیا ہے کہ سلطان معیز نے اچ کے بادشاہ کے خلاف فوجی

چڑھائی کی تھی۔ وہاں بھی ٹھٹہ کی بندرگاہ کو ایک اہم ترین تجارتی اور کاروباری شہرت کے حامل مرکز کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

محققین کی دلچسپی کا موضوع

مکلی ایک قبرستان ہی نہیں، امنگوں او ر آرزوؤں کا مدفن بھی ہے۔ مکلی کے قبرستان میں قبور کی تیاری کا سرمایہ فراہم کرنے والوں، ماسٹر کاریگروں اور دانشوروں، جنہوں نے مکلی کے قبرستان کی حدود اور ثقافتی اہمیت کو اس زمانے تک باقی رکھنے اور اس کی معماری میں کرنے میں مدد کی، ان کی مناسب تحقیق کی جانی چاہیے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ جو بھی کردار ٹھٹھہ میں شہرت پایا، خصوصا" مکلی" کے بارے میں، اس کا کردار نامعلوم ہی ہے۔ چاہے اس کی اہمیت زیادہ تھی یا کم؛ مخصوصا شعراء اور دست کار کاریگر۔ امیر نامی محقق کے مطابق بہت سے پاکستانیوں کے ساتھ اسلام کے تاریخ دانوں اور اسلامی آرٹ کے ماہرین بھی اس بات سے عمومی طور پر ناواقف دکھائی دیتے ہیں کہ اس علاقے میں چودہویں صدی تک کے زمانے کا ایک فعال ثقافتی اور تاریخی مرکز پایا جاتا ہے۔ اور یہاں تک کہ ایک فروغ پذیر دستکاری مرکز کے طور پر بھی اسے کبھی اہم نہیں سمجھا گیا۔ جبکہ ٹھٹھہ اور مکلی کی پہاڑیاں صوبہ سندھ کے اہم حصے میں سے ایک شمار ہوتے ہیں اور اصولاً مکلی کو ملک کے تاریخی مقامات میں سے قابل ذکر ترین مقام ہونا چاہیے۔

ایک نامور مستشرق کے مطابق مکلی کی پہاڑی شمال سے جنوب تک چار یا پانچ میل تک وسعت رکھتی ہے اور یہ ایک وسیع قبرستان ہے۔ ادبی حوالوں میں بھی ٹھٹھہ سینکڑوں سال کی مدت تک مسلسل تذکروں میں آتا رہا ہے۔ بھارت پرانتو سروے (قبل از تقسیم ہند) میں ذکر ہے کہ اس ایک ملین سے زائد قبروں پر مشتمل قبرستان کے تذکرے میں ایک شاعر اچ کے بارے میں ذکر کرتا ہے جہاں صرف ایک مشہور قبر ہےاور پھر اس کے حوالے کے طور پر مکلی اور ٹھٹھہ کا ذکر کرتا ہے۔ ٹھٹھہ اور مکلی دونوں ہی مشہور شہر ہیں جن کو ہمیشہ ایک شہر کے طور پر نہیں سمجھا جاسکتا، حالانکہ یہ دونوں جگہیں گذشتہ چند صدیوں سے ایک دوسرے کے ساتھ کھڑی ہیں اور ایک دوسرے کا لازمہ شمار ہوتی ہیں۔ لیکن بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ قرون وسطی کے زمانے میں اس وقت کے ٹھٹھہ کے قصبہ کو حیات بخش ہوا اور ماحول اور آج مکلی کو موجودہ دور کے قصبہ ٹھٹھہ کو شمال مغربی جانب واقع ہونے کی وجہ سے نسبتا مختلف تصور کیا جاسکتا ہے۔ مکلی اور ٹھٹھہ کے ابتدائی حوالے زیادہ تر 14 ویں صدی سے متعلق ہیں۔ اگرچہ یہ بالواسطہ ہیں، اور قصبے کی اصل کی تاریخ پر زیادہ روشنی نہیں ڈالتے لیکن پھر بھی یہ کچھ اشارے ضرور فراہم کرتے ہیں جن سے کچھ تاریخی اور کچھ نئے پہلوؤں کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔

اس قصبے اور اس کے قبرستان کے وجود کے بارے میں یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اس خطے میں کافی سماجی اور جغرافیائی تبدیلیاں آتی رہی ہیں۔ مختلف ادوار میں بعض باہم منسلک واقعات پیش آئے جن میں ایک تو بڑی تیزی سے دریا کا راستہ تبدیل ہونا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دریا کی طغیانی نے بہت سے تہذیبی ذخائر کو تباہی سے دوچار کر دیا۔ اسی طرح پہلے سے قائم شدہ بندرگاہوں کی نئی ترتیب وانتظام اور نئی بندرگاہوں کے نئے بازار وجود میں آجانا اہم تبدیلیاں تھیں۔ معاشی ضروریات کی قوت سے چلنے والے اس خطے کو کسی بھی وجہ سے نئی بندرگاہوں کی دوبارہ قیام پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ بعض جگہ اس تاریخ میں پرانی بندرگاہوں کے ناموں کے مستقل استعمال کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔ تاریخ مبارک شاہی، سال 838 AH میں لکھا ہے: "یہ وہی بادشاہ ہے کہ جس کا نام معزالدین سام غوری ذکر کیا جاتا ہے، اسی نے اچ کے خلاف فوجی چڑھائی کی تھی۔ جبکہ یہ ملتان اور دیبل کا حکمران تھا۔" [7]

اسی طرح طبقات اکبری میں بھی ٹھٹھہ کا مبسوط ذکر پایا جاتا ہے۔ اس طرح کے حالات میں ٹھٹھہ کا جو بھی کردار تھا لیکن تاریخ میں اسے ایک ترقی پذیر ہنر مندی اور ثقافتی بڑھوتری کے مرکز کے طور پر جانا جاتا تھا جس میں 14 ویں صدی کی مخصوص ثقافتی زندگی موجود تھی، اور یہ سلطنت کا ایک دور دراز لیکن اہم مقام ہونے کی قابلیت سے بہرہ ور تھا۔ عین اسی زمانے میں مکلی بھی اس جگہ کی ایک قابل تقدس ثقافتی نشانی کے طور پر ابھر رہا تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ابن بطوطہ نے چودھویں صدی میں اپنے کے سفر نامے میں ٹھٹھہ کا ذکر نہیں کیا جبکہ اس وقت تجارت میں یہ شہر یمن اور فارس کے ساتھ منسلک تھا جس کی بندرگاہ کی سالانہ آمدنی اس وقت قریب چھ لاکھ روپے تھی لیکن ابن بطوطہ کا ذکر نہ کرنا یہ ثابت نہیں کرتا کہ اس وقت ٹھٹھہ موجود نہیں تھا۔ دراصل یہ شہر دہلی سے دشمنی کے رشتے میں منسلک تھا۔ جیسا کہ اس کہانی اور اس کے متعلقات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تخت دہلی کے ایک دعوے دار اور ولی عہد نے ٹھٹھہ میں پناہ لی اور خود کو محفوظ سمجھا۔شاید تبھی ابن بطوطہ نے دہلی کے بادشاہ کے دربار میں حاضر خدمت رہنے کی وجہ سے غالبا" اس شہر میں داخل ہونا مناسب نہیں سمجھا۔

سلطان محمد تغلق کی موت اگرچہ ایک معروف حقیقت تھی، لیکن اس حقیقت کو بھی تاریخ نویسوں نے ٹھٹھہ سے متعلق قرار دے کر رجسٹر نہیں کیا۔ بلکہ ایک عمومی واقعہ ہی قرار دیا۔ دہلی میں موجود تاریخی تحریروں میں بھی ٹھٹھہ کی موجودگی کی شہادت دی گئی ہے۔ جب سلطان محم تغلق کے آخری ایام (وفات: 1351 عیسوی) قریب آئے تو اس وقت وہ اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ ٹھٹھہ کے قریب تھا۔ بارش کے موسم کے ساتھ ساتھ مالی وغذائی تنگی بھی شاہی لشکروں کے مجبور ہو کر وطن واپس جانے کی وجہ بنی تھی۔[8] اس زمانے کے مورخوں کو شاید ٹھٹھہ کے بارے میں کافی مقدار میں معلومات دستیاب نہیں تھیں جیسا کہ سلطان معز کی مہم کی کوئی تفصیل مہیا نہیں ہے۔ یہ

مورخ شاید اس وقت بادشاہ کی فوجی چڑھائی کی مہم سے علیحدہ ہی رہے تھے، جس میں بادشاہ نے اپنے کسی باغی کا شدت سے تعاقب کیا تھا اور اس کی گرفتاری کی خاطر ٹھٹھہ تک لشکر لے کر چلا آیا تھا۔ اس کے علاوہ یہ مورخین شاید اس شخصیت کے بارے میں بھی زیادہ معلومات سے آگاہ نہیں تھے جس کا سلطان نے ٹھٹھہ کے نواح تک بہت شدت سے تعاقب کیا تھا حتی کہ بعض لوگ تو سرے سے کسی بغاوت کا ہی انکار کرتے ہیں۔ اسی طرح اس زمانے کے مورخین سیہون میں سلطان محمد تغلق کی تدفین کے حقائق کو بھی مفصل طور پر فراہم کرنے میں ناکام رہے۔

جب ٹھٹھہ کو دہلی کی سلطنت نے فتح کر لیا تو محمد تغلق کے جانشین فیروز شاہ نے قبضہ سنبھالتے ہی سیہون کے صوفی عثمان مروندی کے مقبرے میں جمعہ کی نماز میں سلطان کے نام اور خطبہ کی تلاوت شروع کر دی۔ سیہون اور ٹھٹھہ کی دیرینہ قربت اب بھی مشہور ہے۔ ٹھٹھہ کے نزدیک محمد تغلق کی موت کی حقیقت تو ایک معروف واقعہ ہے، لیکن ان کی تدفین کے متعلق حقائق مورخین نے درج نہیں کیے۔ امیر خسرو اور دیگر مقامی شعرا کے اشعار میں اس قسم کے واقعات کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔ البتہ اس طرح کی تمام تعریفیں، جو شاعرانہ مبالغہ آرائی کی طرز میں بیان ہوا کرتی ہیں ضروری طور تاریخی سیاق وسباق کے مطابق نہیں ہوتیں۔ البتہ ان کو اظہار خیال اور عمومی فکر کی عکاسی کے طور پر قبول کیا جاسکتا ہے۔ ایسی اعلی ثقافت کے حامل معاشرے میں ایک ایسی شہری زندگی کی ترتیب کا وجود میں آ جانا جہاں ایک خاص طرح کی منصوبہ بندی واضح طور پر موجود دکھائی دیتی ہے ایک اہم تاریخی گواہی ہے۔ آج ٹھٹھہ کے قصبے میں کچھ جھونپڑیوں کے آثار اور مکلی کی پہاڑی پر کھڑے کھنڈرات اس وقت کی انتہائی ترقی یافتہ ثقافت کی بڑی اچھی اور واضح شہادت دیتے ہیں۔ ایس پی جھبیلانی کے مطابق: "15 ویں صدی کے دوران سما بادشاہوں کا عروج آہستہ آہستہ زور پکڑ رہا تھا اور اسی کے ساتھ ساتھ دہلی کی طاقت کو بھی زوال آ رہا تھا۔ اسی دور میں ٹھٹھہ کے نواح میں بحری تجارت میں نمایاں اضافہ ہوا کیونکہ باہر سے فوجی مداخلت کا امکان کم ہی ہوتا تھا۔"[9]

البتہ ماضی میں سما بادشاہوں کی جارحیت کے دوران ایک مختلف قسم کی صورتحال پیدا ہوتی رہی۔ سابقہ تیموری سلطنت میں قبائل کے درمیان بڑھتی ہوئی عسکریت پسندی نے ایسی فضا بنا دی کہ امیر گرگان کی افواج کے ایک حصے میں ارغونوں نے اپنے کمانڈر ذوالنول بیگ ارغون کے ماتحت کام کیا، جس نے بعد ازاں قندھار کی گورنری کا عہدہ سنبھالا۔ ایسی ہی ایک مہم کا ارغون افواج کو بھاری نقصان بھی اٹھانا پڑا، جہاں ان کے کچھ اہم افراد سندھ کی قبائلی افواج کے ہاتھوں مارے گئے۔ یہ واقعہ 1490 عیسوی میں پیش آیا۔ اس طرح کے ایک تاریخی مخطوطے میں یہ ذکر موجود ہے، جہاں جام مبارک خان کی چھاپا مار کاروائی کو فخر سے بیان کیا گیا۔ اس کے بعد کے واقعات

سے پتہ چلتا ہے کہ سندھ کے مختلف قبائل نے اس شورش زدہ صورتحال کا فائدہ اٹھایا، جہاں جام فیروز (1.915-16ھ) نے سلطنت سما کے آخری حکمران کو شکست سے دوچار کر دیا۔[10]

قبائلی روایات کی ترجیحات سما بادشاہوں کے آخری دور تک مستقل طور پر پوری قوت سے موجود تھیں اور اپنا کردار ادا کر رہی تھیں۔ تاہم ارغونوں اور ترخانوں کے دور سلطنت کے آغاز کے بعد سیاسی دشمنیوں نے مقامی قبیلوں کو ٹھٹھہ کے جنوب مغرب کے علاقوں میں پسپا کیے رکھا۔اس طرح 1516-1521 عیسوی کے بعد، سندھ کی قبائلی قوتوں کی شکست کا واقعہ بھی پرانی تاریخی روایت سے مختلف رہا۔ سندھ میں ارغون اور ترخان فوجی جارحیت کے عروج کے ساتھ ہی ٹھٹھہ میں وسطی ایشیائی عمارت سازی کے فن کی مقبولیت میں تیزی سے اضافہ ہوا۔اس کو تیموری روایات کے وسیع پیمانے پر آغاز کا نام دیا جاسکتا ہے۔جس میں پتھر کی سطحوں کے استعمال کے برخلاف معماری کے فن میں سیرامکس (کاشی کاری) کو بھی قبول کر لیا گیا۔

جب قبائلی عمائدین کا اثر ارغونوں کو اقتدار میں لانے کا سبب بنا تو یہ تاریخی موڑ ٹھٹھہ شہر کے سفاکی اور تباہی کے ساتھ زوال کو ساتھ لے کر آیا تھا۔یہ سندھ کی تاریخ کے المناک ادوار میں سے ایک تھا جب شاہی خاندانوں کے علاوہ طاقت حاصل کرنے والے گروہ اپنے لیے مزید مواقع پیدا کرنے اور فوجی سازشوں کے ذریعے ایک بہتر ترقی کے حامل معاشرے کو تسخیر کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔لیکن اس واقعے نے معاشرے کے پیداواری عناصر اور فیصلہ ساز قوتوں کے مابین رابطے کو مکمل طور پر تباہ کر دیا، جس سے تجارت اور ترقی پذیر زراعت کا ایک بہت بڑا حصہ شدید متاثر ہوا۔انہی میں سے بعض قبائل کے بعد کے زمانوں میں روا رکھے جانے والے ظلم وستم اور زراعت سے وابستہ آبادی کے خلاف جارحانہ پالیسیوں نے حکمرانوں اور مقامی افراد کے مابین ایک خلیج پیدا کر دی۔اس فرق نے ثقافتی امنگوں کو بری طرح متاثر کیا، اس کے علاوہ باغی قوتوں کو زراعت سے وابستہ آبادی میں شدت کے ساتھ حکومت سے بغاوت کا خیال پیدا کرنے میں کامیابی حاصل ہو گئی۔لیکن اس سب کے دوران مقامی کاریگر نے بہت نقصان اٹھایا۔البتہ اس تبدیلی نے گجرات کے علاقوں اور سندھ کے درمیان ثقافتی روابط کو متاثر کیا، اس کی بجائے اس زمانے کی ثقافت نے مغرب کی سمت کے علاقوں میں اپنے رابطے کو بڑھایا۔اس درمیانی مدت میں ترتیب پانے والے آرکیٹیکچرل ڈیزائن میں اس رویئے کی جھلک نظر آتی ہے۔ مکلی کے لوگوں کی ترجیح ٹھٹھہ میں دفن ہونا رہی بھی ہو تو جو کچھ ٹھٹھہ قصبہ کے حصے میں آیا وہ آج باقی نہیں بچا، سوائے ایک دو تباہ شدہ ڈھانچوں کے۔

بنگال میں شیر شاہ سوری کے عروج نے ہندوستان کے مغل بادشاہ ہمایوں کو فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔ تیموری بادشاہت کے روایتی پیروکاروں سے کچھ مدد حاصل کرنے کے ہدف کے ساتھ سندھ پہنچنے پر ہمایوں نے شاہ حسن

ارغون سے کافی ٹھنڈے دماغ سے ملاقات کی۔شاہ حسن ارغون نے بھی مکمل طور پر شائستگی کا اظہار کیا لیکن یہ رابطہ صرف پیغامات تک ہی محدود رہا۔ حتیٰ کہ وہ ذاتی طور پر بادشاہ وقت کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے حاضر بھی نہیں ہوا۔اسی طرح اس نے ملحقہ علاقوں کی فصلوں کو بھی تباہ کیا تاکہ پہنچنے والی فوج کو مشکلات پیدا ہوں۔اس مقامی حکمران نے بالآخر ٹھٹھہ کو اپنے قبضے میں ہی روکے رکھنے اور سلطنت دہلی کے بجائے کہیں اور سے مدد حاصل کرنے کا فیصلہ کیا جبکہ عام حالات میں وہ بادشاہ کے سفر اور لشکر کے اخراجات فراہم کرنے کا پابند تھا۔اسی اثناء میں شاہ حسن ارغون کا اچانک انتقال ہو گیا۔[11]

اگرچہ ان میں اور امیر میرزا عیسی میں ٹھٹھہ میں اور سلطان محمود کی طرف سے بھکر کی حکومت سنبھالنے کی وجہ سے رنجش ختم ہو گئی تھی۔ البتہ اس غیر رسمی وقتی انتظام سے بعدازاں الجھن پیدا ہونے کا خدشہ تھا، کیونکہ دونوں ہی ٹھٹھہ اور بھکر کے مابین باقی ماندہ علاقے کی حکومت کے خواہشمند تھے۔ میرزا عیسی نے پرتگالیوں سے امداد حاصل کرنے کی کوشش کی اور حالات کی سختی کے باوجود بھکر پہنچنے کی امید میں جلدی سے سیہون کی طرف آگے بڑھا لیکن اس موقع پر سلطان محمود کی انصاف پسندی نے میدان جیت لیا اور میرزا عیسیٰ کو اس کی پیش کردہ مفاہمت کی تجاویز سے اتفاق کرنا پڑا۔اسی اثنا میں پرتگالی ٹھٹھہ پہنچے، اور انہیں مدد کے لیے بلانے والوں کو شدید نقصان اٹھانا پڑا، کیونکہ انہوں نے میرزا عیسیٰ کو سلطان محمود کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے خود مشاہدہ کیا تھا۔اس وقت ٹھٹھہ میں کوئی بھی ایسی قوت نہیں تھی جو اس فیصلہ کن صورتحال میں مرکزی کردار ادا کر سکے اور پرتگالیوں کو کم از کم اس لشکر کشی کا معاوضہ ہی ادا کر دے۔ نتیجے میں پرتگالیوں کے اس شدید غصے کو ٹھٹھہ کے بے قصور باشندوں (973 ھ / 1565-6) نے ہی جھیلا اور اس کا شدید انھیں شدید نقصان اٹھانا پڑا۔ پرتگالیوں نے ان کے جان ومال کو بہت نقصان پہنچایا اور شہر کے بعض حصوں کو تباہ کر دیا۔

تاہم اب بھی ہمارے پاس اس دور کے کچھ یورپین سیاحوں کے ذریعہ کچھ نہ کچھ تاریخی مواد دستیاب ہے، جو ہمیں ٹھٹھہ کی ترقی کرتی ہوئی معیشت کا نسبتا منصفانہ جائزہ پیش کرتا ہے۔وِنگٹن نے ایک روشن تصویر پینٹ کی ہے کیونکہ وہ ٹھٹھہ کو تجارت کے معاملے میں انتہائی اہم قرار دیتا ہے اور اس کی بندرگاہ تک بآسانی رسائی کی اطلاع بھی فراہم کرتا ہے۔اس کی نظر میں سترہویں صدی کے اوائل میں ہندوستان میں ٹھٹھہ ایک خاص اہمیت کا حامل مقام تھا۔یہ ونگٹن نامی سیاح ایک سفر میں جو آف لینڈ، خلیج ہونڈوراس سے لے کر بحر جنوبی تک جان کاک برن اور پانچ دیگر انگریزوں کے ساتھ انجام دیا گیا تھا، انہی باتوں کا ذکر کرتا ہے۔[12] ونگٹن کی اس تاریخی رپورٹ کے ساتھ کہ وہ کیسے ایک انگریز کے ساتھ جو اس سے قبل اپنے ہندوستانی ساتھی کے ساتھ بحفاظت ٹھٹھہ پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور پھر وہاں پراسرار حالات میں اس کی موت ہو گئی، اس حادثے کی وضاحت کرتا ہے۔ دراصل اس

واقعے کی صرف ایک ہی وضاحت دستیاب تھی کہ اور وہ یہ کہ وہ دو پرتگالی حملہ آوروں کے ذریعہ زہر سے مارا گیا جو وہاں کے یورپی باشندے ہونے کی وجہ سے آسانی سے اس کے قریب پہنچ گئے تھے۔[13]

ٹھٹھہ پر مغلوں کا مغلوں کا قبضہ محض باج گزاری اور اس کے لین دین کا معاملہ نہیں تھا، جیسا کہ عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ ابتدا میں مغل جارحیت کی وجہ سے میرزا لانی بیگ، جس نے میر علی باقی کی جگہ حاصل کی تھی وہ مغلوں کی دفاعی ضرورت کو سمجھ گیا تھا، چنانچہ اسی کے مطابق اس نے دوہرا رویہ اختیار کر لیا تھا۔البتہ نئے حکمرانوں اور امراء کو مغل قبضے سے پیدا ہونے والے خلا میں بعض ضروری اقدمات اٹھانا پڑے تھے۔ بعض اوقات ٹھٹھہ سے ان کی غیر حاضری دیدہ دانستہ انجام دیا گیا عمل نہیں ہوتا تھا بلکہ انہیں مغلوں کی عدالت میں حاضر ہونا ضروری تھا تاکہ وہ کسی اور کو وہاں کا حکمران متعارف نہ کروادیں۔اس سے قطع نظر، معاشرے کی مجموعی ترقی اور اس کے ثقافتی طریقوں کے منبج پر غور کرتے ہوئے ہمیں ان لوگوں کا کردار بڑا بھرپور نظر آتا ہے جو اس کی ثقافتی حساسیت سے بڑے پیمانے پر متاثر تھے۔

شاہ حسن ارغون کی تدفین

اس وقت کے حکمران شاہ حسن ارغون جب سندھ کے گاؤں سیہون کے قریب انتقال کر گئے تو ان کی لاش کو ٹھٹھہ لایا گیا اور اسے ندی کے قریب میر احمد ولی کے مقبرے میں دفن کیا گیا۔ تاہم ان کی لاش تین ماہ بعد ہی مکلی میں عارضی تدفین کے مقصد کے لیے بنی ایک شاندار قبر میں منتقل کردی گئی۔ سندھ کی اس ابتدائی تاریخ سے مکلی کے بارے میں زیادہ کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ لیکن اگر ہم اس واقعہ کو دیکھیں تو اس سے مکلی سے ایک خاص طرح کی وابستگی کی ایک اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ معاملہ پہلے سے ہی خاصا اہم ہے کہ بادشاہ کے جسم کو اگرچہ عارضی طور پر دفن کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا تھا اور اسے عارضی طور مکلی کے بجائے ٹھٹھہ میں دفن کیا گیا اور بعد ازاں جسم کی منتقلی کو مکلی میں تدفین سے مشروط کیا گیا لیکن اس جگہ کا انتخاب بھی ٹھٹھہ کی ایک مقدس نوعیت کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس مختصر سے قصے سے مکلی سے منسلک وہ احترام ظاہر ہوتا ہے جو بتاتا ہے کہ یہ ایک ایسی امتیازی جگہ ہے جہاں اگرچہ کسی لاش کو منتقل کے لیے تمام پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن ایسی جگہ کو بڑی عزت وتقدیس کا حامل سمجھا گیا اور سمجھا جانا چاہیے جس میں گذر جانے والے بادشاہ کو دفن کیا گیا ہو۔

سید عبد القادر ٹھٹھوی

سید عبد القادر ٹھٹھوی کا کام سال 1607/1016 میں مکمل ہوا۔ مکلی سے متعلق ان کے مخطوطات جن میں اس قبرستان میں دفن کے آغاز کے مدت کا حوالہ موجود ہے۔اس کے لیے احتمال یہی ہے کہ انہوں نے یا تو نے پہلے سے موجود کسی متن سے اشارہ لیا ہو گا، یا وہ عام طور پر مشہور کسی لوک داستان پر انحصار کر رہے تھے۔ بہر حال اب

اس کی تصدیق ناممکن ہے۔ لیکن انہوں نے نے بھی تدفین کے آغاز سے متعلق بڑی متضاد معلومات دی ہیں۔ مثلا" انہوں نے بتایا ہے کہ یہ صوفی پیشوا شیخ حماد جمالی ہی تھے جنھوں نے سلطنت سما کے رئیس وحکمران جام تماچی کو مشورہ دیا کہ اب کے بعد سے مکلی کی پہاڑی پر تدفین کی اجازت دی جائے۔ یہ ایک دلچسپ بات ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مدت سے پہلے مکلی کی پہاڑیوں پر دفن شدہ انسانی باقیات نہیں ملنی چاہئیں۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ عمومی تدفین سے پہلے اس مقام کا استعمال خاص طور پر کچھ داخلی رسوم ورواج سے مشروط رہا ہو یا کسی قسم کے قواعد وضوابط کے ذریعہ اس کو مشروط کر دیا گیا ہو۔ جیسا کہ مقدس ہستیوں کی شفاعت، آخرت کی سختیوں میں نرمی کا تصور وغیرہ۔

عبدالقادر ٹھٹھوی کا بیان مکلی کو ایک تفویض شدہ قبرستان کی حیثیت سے ایک خاص جگہ قرار دینے کی گواہی تو دیتا ہے۔ ان کی نظر میں یہ پہاڑی ایک مقدس جگہ تھی اور اس نے وقت کی مشہور شخصیات کی فانی باقیات کو اپنے دامن میں جگہ دی۔ایک اور تاریخی تحلیل تاریخ سندھ کے دیگر مورخین میں سے بعض کی طرف سے لکھی گئی ہے جن میں ٹھٹھہ سے باہر کے مورخین مثلاً میر علی شیر قانی کا بیان اہم ہے۔ایک مثنوی کا مصنف میر قانی جو دراصل مکلی کے معماروں کی طرح مکلی سے محبت کرتا تھا اور اکثر اس تاریخی مقام پر جایا کرتا تھا۔ نیز وہاں موجود مقبروں کے ساتھ آشنائی پیدا کرنے کی پوری کوشش کرتا تھا۔ اگرچہ اس کا یہ تاریخی بیان مکلی میں دفن ہونے والے کچھ بہت ہی مقدس افراد کی اطلاع دیتا ہے، لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ اس نے ایک ایسی داستان کو رقم کیا ہے جو سماجی اور ثقافتی نقطہ نظر سے نہایت اہم ہے۔ اگر ہم اس کی تفصیل سے دیکھیں تو علی شیر قانی نے اس جگہ کو ایک مقدس مقام کے طور پر واضح کیا ہے جو خالص اور مقدس افراد کے تدفین کے واقعات سے بھرپور ہے۔ اگرچہ اس نے اپنی تین کتابوں من جملہ الفتح الکرام میں سندھ کی تاریخ میں بڑے پیمانے پر مکلی کا حوالہ دیا ہے[14] جسے سندھ کے فارسی شاعروں سے متعلق ایک اور تاریخی بیان کے ساتھ منسلک کیا گیا تھا۔ان میں ٹھٹھہ اور مکلی کی دیگر مذہبی شخصیات شامل ہیں جن میں سے بعض سے یہ تاریخی بیانات تعلق رکھتے ہیں۔ ٹھٹھہ اور مکلی اور وہاں دفن شدہ افراد کے متعلق قانی نے بار بار اس بات پر زور دیا ہے کہ یہ جگہ ایک منتخب کردہ جگہ ہے اور ان مذہبی لوگوں کی یہاں تدفین کی وجہ سے بھی اس میں مزید تقدس پیدا ہو گیا ہے۔

جب تک مزید کوئی تاریخ شائع نہیں کی جاتی جو اس قبرستان کے بارے میں وضاحت سے بیان کرے اور اس کے ابتدائی ادوار تدفین کو واضح کر سکے، تب تک ہمارے ہاتھ میں یہی تاریخ ہے یہاں تک کہ عام طور پر مغربی ممالک کے محققین خاص طور پر مکلی نہ پہنچ جائیں اور اس سے متعلق تاریخ کو کھوج ڈالیں۔صدیوں کے بعد بمشکل چند یورپی باشندوں نے اس سائٹ میں کچھ دلچسپی ظاہر کی۔ ان میں بھی ارنسٹ ٹرمپ کے تبصرے دلچسپ ہیں

کیونکہ انہوں نے پورے ہندوستان میں جو بھی ان کے مشاہدے کی روشنی میں میں آیا ہے اس میں مکلی ہل کے کھنڈرات کو سب سے زیادہ شاندار بتایا۔

اس طرح کے تاریخی بیانات کی ایک اور مثال الیگزینڈر ہیملٹن سال 1699 عیسوی کے اشاروں پر مبنی اور زیادہ تر مختصر سی تاریخی وضاحت ہے۔اس نے ایک مسافر کی حیثیت سے بیالیس ٹھیک قبروں اور ان سے متعلق 28 تاریخی رپورٹس جو سنہری ریت کے پتھر سے بنی سیکڑوں خوبصورت نقش ونگار اور انتہائی سجاوٹ والی قبروں کے تذکرے پر مشتمل ہیں، کا ذکر کیا ہے لیکن اس کے علاوہ کسی نے بھی کوئی اور تفصیل یا علامتی مواد کی اطلاع نہیں دی سوائے برٹن کے جو ایک استثنائی مورد تھا۔ اگرچہ اس نے عید گاہ کی دیوار پر سال 1043 ھ کی تاریخ صحیح طور پر پڑھی ہے۔ لیکن اس کے علاوہ باقی کے نوشتہ جات پر بھی اس کے تبصرے خاصے دلچسپ ہیں ۔وہ کہتا ہے: "یہاں قرآن پاک کے ایسے الفاظ کی نقاشی موجود ہے جس کی اصل خوبصورتی ناقابل بیان ہے۔"[15] وہ آگے بڑھ کر یہ بھی بیان کرتا ہے کہ در حقیقت ان سے کوئی قابل ذکر تاریخی معلومات حاصل کرنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

دراصل مغربی ممالک میں لوگوں کی تاریخ کا بہت کم حصہ ان کے مقبروں سے سیکھا جاتا ہے جبکہ مسلمان تاریخی نسخہ جات اور تعریفی نوشتہ جات کی بنیاد کو قبول بھی کرتے ہیں اوراس پر اعتماد بھی کرتے ہیں۔ البتہ ہمارے یہاں کی مسیحی یادگاریں کبھی مناسب طریقے سے کبھی محفوظ کی ہی نہیں جا سکیں۔تاہم یہ بتایا جاتا ہے کہ اس طرح تراشی گئی سنگی عبارت پر بعض افراد نے توجہ مرکوز کی اور اس کی بنیادی وجہ ریکارڈ سازی اور نوآبادیاتی دور کے دستاویزاتی کام کا دباو بنی۔ سر سید کی صناد ید سندھ اسی زمرے میں انیسویں صدی کے دوسرے نصف کو بیان کرتی ہے۔ دہلی کی تاریخی عمارتوں کے متعلق اس بیان نے شاید سندھ میں کسی کو متاثر کیا ہو۔ سندھ میں انگریز کمشنر کے عملے کے مقامی اہلکار خان صاحب خداداد خان کا کام ایسا ہی ایک اقدام تھا جس پر تین صدیوں تک کسی کا دھیان نہیں گیا۔ صرف پیر حسام الدین راشدی نے کچھ جزوی ذکر کیا جو خدا داد خان کے ذریعہ مکلی سے کچھ تحریروں پر تحقیق کرنے کا ذکر کرتے ہیں۔ اسی دستاویز سے انہوں نے اپنی تحریروں میں بھی آزادانہ طور پر حوالے دیے البتہ اپنے کیریئر کے دوران خان صاحب کا ایک انتھک مصنف ہونا ثابت ہے۔ وہ 1900 تا 1934 میں سندھ کی ایک مختصر تاریخ سمیت مختلف کاموں میں مشغول رہے لیکن ان کا اصلی کام مکلی پر ہے۔البتہ نہ تو انہوں نے اور نہ ہی کسی اور نے مکلی کی سنگی کتبوں اور ان پر موجود عبارات کے بارے خصوصی طور پر لکھا۔ ان کے دیگر کاموں میں بھی اس طرح اس کا کوئی مجموعہ آج تک دستیاب نہیں ہوا۔

حسام الدین راشدی کا کام[16]

یقینی طور پر یہ احساس ہوتا ہے کہ مکلی میں قبروں اور تعمیری ڈھانچے کی تحقیق پر کافی توجہ نہیں دی گئی۔ دستیاب تاریخیں بہت کم تعداد میں اور محدود ہیں اور متاثر کن مقبروں کی عمارتوں کی کچھ تصاویر سے زیادہ پرانی کتابوں میں کچھ نہیں ملتا۔ اگرچہ ان پر بہت بات کی گئی لیکن شاذ و نادر ہی کوئی حوالہ دیا گیا۔ اس طرح کا کوئی مجموعہ آج تک عملی طور پر نامعلوم ہے۔ خداداد خان کے کام کا بھی معقول انداز میں حوالہ نہیں دیا گیا اگرچہ مکلی نامو کے نقشوں میں بہت ساری تحریروں میں ان کا حوالہ دیا گیا ہے۔ یہ قابل تعریف ہوتا اگر کم از کم دستیاب معلومات کی حد تک مختصر طور پر ہی سہی، لیکن سنگی کتبوں کے بارے میں کچھ بیان کیا گیا ہوتا لیکن بد قسمتی سے اس بارے میں کوئی بات ہی نہیں کی گئی۔ یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ آیا سنگی کتبوں کا کوئی ریکارڈ بنایا بھی گیا تھا یا نہیں، اور کیا صرف ان کی تعداد کو ہی خداداد خان نے اپنی بیاض میں درج کیا تھا یا نہیں تاہم فوٹ نوٹس لکھنے کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیاض ایک اچھا ماخذ ثابت ہو سکتی تھی اور شاید ہوئی بھی۔ اگر ایسا ہے تو حقیقت یہی ہے کہ انیسویں صدی کے آخر میں دستیاب بہت سارے سنگی کتبے، سنگی نوشتہ جات اور فارسی شاعری کے نمونے ہمارے پاس سے کھو چکے ہیں۔ در حقیقت "مکلی نامو" کو مرتب کرتے ہوئے اس بات کا خیال ہی نہیں رکھا گیا کہ اس میں سنگی کتبوں وغیرہ کا ذکر کیا جائے تاہم یہ خدشہ باقی ہے کہ مکلی نامو میں دستیاب جزوی حوالوں کے علاوہ آج جو کچھ ہمارے ہاتھ میں ہے اس سے کہیں زیادہ غائب ہو چکا ہے۔

عیدگاہ

روایتی طور پر عیدگاہ ایک اہم مقام تھا۔ اگرچہ ہر سال عید کے دو ہی تہوار ہوتے تھے لیکن معاشرتی طور پر یہ اس دن کے دوران اہم توجہ کا حامل محسوب ہوتا تھا۔ اگرچہ یہ بہت بڑا میدان دو دن کے سوا پورے سال کے لیے استعمال نہیں ہوتا تھا، لیکن اس میں جمع ہونے والی کثیر تعداد کی اہمیت کے تحت مقامی کاری گروں کو اپنی طرف راغب کرنے کا رجحان قوی ہے۔ عیدگاہ کی عمارت میں قبلے کی جانب والی دیوار پر ایک کتبہ موجود ہے۔ یہ سن 1043 ھ میں تیار کیا گیا تھا۔ یہ شاید شاہی نشانات میں سے ایک ہے، کیونکہ یہ ایک مشہور حقیقت ہے کہ شاہ جہاں ٹھٹھہ کو اچھی خاصی اہمیت دیتا تھا۔ اس موضوع کے آغاز کی حقیقت کو ایک کتبے میں محفوظ کر دیا گیا تھا۔ بعد میں دو سو چالیس سال کے بعد عیدگاہ کی بڑی حد تک مرمت کی گئی۔ اس حقیقت کو بھی ایک تاریخ میں درج کر دیا گیا۔ یہ مشاہدہ کافی دلچسپ ہے کہ دونوں تاریخی واقعات ایک ہی سنگی ڈھانچے کو استعمال کرتے ہیں۔ ایک اپنی تعمیر کا سال پیش کرتا ہے (1043 ھ)، دوسرا اس کی مرمت اور بحالی 1281 ھ کی کہانی سنا رہا ہے۔ اس مجموعے میں ایک ہی خیال کو پیش کیا گیا ہے اور تقریباً ایک ہی مادہء تاریخ کو کچھ تبدیلی کے ساتھ استعمال کیا گیا

ہے۔ پہلے سے تعمیر شدہ سنگی کتبے کو نئی صورتحال میں استعمال کرنے کا دلچسپ رجحان یہاں نظر آتا ہے۔اصل میں یہ ایک پرانا سنگی کتبہ تھا جس کی بعد میں جب مرمت کی گئی تو پرانے کتبے کی حقیقی صورتحال کو محفوظ رکھنے کے لیے بہت احتیاط سے کام لیا گیا گیا حتیٰ کہ مادہء تاریخ میں بھی اسی طرح کی عبارت کا استعمال کیا گیا۔

مکلی کا قبرستان اور فارسی ادب کی یادیں

مکلی کا قبرستان امانتداری کا ایک ایسا جہان ہے جس نے اس گئے گذرے دور میں بھی لٹے پٹے آثار کو ایک خوفزدہ ماں کی طرح دامن میں سمیٹ رکھا ہے۔اس میں کہیں تو فارسی نثر اور شعر کا رنگ ہے اور کہیں قبرستان کا وحشت ناک انداز میں پھیلتا سناٹا۔ کہیں کلام مقدس کی آیات کا سہارا ڈھونڈتی ظلمت پوش روحیں ہیں اور کہیں ان روحوں سے خوفزدہ لیکن متجسس تحقیق کے وادی کے مسافر۔ کہنے والوں کا بیان ہے کہ اس قبرستان میں نولاکھ قبریں اور چھے کلومیٹر کا دائرہ ہے جو آل تدفین کی کارگذاری ہے۔[17] یونیسکو رپورٹ کے مطابق یہاں کم از کم سترہ ہزار قبریں ایسی ہیں جو پتھر کی بنی ہوئی، ایک طرح اور ایک ہی انداز کی تعمیر ہوئی ہیں اور ان پر بیش و کم ایک ہی لہجے کے فارسی و عربی اشعار اور نثری عبارات نیز آیات کلام مجیدہ کندہ ہیں۔[18] دراصل، ٹھٹھہ زمانہ ہائے قدیم سے ہی تاخت وتاز کا مرکز اور آماجگاہ سلاطین ویران گران حرث ونسل رہا۔اس علاقے میں آسمان نے کتنے ہی رنگ بدلے اور کبھی ارغون سلطنت کی بلندیاں دیکھیں اور کبھی ترخان سلاطین کے جاہ وحشم کا مطالعہ کیا۔ کبھی صوفیہ کے آثار کو دامن میں جگہ دی اور کبھی ساحل سے بیابان تک پھیلی سندھی تہذیب کے دکھوں کو فارسی اشعار کی صورت سنگی کتبوں پر نظم کیا۔ ٹھٹھہ کی ادبی حیثیت کی تصدیق کے لئے امیر خسرو کا وہ شعر حوالہ ہے جس میں انہوں نے طویل قامت محبوب کی خوش قامتی سمجھانے کے لئے ٹھٹھہ کے لمبے دیودار کے درختوں کے ساتھ موازنہ کیا ہے۔ درج ذیل شعر میں امیر خسرو اچ (شریف) کے بارے میں بات کرتے ہوئے جو بذات خود ایک عالمی ثقافتی میراث ہے، ٹھٹھہ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

سروچو تودر اچہ ودر تتہ نباشد گل مثل رخ خوب تو البتہ نباشد

ترجمہ: "تجھ جیسا سرو (قد) نہ تو اچ میں اور نہ ہی ٹھٹھہ میں ہے۔ تیرے خوبصورت چہرے جیسا پھول موجود ہی کہاں ہے۔"

بنابریں، مکلی کے قبرستان میں بہت زیادہ مقدار میں فارسی کتبوں کا پایا جانا خود ایک تحقیق طلب موضوع ہے۔ اردو کے تاریخ دانوں کو اردو زبان شناسی کی ریشہ یابی کے دوران اس پہلو کو بھی مد نظر رکھنا چاہیے کہ کیونکہ اس خطے میں تدفین اور مرگ کی رسوم فارسی مصرعوں سے آمیختہ ہیں۔ لیکن انتہائی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہاں جلوہ گاہ امامین کے پاس موجود ایک بڑے احاطے میں موجود قبور پر سیمنٹ پھیر دیا گیا ہے جن پر ایک مقامی فارسی

دان اور بوڑھے مکلی آشنا کے بقول دیوان حافظ کے منتخب اشعار موجود تھے۔ گویا فارسی ادب کی اہم ترین صنف کے اہم ترین اثر کو یوں ضائع کیا گیا تھا کہ جیسے اس کی تاریخ انسانی اور ادبیات جہانی میں کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔اور وجہ کیا تھی، جہالت، ناقدری اور یونیسکو کے چیخنے چلانے کے باوجود اس اہم ترین عالمی ثقافتی ورثے کی عصمت دری کی حد کو پہنچتی ہوئی پامالی۔ بہر صورت، اس ساری تباہی اور بے اعتنائی کے باوجود مکلی کے قبرستان میں فارسی شعر وادب کے بہت زیادہ آثار پائے جاتے ہیں۔ یہاں اس بات کا تقاضا تو کوئی نہیں کر سکتا کہ اس کے خزینہء عبارات میں جام ومینا، رنگ انگیں اور عشق کا جڑاؤ کیوں نہیں دکھتا لیکن قربان تو اس فارسیت کے جایئے کہ جس کے دامن میں ایسا ایسا گوہر پوشیدہ ہے کہ جام وصال ہو یا تلخیء مرگ، ایک ہی مصرعہ دونوں پہ صادق آتا ہے اور کیا اچھا صادق آتا ہے۔

ذرا کھولیے تو دیوان حافظ اور دیکھیے۔ عرس اور عروسی کی ترکیب کا باہمی تعلق خود بخود سمجھ میں آ جائے گا۔ مکلی کے اس عظیم قبرستان میں کوئی سترہ ہزار کے لگ بھگ قبریں ایسی ہیں جو ایک طرز کی اور ایک انداز کی ساختہ ہیں۔ان میں سنگی کتبوں پر فارسی اشعار بھرے پڑے ہیں اور اسی کے ساتھ ساتھ جا بجا مادہ ہائے تاریخ اور خبر مرگ کی سطریں، جن کی اکثریت " وفات یافت "کے عنوان سے معنون ہے۔بعض ٹوٹے پھوٹے کتبوں پر نامکمل اور ناقابل فہم تحریریں اور بعض دیگر علامتیں جن سے یہ سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ یہاں کبھی دست صناع نے گل بوٹے بھی سجائے ہوں گے اور جمالیاتی حس نے شعر وادب کی تعبیرات رسا کو شکستہ دلی کا عنوان قرار بھی دیا ہو گا۔ محققین کی قابل قدر تحقیقات نے تو یہاں تک کھوج ڈالا کہ ان قبروں پر موجود نقاشی کا ہنر انسانی ہنر مندی کے کس شجرے سے پھوٹ کر نکلا اور کس برتے پہ لکیر داریاں اپنے کھینچنے والے ہاتھوں کا فن لہو رنگ تاریخ میں ثبت کرتی چلی گئیں۔ اس حوالے سے ہنر اسلیمی اور ہنر نباتی وغیرہ کی تفصیلات خود اپنی جگہ اہمیت کی حامل ہیں۔

مکلی کے ایک مقبرے پر لکھا ایک نامعلوم شاعر کا شعر اس کے احساسات کی یوں ترجمانی کرتا ہے:

زدست چرخ کج رفتار غدار　　　دلا تا چند از غم خستہ گردی؟
بہ کوہستان مکلی شو دل زار　　　کہ از دنیای دوں وارستہ گردی

ترجمہ: (اے دل، کب تک اس فلک کج رفتار اور آسمان غدار کے ہاتھوں غموں سے نڈھال ہوتا رہے گا؟ تو اب اس پست دنیا سے منہ پھیر چکا ہے تو بس اب مکلی کے اس کوہستان کا رخ کر لے، یعنی موت کو گلے لگا لے)

عیدگاہ کے کاشی کے قطعات پر درج فارسی اشعار

جیسا کہ اوپر اشارہ ہوا، عیدگاہ ایک اہم تاریخی مقام ہے اور عید کے کاشی کے قطعات کی تحریریں بھی فارسی ادبیات کی ترجمانی کرتی ہیں۔ یہاں کاشی کے چار قطعات پر مشتمل یہ اشعار کندہ ہیں:

بلبل باغ جمال مصطفے		ہست شاہ حیدر مشکلکشا
خدایا بحق بنی فاطمہ (رض)		کہ برقول ایماں کنم خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی ورقبول		من ودست دامان آل رسول
... شدم ازین پنجتن		... فاطمہ حسین(رض) حسن(رض)

ترجمہ: " مصطفیٰ (ص) کے جمال کے باغ کے بلبل، مشکل کشا، بادشاہ حیدر (علیہ السلام) ہیں۔ اے خدا بحق اولاد فاطمہ (س) میرا خاتمہ ایمان کی بات پر فرما۔ تو میری دعا کو ردّ کر دے یا قبول فرمائے میں بہرصورت آل رسول ﷺ کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑوں گا۔۔۔ ان پنج تن پاک سے ہوا۔۔۔۔ فاطمہ، حسین، حسن علیہم السلام۔"

مزار امیر سید طاہر شاہ کے مقبرے پر یہ فارسی عبارات ذیل میں ہیں: " مزار گاہ شریف حاجی بابا سندھ میر سید طاہر ابن میر سید محمد حسن ابن میر سید عبدالقادر ابن میر سید محمد ہاشم حسینی نقوی غفر اللہ لھم

HAJI BABA SIND

1259

اسی طرح ایک اور قطعے پر درج ذیل فارسی شعر مرقوم ہے:

غفار

۱۲۸۱

**چون اللہ بخش شہ آل عباس		زیب ترمیم این مصلی کرد**
**بے سر جدوجھد خوان سالش		کعبہ اھل فضل زیبا کرد**

سنہ ۱۲۸۱

ترجمہ: " جبکہ آل عباس کے بادشاہ اللہ بخش نے اس مصلیٰ کی ترمیم اور آرائش انجام دی۔ تو خاصی کوشش سے اس کے سال کا شعر کا کہا کہ کعبہ کو صاحبان فضل نے خوبصورت بنایا ہے۔"

نتیجہ

اوپر بیان شدہ حقائق کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ نتیجہ نکالنا چنداں دشوار نہیں کہ مکلی ایک عظیم ورثے کی حامل ایک دنیا ہے اور یہاں کا قبرستان جو کہ ہمارا ایک انتہائی اہم ثقافتی ورثہ شمار ہوتا ہے، بتدریج تباہی کی جانب بڑھ رہا ہے۔[19] لہٰذا ہمارے ذہن میں یہ بات رہنی چاہیئے کہ اگر اس تباہی کا سدّباب نہ کیا گیا تو اگلی چند دہائیوں تک اس عالمی ورثے

کے آثار صرف کتابوں اور مقالوں ہی میں باقی رہ جائیں گے جس میں ہماری ناکامی رسوائی تو ہے ہی، محرومی بھی ہے۔ بالآخر ایسا عالمی ثقافتی ورثہ کتنی صدیوں بعد ہماری تاریخ کی زینت بنے گا کہ جسے ہم اقوام عالم کے یہاں اپنے فخر کا باعث شمار کر پائیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس قبرستان پر کئی جہات سے تحقیقات کی جائیں۔ مکلی کے عالمی ورثہ کے حامل قبرستان کو اور اس کے مٹتے ہوئے آثار کو تحقیق کا موضوع قرار دیا جانا اوراس ورثے کو خصوصا اگلی نسلوں کے تعارف کے لئے مقالہ جات اور نوشتہ جات کی صورت میں باقی رکھنا از بس ضروری ہے۔ اسی طرح اس قبرستان کے کتبیوں کی صورت میں موجود یہاں مختلف زبانوں پر تحقیقی کام انجام دینا ضروری ہے اور آئندہ کے محققین کا فرض ہے کہ اس قبرستان کے ادبی اور ہنری نیز ثقافتی پہلووں کی تحقیق اور جمع آوری میں کوئی کسر اٹھانہ رکھیں۔

* * * * *

حوالہ جات

1۔یونیسکو رپورٹ 2011ء۔

2. The International Archives of the Photogrammetry, Remote Sensing and Spatial Information Sciences, Volume XLII-2/W15, 2019 27th CIPA International Symposium "Documenting the past for a better future", 1–5 September 2019, Ávila, Spain

3. Wilson, 1997: 206; Quddus, 1992: 232-33.

4. Lashari, 1995: pl. AK.

5۔ یونیسکو، 2016۔

6. Captain Wood, Journey to the Source of the Oxus, 1872, p.8,

7. Sir Jadunath Sarkar's Manuscript, refer H. Beveridge (tr.) Tarikh i Mubarak shahi, by Yahya bin Ahmad bin Abdullah Sirhandi, Low Price Publications, Delhi 1990 (R), p.

8. Tarikh Feroz Shahi, Barani, Calcutta 1862, p. 535-6, & Tarikhi-Feroz Shahi, Shams Afif, Calcutta. 1890, p. 19-20; see also Agha Mehdi Hussain, 1963, Tughlaq Dynesty. S. Chand & Co. New Delhi, p. 386.

9۔ایس پی چھبیلانی، *سندھ میں معاشی حالات* (حیدرآباد، سندھی ادبی بورڈ، نیوایڈیشن 1995ء)، 99۔

10. Dani, A.H., *Thatta, Islamic Architecture*, Islamabad, 1982. 20

11. 962H /1555.

12۔ولیم فوسٹر، *ہندوستان میں ابتدائی سفر* (ایچ ملفورڈ، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، 1921ء)، 1188-233۔

13۔ایضا، 222۔

14 ۔ میر علی شیر قانی، *تذکرہ مقالات شوریٰ*) سندھ ادبی بورڈ، کراچی، ۱۹۵۷) 25۔

15 . Richard F. Burton, Sind Revisited: With Notices of The Anglo-Indian Army; Railroads; Past, Present, and Future, etc., Richard Bentley and Son, London, 1877, pp. 148-9

16 . Rashdi, Hussamuddin ،Makli Namo (Qani, A.S., 1965., ed. Hyderabad.)
17. Pithawala, 1959: 70; Dani, 1982: 9; Qani, 1965: 78-80; 1971: 150, 560-61).
18 . The essence of the World Heritage Convention: The General Conference of UNESCO adopted on 16 November 1972
19. ICOMOS. Paris, Avril 1981.

Bibliography

1) Agha Mehdi Hussain, 1963, Tughlaq Dynesty. S. Chand & Co. New Delhi, p. 386.
2) Captain Wood, *Journey to the Source of the Oxus*, 1872,
3) Chabelani, S.P, Sindh may Maa'shi Halāt, Hyderabad: Sindhi Adabi Board, 1995.
4) Dani, A.H., *Thatta, Islamic Architecture*, Islamabad, 1982.
5) Hussamuddin -Rashdi,, Makli Namo ,Qani, A.S., 1965., ed. Hyderabad.
6) Richard F. Burton, Sind Revisited: With Notices of The Anglo-Indian Army; Railroads; Past, Present, and Future, etc., Richard Bentley and Son, London, 1877,
7) Shairqani, Meer Ali, Tazkira Makalāt-e Shura, Karachi: Sindhi Adabi Board, 1957.
8) Sir Jadunath Sarkar's Manuscript, refer H. Beveridge (tr.) Tarikh i Mubarak shahi, by Yahya bin Ahmad bin Abdullah Sirhandi, Low Price Publications, Delhi 1990 (R),
9) Tarikh Feroz Shahi, Barani, Calcutta 1862.
10) *Tarikhi-Feroz Shahi*, Shams Afif, Calcutta. 1890,
11) The essence of the World Heritage Convention: The General Conference of UNESCO adopted on 16 November 1972
12) The International Archives of the Photogrammetry, Remote Sensing and Spatial Information Sciences, Volume XLII-2/W15, 2019 27th CIPA International Symposium "Documenting the past for a better future", 1–5 September 2019, Ávila, Spain
13) William Foster, Hindustan may Ibtedai' Safar, H. Milford, Oxford: Oxford University Press, 1921
14) Wilson, 1997: 206; Quddus, 1992.

US HEGEMONIC INTERESTS AND THE STRATEGIC DILEMMA IN IRAQ

Syed Qandil Abbas
Syed Fraz Husain Naqvi

Abstract:

Iraq parliament has passed a resolution on January 5, 2020 to oust US-led coalition forces from country, as hostile response grew after the assassination of Qasim Sulemani, a top Iranian military commander, near Baghdad airport. The US State Department rejected this demand and said Washington and Baghdad should instead focus on fixing their alliance.US and its allies were expecting that their presence in Iraq will be welcomed by different Iraqi communities as these communities came out of Saddam's suppression with the help of US and its allies. This study tends to address the fundamental challenge regarding US' consistently diminishing influence over the Iraqi society. Though heterogeneous in its nature and fabricated in its essence, US still have no pivotal power-say over any of the Iraqi societal, religious or political groups. Particularly, the Iraqi majority Shiite population is real beneficiary of US campaign against Saddam as they remained under the despotic rule of Sunni minority led by Saddam. In post Saddam period their increasing inclination towards Iran has changed the entire socio-political scenario of Iraq and despite huge strategic investment in Iraq, US has been marginalized in main stream decision making process. Consequently, US supremacy in entire Middle East went under question.

Key Words: *Middle East, Iraq, US Hegemony, Foreign Policy of Iran, Terrorism*

Introduction:

Since the discovery of oil, Middle East has been in the prime focus of the West, mainly USA. Though historically been the colony of Britain and France, the then superpowers, Middle East became the breeding ground for the propagation of US interests after WWII. Not only for

the oil but Middle East was also geopolitically important for US in the Cold War against the Soviet Union. For that purpose, US needed a strong ally in the region that could be the stabilizing factor and had the capabilities to assume the hegemonic role in the region. Iran, under Pahlavi dynasty (1925-1979), proved to be such ally. Not only it undertook the role of "policeman" of the region after the withdrawal of Britain, but also being extremely western backed Iran maintained US interests. However, things changed haphazardly in Iran after the "Islamic Revolution" of 1979. This sudden overturn of the events left US under the shadows of a "Foreign Policy Dilemma". Iran's slogan of creating the third pole by refuting both East and West and populist mantra of exporting the revolution was seen by West as the disruption in the existing status quo. It could determinedly transform the Cold War dynamics against the US objectives. Hence, it was in a rush to search for another ally in the region. Unsurprisingly, Saddam was proven to be the one trustworthy partner of US with required capabilities. Saddam's paranoia of the uprising of Shiite Majority was quite obvious considering the fact that Iraq was the natural destination for Iran to export its revolutionary ideas. It was mainly due to two reasons; first was the geographical proximity and second was the ideological coherence i.e. Shiite Bond. To sustain his authority, Saddam launched a full fledge war over Iran and received the huge influx of Western Weaponry and aid.[1]

After eight exhausting years of war with Iran, Iraq became the undisputed and also unrestrained power of the Middle East. However, this obsession with power and the burdening demand of the payback of loans by the Persian Gulf states, led Saddam for the military adventure in Kuwait. This set the alarm bells within the West as this move was unprecedented. US never liked the unilateral action of its allies in the region. The basic strategy for the US is to exert its influence in the region so as to persistently making others aware of its "Super Power Status" in Post USSR era. Though US had provided a soft signal to Saddam by apparently opting for "neutrality" in "Arab-Arab Conflict"[2] *yet US had fully realized the potential aspirations of*

Saddam i.e. eyeing at the regional hegemony without US backing. This anxiety was felt in the entire region as KSA (another major ally of the US) sought US assistance in its defence. Since Shah of Iran was completely loyal to US and Saddam was seen as the alternative to Shah, the intervention in Kuwait drastically subside the chances of US-Saddam cooperation. The consequence was the befitting reply to Saddam in the form of "Operation Desert Storm" (17 January 1991 – 28 February 1991). Having acquired legitimacy through UNSC Resolution 678 and assimilated the support of regional and NATO allies, US inflicted heavy damage to Iraqi Forces, forcing them to retreat.[3] This was the turning point for the region that would have the everlasting impact on "US Policy in the Persian Gulf."

The "1991 Shiite Uprising" against the decade long repression was followed months after the Kuwait crisis i.e. The First Persian Gulf War. Though US Administration supported the uprising by inciting the sentimental tendencies and sympathizing with the rebels yet its support was never materialized. The anti-climax was in the form of brutal state oppression that led to the killing of approximately 30,000-60,000 Shiites[4]. The lack of response by the West against the dictatorial practices of Saddam explicitly made it realized for the Shiite community that US follows the policy based upon realism and prioritizes its interests over human rights or the so-called "Liberal Intervention".

The 1991 insurgency was carried out by two groups; Shiite Islamists in South and Kurd Nationalists in North. Kurds being Sunnis but secular had the long-standing struggle for their separate identity within the region. Historically being an ally of US, Kurds were assisted by the Washington in their attempt to overthrow the Ba'athist Regime. However, they felt marginalized when the relations with US came to a standoff in 1980s. This was partly because of US newly build alliance with its new strategic partner, Saddam of Iraq. This is another manifestation of US' self-centred policies.

The decade of 1990s proved to be the "speculative assembly" and "narrative building stage" against Saddam. Getting overwhelmingly

defamation in the international arena, largely due to the "Weapons of Mass Destruction" narrative, Saddam's fate was sealed by the US which only delayed for the ripening moment. Mysterious September 11 Attacks in 2001 proved to be the source of American expansionist tendencies in post-cold war era. By restructuring its policy, US shifted from "Realism" to "Offensive Realism" by intervening in Afghanistan and Iraq under the disguise of "Global War on Terror". Eventually the series of strikes lead to the toppling of Saddam in 2003 termed as "The Second Persian Gulf War".

The effort to introduce democratic values within the country which was considered to be the pretext for the whole region naturally favoured the Shiite Majority. Hence the Ba'athist Sunni Elite who had been exercising power for the past decades was left begrudged. The sentiments were further exploited by the extreme De-Ba'athification process which included the complete dismantling of the Iraqi Army. Hence, the circumstances were perfect for the escalation of the sectarianism which followed afterwards in the coming years, eventually leading to the creation of a dogmatic group, Islamic State (ISIS).

Apparently, US sought its specially designed objectives that were: a) disposition of its serious threat i.e. Saddam, b) preventing the disruption in oil flow and the prices, c) introducing the US interpreted universal liberal values like democracy, d) weakening the state so as to bring it under its influence, e) safeguarding the humanity from the fear of weapons of mass destruction, f) assuming the more coercive leadership role and ultimately reasserting the uni-polar world structure. Another, however unintentionally might be, was successfully creating the discord between two main rival groups i.e. Shiite and Sunni. With this creation of the power vacuum, US presence seemed legitimized. However, the subsequent events depicted the complex scenario in which US presence became the determining settlement for the armed opposition by the radical Shiite factions i.e. Mahdi Army. On the other hand, the eruption of the

terrorist attacks and US failure to fully rein it imposed a question mark on its model for the modernization of Iraq.

Strong Iranian influence among Iraqi Shiites and even some non-Shiites groups have been one of the major considerations of US about its failure in Iraq. Such considerations have ultimately pushed Washington to directly confront Iran on Iraqi soil and President Trump directly ordered to assassinate General Qasim Sulemani, the commander of Iran's Al-Qods Force along with Abu Mehdi, a prominent figure of Iraqi Army. Consequently, Iraqi parliament passed a resolution demanding expulsion of US led coalition forces from Iraq.

This study be apt to address an important question regarding US' consistently deteriorating influence over the Iraqi society as US still has no pivotal power-say over any of the influential Iraqi groups. So the basic question would be "Why US couldn't legitimize its role in Iraq despite of witnessing the positive attitude upon its arrival and why not only Sunnis but also Shiites, who were the beneficiary party, don't accept US presence in Iraq?"

US goals in Iraq can be analysed under the Realist perspective particularly tenets of "Offensive Realism". Mainly "Power Politics" developed the sense of alienation within the indigenous groups and they perceive world system as anarchic. On the other hand, the resentments of both Shiites' and Sunnis of Iraq against US can be understood and examined while underpinning "Constructivism" which will help in highlighting the perceptions and soci-political constructs of both these factions.

US Urge for Power Attainment after Cold War

During the Cold War, the main focus for the US assimilation of power was the containment of Communism. Since the world was polarised between two blocks i.e. Capitalism, advocated by the West and Communism with Soviet Union as the main flag bearer, US emerged as the leader for the Western Bloc, primarily because of the weakening of Europe after the devastation caused by WWII. This

provided leverage to the US domination with the ideas of liberal world order, mainly democracy and free market economy.

Subsequently, the newly decolonised states with their weak political structures and shattered economies were in a quest for their sustainability and survival. With the flow of aid and recognition by international community through the unifying platform of UN, most of the third world states went under the umbrella of US which was undoubtedly the largest aid provider and had the significant say over the UN decision making policies. The same trend followed in the Middle East where most Arab States devised a political bandwagon with US. Historically being the chaotic region with the inter-tribal rivalry for the dominance, the discovery of oil made Middle East more vulnerable to both domestic power struggle and foreign invasion. Hence, "the oil for security and economy"[5] policy proved beneficial for both the West and the Arab States which kept the Soviets away from the region for most of the Cold War Era.

However, the end of Cold War marked the shifting point in the security and strategic apparatus of US. With no major threat in sight, the ripening moment had come for the propagation of Western Liberal Ideals in the world. Despite of the transformation of the world order from being security centric to economic centric, US preservation of a large military might which can unilaterally and freely respond to any event created doubts among the world community, including US allies. US involvement in First Persian Gulf War and in Bosnian Civil War testified the US ambition for hegemony. Thus, it resulted in inculcation of the fear for the hampering of multi-polarity. The regional powers felt disturbed by the phenomenon of uni-polarity as it could make them completely dependent upon the self-proclaimed "Policeman of the World." Since, Iran-Iraq war had made Iraq the exclusive power in the region, Iraq's ambition to assume the role of regional power without the assistance of US met with disaster. US perceived the emergence of multiple poles as a destabilizing factor and Washington was quick to restrict the growing role of Iraq through the "Operation Desert Strom" (August 1990 – January 1991).

However, weakening the strong ally created a huge power vacuum which didn't bring peace[6] rather produced more chaos. By establishing another enemy, US found the excuse of holding the large military bases throughout the globe and assumed the role of "World's Leader."

9/11 Attacks and Coercive Policy

The growing involvement of US in mainly Muslim Dominated Regions during the 1990s led to the anti-Americanism in Muslim Societies.[7] For most of the groups, the upheaval in Muslim Countries and the wavering status of Islamic Values were mainly due to the American Intervention which brought with itself the Western Culture. This was out rightly rejected by the fundamentalists like Al-Qaeda. Being formed on the slogan of "Global Jihad against the West", Al-Qaeda was blamed for attacks at the World Trade Centre which cost the lives of approximately 3000 people. This was unprecedented in the history that a non-state actor could inflict this heavy sort of damage at the heart of a Super Power.

9/11 Attacks made a drastic shift in US policy which can be categorized in two ways. One is the necessity which US felt regarding its presence in every region mainly Muslim Dominated Areas. Before the attacks, US would intervene and would provide the strategic support for the regime. However, after the attacks, US would directly engage hand to hand in an armed conflict with the terror groups[8] on foreign territory so as to ensure the constraint in such attacks in future.

Second is to highlight those states which breed the grounds for anti-Americanism. September attacks where shook the entire US establishment, gave confidence on the other hand to the various others groups who shared the same hostile sentiments towards America. This led to the US labelling certain states as "Axis of Evil" and gathering the support of International Community for the military action. The axis included Iran, Iraq and North Korea. While U.S. was already engaged in "Global War on Terror" in Afghanistan, naming the axis would open a new confrontation ground. Whereas

North Korea had the support of China and Russia, and Iran having the huge stockpile of missiles, Iraq under international isolation, proved to be the next target which would bear the consequences of anti-Americanism.

US repeatedly raised the concerns regarding the ineffectiveness of sanctions over Saddam's Regime in Iraq which was consistently working against the US interests. The pinnacle is the US claim regarding Iraq's Weapons of Mass Destruction. However, that argument was later debunked as no such evidence was found. Still the rift between US and Iraq is due to the fact that the sanctions were not conditional i.e. no assurances were made with Saddam and US had never ever taken the step to contain Saddam during the past years.[9] When the deterrence failed, US employed the coercion which led to the pretext of "Second Persian Gulf War" and the toppling of Saddam in 2003.

This unilateral decision of invading Iraq by US reasserted the US role of world's Super Power and its intention to ensure its presence in those regions which could prove to be detrimental for US. But what US lacked was the insight that the inimical emotions against the West were not the policy of the state rather it was entrenched in the society as well. The aftermath of the US invasion on Iraq witnessed more violence and unacceptability towards "Western Liberal Democracy." Various factors contributed in shaping the antagonism of the society towards US which are explained in detailed length below.

The Fragmented Society

Though the Nation State System has been the major theme in world politics yet, in case of Middle East, sub-state factors are more influential. This is because of two major reasons. One is the historic culture of the Arabs which promoted tribalism and religious segments while other is the artificial borders of Middle East which were created by the colonial powers for securing their own interests. Hence Iraq, like many other Arab States, could not unify its population on the coherent subject.

Apart from this, the unbalanced approach and unnatural division of power and resources particularly in Iraq also hindered the chance of mutual cooperation. Demographically, Shiites make up the majority of Iraq with 60-65% of the total population while Hanafi Sunnis are 15-20% and Kurds who are Shafe'i Sunnis but secular constitute about 18% of the population. Despite being a minority, Sunnis largely dominated the 20th century of Iraq under the Baath Regime. Hence, while social culture was dominated by Shiites while political landscape was led by Sunnis, the internal conflict was inevitable, especially when the dynamics changed in Post-Saddam era.

US initial plan to control Iraq was because of the perception of loose political structure due to sectarian rift. The on-going clashes among different groups were perceived by US as an opportunity to consolidate its authority. What went wrong in this approach was the alienation from the ground realities. Despite having internal divisions, both Shiites and Sunnis were not receptive towards US presence in Iraq for their own respective reasons.

Sunni Apprehensions about US

Middle East has traditionally been the seat of Caliphate, ranging from Medina to Baghdad and Damascus. Limiting the scope of the study to Iraq only for the purpose of the conceptualizing the Iraqi dynamics, it is worth noticing that Baghdad had been the capital for Abbasids, the Sunni Caliphs. After the Abbasids, Ottomans ruled over Iraq till the dissolution of Caliphate after WWI. Afterwards, Leadership and the officials in Baath Regime were Sunnis. In addition to that, unlike Shiite Mujtahids, Sunni Muftis used to receive the endorsement from the Religious Ministry[10]. Apart from that, Sunnis had the greater exposure towards resources. All this contributed to the wellbeing, prosperity and strong social status for the Iraqi Sunnis.

However, with the introduction of democratic system after Saddam, the majority Shiites were the natural beneficiary. Hence, the restructuring of Iraqi State after the complete collapse was carried out on religious lines with more authority to Shiite political parties. Along with that, the decision of De-Baathification removed thousands

of ex-Baathists from bureaucracy and military, however, some of them returned to their posts through appeal[11]. The vacuum was soon to be filled by Shiites who had witnessed the decades long of marginalization.

Also being the beneficiary group throughout the history, the rule of Shiites was also not acceptable to not only the local Sunnis but also to the neighbouring Persian Gulf States all of whom were Sunni Monarchies. This is also because of two reasons. One is the fact that power assimilation in the hands of Shiites in Iraq could also ignite the uprising of Shiites throughout the region especially where they were in majority like Bahrain. Other is the fact that democratization of an Arab country was a threat to their Monarchical Structure and hence their diminishing status.[12]

All of these events were perceived by the Sunni Elders as an attempt of their subjugation in front of their Shiite counterparts. Unlike Shiite religious leadership, Sunni religious elite is non-hierarchical and less influential over their community. Moreover, due to the closer ties with Baath Regime, neighbouring Sunni Persian Gulf States were also reluctant to forge ties with the Iraqi Sunni Community. This also led to the weakening of Sunni Resistance Movement after Saddam.

Eventually, having been disgruntled and abandoned most of the Sunni Elders sought the assistance of various dogmatic groups like Al-Qaeda which led to the intense civil war in Iraq. That consisted of the attacks on Shiite holy sites, notably the attack on Al-Askari Shrine in the city of Samarra, on Feb. 2006, and the attacks on US troops.[13] Moreover, the General Elections of 2010 proved to be the last nail in the coffin which resulted in the more absolute authority of Shiites' in the political scenario. Only after a year, in 2011, ISIS emerged having the recruitment centres in Sunni Majority areas like Mosul and Anbar. This is also evident from the fact that areas like Mosul, Kirkuk and Anbar were the stronghold of ISIS till the operations by Iraqi Army.

Though most of the Sunni Arab Tribal Elders detested their decision of welcoming ISIS afterwards yet their initial response of solidarity with the group indicated their frustration against the political system and

pessimism towards the Shiite government. Their opposition to ISIS was also derived not by the devastation it had caused to Iraq in general but the oppression they faced under ISIS rule. This is to put in other words that ISIS anti-Shiite stance was not the reason for Sunnis to quit their support for the group rather their own social factors like kidnapping of young girls, strict Sharia Law forced them to resist ISIS. Sunnis under Baath Regime were devoid of any cohesive identity which created the identity crisis for them in post-Baath setup. The situation of disarray made them fallacious of considering ISIS or Al-Qaeda or any other extremist organization as their consoler.

The shaping of events eventually brought US to their help and that again only for limited scope. The establishment of "Awakening Councils" by US assistance initially helped the tribal elders to purge ISIS but eventually the councils crumble due to lack of organizational structure and the internal struggle for power.[14] Any other attempt was never made to provide refuge to the Sunni Community from ISIS rage. This again led to the distrUSt of US by Iraqi Sunnis who considered US as an ally of Iraqi Shiite Government and the cause for their misery due to toppling of Saddam. Eventually, their sense of loss and sense of victimhood[15], due to regime change, prevailed which validates the argument of constructivism regarding perceptions.

Shiites Opposition to US

To argue that opposition of Iraqi Shiites to US presence is due to the influential role of Iran is not entirely accurate. In fact, it subsides to the local dynamics and indigenous anguish of Iraqi Shiites. Iraqi Shiites are not only a unified entity by virtue of their school of thought but the Arab nationalistic tendencies also prevail in their conduct. Victimhood and oppression under Baath Regime still plays a crucial role in forming a strong Shiite Communal Structure. Moreover, the influx of a large number of Iraqis from Iran after 2003 who became refugees in Iran after escaping the brutality under Baath Regime also brought with themselves the Shiite centric ideas. The notable person in this regard is Ammar Al-Hakim, who is the head of Revolutionary

Council of Iraq and a strong adherent of Shiite religious government in Iraq.

Shiites opposition to the US was initially due to two factors. One is the presence of US troops in Iraq even after the ousting of Saddam which was perceived as the colonial representation. Second is the US intentions to formulate the constitutional framework on secular agenda which confronted the Shiites desire to setup such a system which could benefit them as a religious entity. The disapproval of US post-Saddam plans for Iraq was motivated by the past experiences. Shiites were suspicious that it might end up for them becoming US pawns against US adversaries in the region.

After the general elections of 2005 and consolidation of power by Shiite parties, still the uneasiness with US prevailed especially because of US overwhelming support to Israel in the wake of Israel-Hezbollah War of 2006. The continuous attacks on Shiites and their holy sites along with the engagement of US troops with the Mahdi Army, a local Shiite militia headed by Muqtada Sadr, just outside Karbala, the holy city for Shiites all around the world, also provoked the local politicians to show their disgust with US due to the fearful consequences of involving into the civil and sectarian war.

Another big factor which kept the Shiite politicians, in general, and public, in specific, aloof from the US was the agitation of Najaf Clerics with US. Najaf holds the symbolic gesture of authority for Shiites for the past thousand years. As the centre of Shiite scholarship, the head of Najaf Hawza (Shiite highest religious institute) holds the incredible authority independent of the state. It is because that unlike Sunni Clerics, Shiite Clerics are not appointed by the state rather they are promoted to the higher seats by virtue of their knowledge. The highest religious authority in this hierarchical structure is called a "Marjaa" which is a source of emulation for the Shiites around the world. Through this practice, the power of a Marjaa is not limited to the geographical boundaries rather he becomes a transnational entity.

Currently, the Najaf Hawza is supervised by Grand Ayatollah Sayed Ali Sistani who was a strong proponent of the withdrawal of US troops from the Iraqi soil. Moreover, his refusal to meet with the US Governor in Iraq, Paul Bremer, was perceived by many Shiites as his aversion towards US. Though he doesn't hold any public office and widely believed to be an apolitical personality yet his statements play an influential role in the policy making. Authority of Sayed Ali Sistani over the Iraqi Shiites also invalidates the argument of Iranian influence over the Iraqi Government and public attitude against US.

US – Kurd Alliance and Regional Geo-Politics

Kurds alignment with US is because of two major reasons. One is the secular approach which assures the cooperative dynamics for western interests while the second is their nationalist tendencies which are advantageous for US in combating the Islamic Fundamentalism in the region, eventually guaranteeing the suppression of Anti-Americanism. The nationalistic tendencies of Kurds got further strengthened in the wake of conflict in 1972-1975 and in 1991. In both the events, the Kurdish uprising was backed by US in order to have the deterring policy against the Baath Regime. However, in both the cases, Kurds received minimum US support which did not go beyond the rhetoric and bore the devastating consequences.

US cooperation with Kurds was not based on the idea of freedom and liberty. Since WWII, US has been a strong proponent of the sovereignty of the state which constitutes the core of the international system. The main objective for US to lend its assistance and diplomatic outreach to Kurds was the restraint upon Iraq. During the 1970s, Iraq was more prone towards Soviet Union which was detrimental for US objectives in Middle East. After the Kuwait Crisis, US support to Kurds was mainly motivated by the ambition of keeping Saddam under pressure so as to weaken his efforts of becoming the regional hegemon.

Similarly, after the toppling of Saddam, though Kurds were able to gain relative autonomy under the 2005 constitutional framework yet

the previous events had made them in a continuous conflict with the Iraqi State. The emergence of ISIS has brought Kurds once again closer to US. Being able to secure the city of Kirkuk from ISIS after the retreat of Iraqi Army in 2014, Kurds provided the ground stability which was necessary for US for combating ISIS. The support of US along with the control over the Kurdish region prompted the Kurds to hold the referendum in 2017.

However, once again they failed to comprehend the US grand strategy for the region. Not only the decision of referendum was met with the aggressive opposition by the neighbours who have the Kurdish minorities like Iran, Turkey, Syria but it also witnessed the mobilization of Iraqi troops towards Kirkuk, hence reinforcing the sovereignty of the state. Despite of the vocal support shown by Israel and Persian Gulf countries, US opposition to the referendum made Kurds deserted once again. US main concern was the possibility of a sharp reaction from Iran[16]who had the considerable influence in the country and could shift the balance of power in the region against US. Another significant event is the decision of US President, Donald Trump, who announced the withdrawal of US troops from Syrian soil. This has encouraged Turkey to conduct its operation against Kurds more freely which it deemed as a major security threat and has left the Iraqi Kurds in a state of disarray. Not only it would substantially diminish the Kurds strength but could put their struggle for autonomy in jeopardy.

Eventually, it is evident from the aforementioned arguments that US support to Kurds, one of the main allies of US in the region, was for forging US interests which was perceived as a principled stance of freedom by the Kurds. Consistent sense of betrayal on the behalf of US along with the futile efforts of gaining self-dependence and autonomy could make Kurds, like Shiites and Sunnis of Iraq, the antagonist for US.

Conclusion

Modified version of offensive realism presented by John Mearsheimer, highlights that great powers' motivation is global

hegemony and this assumption has lost its value that the democratic great powers are less likely to follow revisionist policies. The United States' choice to expel Saddam regime in March 2003 is one of the best example for this claim.

Constructivists consider that inter-state associations are dependent upon the way identity is created: supra-state and -national identities, such as the Shiites or Sunni identities, compete with state identity in the Middle East. These kinds of identities also produce trans-state movements and limit state-centric behaviour. Therefore, a Constructivist line of explanation maintains that the bottom-up logic dominates in what is purported to be the Revival of the Shiites particularly in Iraq.

The study highlighted the US strategy in Iraq which is based upon the hegemonic designs. The world order after WWII has shaped the US role in the world such that it had to contest for the leadership role with Soviet Union. This Cold War Dynamics modified US policies towards fording its ties with other states and to bring them under its influence. This is best described as the expansion of American Values. Due to the fear of the emergence of multiple poles after the collapse of Soviet Union, mainly due to the Saddam's invasion to Kuwait, US policies revolved around using proxies against the adversarial states so as to weaken them internally. However, after the September 11 Attacks, US opted for the direct military invasion of certain countries including Iraq.

The territory of Iraq is divided into northern, central and southern parts having dominated by three different groups. The majority of Kurds in North, Sunnis in Centre and Shiites in South makes Iraq a complex ground for devising any uniform strategy for the entire country. Hence, US invasion to Iraq where benefitted Shiites and Kurds who have long been subjugated by Sunni Dominant Baathist Regime, disillusioned the Sunnis at the same time who had enjoyed the power for nearly 40 years. Hence, the chaos was inevitable.

However, what is astonishing to observe is the lack of support for US in Iraq. The opposition of US by each group lies in their perception

regarding US being a partisan in the internal conflict. US insistence on democracy which was bound to favour the Shiite Majority along with the cooperation with newly formed Shiite Centric government was received with scepticism by the Sunnis. Similarly, US insistence upon keeping its military presence in Iraq, cooperation with Kurds and assistance to Sunni tribes in the wake of ISIS, hinted towards the status of a "Client State" of Iraq where the Shiite government would act as a forerunner for US own interests.

This prevalent notion of US being following the realist policies which would secure its own self-interests and policeman role in the region has developed the sense of unity among the contending parties. US inability in understanding the complex ground realities which are shaped through the historical discourse led to its failed adventure in Iraq. Having said that, the cultural and religious ties of Iraq with the other regional states especially Iran also hindered the attainment of objectives for US. What US tried was to forge relations with the state and didn't concentrate on developing the relations with the Iraqi society. This is to say that US didn't assist in reconstructing the infrastructure and didn't compensate for the loss. Also, US opposition by the religious authorities in Najaf made it quite impossible for US to operate in Iraq.

Eventually, it is safe to assume that US, being a realist state, has forgotten that other groups, whether state or non-state, also have their respective interests. The generalizing of the Iraqi society without accepting the categorization has tempted US to adopt the uniform policy. Similarly, US continuous swing in its alliances hampered the development of trUSt. This has led to the US being perceived as a "non-trust worthy" ally. Unfortunately, US is still following the same path as recent decision of withdrawal of troops from Syria has left Kurds, the ally of US, helpless. Taking into consideration the past experience, this decision might cost US another ally in the "turbulent region."

REFERENCES

1.Shane Harris and Mathew M. Aid, "Exclusive: CIA Files Prove America Helped Saddam as He Gassed Iran", Foreign Policy, August 26, 2013, https://foreignpolicy.com/2013/08/26/exclUSive-cia-files-prove-america-helped-saddam-as-he-gassed-iran/

2 Roger Simon, "Was the US Signal Red or Green on Kuwait?" Los Angeles Times, November 22, 1992, https://www.latimes.com/archives/la-xpm-1992-11-22-vw-1944-story.html

3. "The Gulf War 1990-1991 (Operation Desert Shield/ Desert Storm)", Naval History and Heritage Command, https://www.history.navy.mil/our-collections/art/exhibits/conflicts-and-operations/the-gulf-war-1990-1991--operation-desert-shield--desert-storm-.html

4. Micah Zenko, "Remembering the Iraqi Uprising Twenty-Five Years Ago", Council on Foreign Relations, March 5, 2016. https://www.cfr.org/blog/remembering-iraqi-uprising-twenty-five-years-ago

5.Charles Cicchetti, "The Impact of Oil on Global Economics and Security", Pacific Council on International Policy, March 28, 2016, https://www.pacificcouncil.org/newsroom/impact-oil-global-economics-and-security

6.GáborVörös, "US Global Power Projection: Is the World's Policeman Still Credible?", Institute of Foreign Affairs and Trade, (2016): 3., https://kki.hu/assets/upload/08_KKI-Studies_USA_Voros_20161026.pdf

7.Barry Rubin, "The Real Roots of Arab Anti-Americanism", Foreign Affairs, November/December 2002, https://www.foreignaffairs.com/articles/middle-east/2002-11-01/real-roots-arab-anti-americanism

8.Steve Jones, "How Did US Foreign Policy Change After 9/11?", Thought Co, July 25, 2019, https://www.thoughtco.com/US-foreign-policy-after-9-11-3310293

9.Rachael Williams, "Lessons in Deterrence from US Foreign Policy in Iraq, 1982 - 2003", Yale College, (April 25, 2017): 6., https://politicalscience.yale.edu/sites/default/files/williams_rachel.pdf

10.Sheron Otterman, "Iraq: The Sunnis", Council on Foreign Relations, February 2, 2005. https://www.cfr.org/backgrounder/iraq-sunnis

11.Sheron Otterman, "Iraq: debaathification," Council on Foreign Relations, February 22, 2005., https://www.cfr.org/backgrounder/iraq-debaathification

12.Kayhan Barzegar, "Iran and the Shi'ite Crescent; Myths and Realities", Brown Journal of World Affairs 15.1 (2008): 87–100.

13.Robert F. Worth, "Blast Destroys Shrine in Iraq, Setting Off Sectarian Fury", New York Times, Feb. 22, 2006, https://www.nytimes.com/2006/02/22/international/middleeast/blast-destroys-shrine-in-iraq-setting-off-sectarian.html

14.Hassan Hassan, "Out of the Desert: ISIS Strategy for the Long War", Middle East Institute, September 6, 2018, https://www.mei.edu/publications/out-desert-isiss-strategy-long-war
15.Fanar Haddad, "Shia Centric State Building and Sunni Rejection in Post 2003 Iraq", Carnegie Endowment for International Peace, January 07, 2016 https://carnegieendowment.org/2016/01/07/shia-centric-state-building-and-sunni-rejection-in-post-2003-iraq-pub-62408
16.Krishnadev Calamur, "Why Doesn't the US Support Kurdish Independence?", The Atlantic, October 20, 2017, https://www.theatlantic.com/international/archive/2017/10/us-kurdish-independence/543540/

Bibliography

1) Barzegar, Kayhan, "Iran and the Shi'ite Crescent; Myths and Realities", Brown Journal of World Affairs 15.1 (2008): 87–100.
2) Calamur, Krishnadev, "Why Doesn't the US Support Kurdish Independence?", The Atlantic, October 20, 2017, https://www.theatlantic.com/international/archive/2017/10/us-kurdish-independence/543540/
3) Cicchetti, Charles, "The Impact of Oil on Global Economics and Security", Pacific Council on International Policy, March 28, 2016, https://www.pacificcouncil.org/newsroom/impact-oil-global-economics-and-security
4) Haddad, Fanar, "Shia Centric State Building and Sunni Rejection in Post 2003 Iraq", Carnegie Endowment for International Peace, January 07, 2016 https://carnegieendowment.org/2016/01/07/shia-centric-state-building-and-sunni-rejection-in-post-2003-iraq-pub-62408
5) Harris, Shane and Mathew M. Aid, "Exclusive: CIA Files Prove America Helped Saddam as He Gassed Iran", Foreign Policy, August 26, 2013, https://foreignpolicy.com/2013/08/26/exclusive-cia-files-prove-america-helped-saddam-as-he-gassed-iran/
6) Hassan, Hassan, "Out of the Desert: ISIS Strategy for the Long War", Middle East Institute, September 6, 2018,
7) https://www.mei.edu/publications/out-desert-isiss-strategy-long-war
8) Jones, Steve, "How Did US Foreign Policy Change After 9/11?", Thought Co, July 25, 2019, https://www.thoughtco.com/us-foreign-policy-after-9-11-3310293
9) Otterman, Sheron, "Iraq: debaathification," Council on Foreign Relations, February 22, 2005., https://www.cfr.org/backgrounder/iraq-debaathification
10) Otterman, Sheron, "Iraq: The Sunnis", Council on Foreign Relations, February 2, 2005.
11) https://www.cfr.org/backgrounder/iraq-sunnis

12) Rubin, Barry, "The Real Roots of Arab Anti-Americanism", Foreign Affairs, November/December 2002, https://www.foreignaffairs.com/articles/middle-east/2002-11-01/real-roots-arab-anti-americanism
13) Simon, Roger, "Was the US Signal Red or Green on Kuwait?" Los Angeles Times, November 22, 1992, https://www.latimes.com/archives/la-xpm-1992-11-22-vw-1944-story.html
14) The Gulf War 1990-1991 (Operation Desert Shield/ Desert Storm), Naval History and Heritage Command, https://www.history.navy.mil/our-collections/art/exhibits/conflicts-and-operations/the-gulf-war-1990-1991--operation-desert-shield--desert-storm-.html
15) Vörös, Gábor, "US Global Power Projection: Is the World's Policeman Still Credible?", Institute of Foreign Affairs and Trade, (2016): 3., https://kki.hu/assets/upload/08_KKI-Studies_USA_Voros_20161026.pdf
16) Williams, Rachael, "Lessons in Deterrence from US Foreign Policy in Iraq, 1982 - 2003", Yale College, (April 25, 2017): 6., https://politicalscience.yale.edu/sites/default/files/williams_rachel.pdf
17) Worth, Robert F., "Blast Destroys Shrine in Iraq, Setting Off Sectarian Fury", New York Times, Feb. 22, 2006, https://www.nytimes.com/2006/02/22/international/middleeast/blast-destroys-shrine-in-iraq-setting-off-sectarian.html
18) Zenko, Micah, "Remembering the Iraqi Uprising Twenty-Five Years Ago", Council on Foreign Relations, March 5, 2016. https://www.cfr.org/blog/remembering-iraqi-uprising-twenty-five-years-ago

HOW THE PRINCIPLE OF MASLAHA CAN GUIDE THE FOREIGN POLICY OF A MUSLIM STATE

Raziq Hussain

Abstract

Beginning with a brief etymological-lexical analysis of the term, this article investigates the genesis, meaning, usage, and scope of the principle of maslaha[1] (simply defined as what is best) in its theological-jurisprudential context. Taking it in a binary opposition to mafsada (simply translated as what is detrimental or harmful), it presents maslaha as the ratio legis or purpose of divine legislation (tashri) or, more precisely, Islamic law/sharia. Drawing on this theological consideration, it then moves on to the conceptualization of maslaha by Imam al-Ghazali, Shahīd al-Thāni, and Imam Khomeini. It argues in the light of the views of these three Muslim jurists that maslaha is directed more at warding off mafsada to a Muslim state or society than at seeking advantage/benefit without compromising on ideological, moral, legal, or ethical principles or tenets of Islam. While showing that the principle of maslaha is not by any means an ideological Trojan Horse to pursue and further "un-Islamic" interests, this article then provides a theoretical account of the operationalization and application of the principle in the domain of foreign policy of Muslim states. It argues and shows with an example that maslaha–if utilized properly in line with the essence of Islamic world view—can play a major role in solving a number of Muslim states' foreign policy issues and dilemmas as it takes into account the situational factor or realities (both internal and external) of the time in the context of the general principles of Islamic jurisprudence and presents solutions to them.

Key Words: *Maslaha, Mafsada, Foreign policy, Muslim state, Islamic Jurisprudence, Imam Ghazali, Sharia, Ijtihād*

Introduction

Everything God has sent down or ordained is for the benefit of human beings. His commandments and prohibitions, revealed through prophets, are based on masaleh (pl. of maslaha) and mafāsid (pl. of mafsada) of human beings. One of the major objectives of all divine religions is, therefore, to organize human society as well as relations in a way that it benefit all humans while keeping the element of divinely-informed spirituality intact in them. Islam, being the final and most comprehensive of all religions, has a well-defined programme for the welfare, well-being, and salvation of all human beings. Based on its sense of universalism, Islam urges and encourages its followers to live with their fellow humans in harmony and peace. "Living in harmony," however, does not mean that Muslims are allowed to forgo Islamic ideals and established principles. Rather, there are some principles (usūl) in Islamic jurisprudence—drawn from the Quran and the Tradition—that outline how to interact and deal with "others." Among the principles, one is maslaha which guides individual Muslims as well as states in their dealings with "others" –be they individuals or states. Speaking of a Muslim state, maslaha can play a major role in rescuing it from a number of potential dangers in its foreign policy domain by emphasizing the need to be realistic about and cognizant of both internal and external realities. While warning against romanticizing the situation in a utopian way, it also call for observing the essence of Islamic world view as visualized in Islamic scripture. Maslaha, in this way, present an approach to foreign policy which is rooted in "Islamic rationality" and is linked with expedient Islamic way of problem-solving.

Based on this hypothesis, this article discusses the genesis, nature, and scope of the principle in its theological-jurisprudential context and how it could guide leaders of Muslim states in formulating their foreign policies, especially with regard to non-Muslim states. In so doing, it is divided into three sections. First section explores the genesis, meaning, and locale of the principle with reference to theology and principles of jurisprudence (usūl al-fiqh). Second section deals with the conceptualization of maslaha by bringing in the views

of Abu Hamid al-Ghazali (450-505 AH/1058-1111 AD), better known as Imam al-Ghazal, and Zain al-Din al- Amili (911/1506-966/1559), well-known as Shahīd al-Thāni. This section also touches on Imam Khomeini's (1900/1902-1989) conception of maslaha and its application in the Islamic republic system produced by the Islamic revolution in 1979. Third section elaborates how an Islamic government can utilize the principle to avoid incursion of possible dangers into it. This section also examines application of the principle with reference to the necessity of helping an oppressed (mustaz'af). Finally, a brief conclusion is given to recapitulate important points and to make some suggestions regarding policy options and further research.

Explaining Maslaha: Its Genesis, Meaning, and Scope

Maslaha—derived from sa-la-ha (sa'ad, lā'm, hā)—has been defined in al-Munjid as "something that pushes [someone] towards salāh [opposite fasād [2]]," or something which spurs someone into actions that aimed at his/her own benefit (nafa') or that of his/her people.[3] Ibn-e Manzūr has defined maslaha with salāh (lit. improvement, feasibility, usefulness, and utility) and salāh as opposite of fasād [4]—commonly translated in English as corruption which conveys a sense of deterioration, degeneration, and spoliation the ultimate result of which is harm and damage. For him, mafsada (something which causes or brings about fasād) is hence opposite of maslaha.[5] Taken as such, maslaha can be viewed as a factor which directs human actions towards what is best (also right) and away from what is bad (also wrong). Maslaha is sometimes viewed as synonym of "manfa'ah" (advantage/benefit).[6] There is no doubt that the concept of maslaha includes the sense of manfa'ah, yet its usage in Islamic literature shows that it is more about avoiding risks and dangers (to things discussed below) than to seek advantage. Based on this consideration, this article views maslaha in binary opposition to mafsada (detrimental/harmful/corrupting).

Setting aside the debate over whether maslaha is an independent source of jurisprudence or not, there is broad agreement among

scholars of Islamic jurisprudence that maslaha is the ratio legis (illah/manāt/milāk in Arabic) of all divine pronouncement (ahkām; pl. of hukm), defined as "the legislation (al-tashri) emanated from God to organize/manage (tanzīm) human life."[7] According to Jaˈfar b. Khizr, better known as Kashif al-Ghita (1743-1812), the ratio legis of the ahkām is the masāleh (pl. of maslaha) or mafa'sid (pl. of mafsada) of the believers, pertaining to this world or the hereafter.[8] In simple words, thou shalts and thou shalt nots of the Islamic sharia are "purely for the advantage of His creatures" and to "avert disadvantage" from them, respectively.[9] It is interesting to note that Sheykh al-Sadūq, a 10th century (AD) Shia theologian, penned down a two-volume book, entitled Ilal al-sharāyiˈ (The Ratios Legis of the Divine Rulings), gathering narrations of the Prophet and the Ahl al-Bait regarding the logics and reasons of theological tents and sharia obligations. The book contains 647 chapters (ab'wāb in Arabic) or more precisely entries, which means the author has provided reasons for 647 theological and *legal issues, derived from different narrations.*[10]

According to ilm al-usūl al-fiqh (the science of the principles of jurisprudence) the ahkām are divided into five categories (ahkām al-khamsa), based on their inherent level of "benefit" (maslaha) and "detriment" (mafsadah). Accordingly, for example, if fasting is obligatory (wajib), it is because of the high degree of benefit embedded in it, and if drinking alcohol is prohibited (haram), it is due to the detriment it has for human life and, by extension, society. In between the two there are the ahkām of 'karahat" (aversion), "istihbab" (approbation/preference), and "ibahah" (permissibility), all having different degrees of maslaha and mafsada.[11]

As divine ahkām are not confined to and exhausted in ibadāt or rituals, the above-mentioned logic of ahkām runs also through what can be called as non-ritualistic aspects of human life, including, for example, interpersonal relations, business transactions, mutual agreements, and so on. It would not be an exaggeration even to say that a great majority of ahkām are related to non-ritualistic dimensions of human life. And, if it is established that the ahkām

related to ibadāt are embedded in maslaha, it follows then that those pertaining to non-ibadāt are also based on the logic of maslaha. In simple words, ahkām in general seek the best for all human beings whether they are about rituals (such as offering salah or formal prayers) or managing public relations (such as marriage or trade).

What can be drawn from the above discussion is that maslaha is the ratio legis of Islamic law. To put in another way, the whole edifice of Islamic legal system is based on maslaha. If there is a clear/explicit text (nus) in the Quran or the Sunnah regarding an issue, one has to believe in and accept the existence of maslaha in it. And, if the case is otherwise (that is, absence of a clear text), it raises the following questions. First, who is then authorized to determine what is maslaha and how. Second, what if a situation arises in a manner that acting on an explicit text or proof (dalīl) is sure to incur unbearable damage or harm on a greater number of a Muslim population?

As to the first question, those who have all the qualification to exercise ijtihād—commonly referred to as mujtahidīn or foqaha—are authorized as well as capable of discerning what is in the interest (or say maslaha) of the larger Muslim population in an emergent situation. It is however not that they would do so outside the legal framework of Islam, that is, they would refer to the general principles of Islamic jurisprudence, such as "qaida naf-ye taklīf ma la yutāq" or the "rule of the negation of what is beyond one's capacity."[12] If the situation is too complex to be understood in a pure legal context owing to technicalities, the jurists can seek assistance of concerned experts to fully grasp the nature of the issue(s) at hand so that they could not be mistaken in exploring the maslaha of the people. A good example of this type of mechanism is the presence of "Majmˈa-e Tash'khīs-e Maslahat-e Nizām" (Expediency Discernment Council of the System) in the Islamic Republic of Iran, composed of jurists as well as non-clerical experts, to discern, inter alia, the expediencies of the system (nizām).

In case of the conflict between an explicit text and the maslaha of a Muslim population, there are provision in Islamic jurisprudence that allow flexibility, albeit temporary, vis-à-vis the sharia rulings,

provided it does not run contrary to the spirit of sharia. An Islamic government, for example, can utilize rulings pertaining to secondary issues (anāwīn-e thanawi) while suspending the rulings, albeit temporarily, connected with primary issues (anāwīn-e aw'wali).[13] *The Islamic government can also invoke "rules of emergency" (ah'kām al-idhterari'yah) if acting on primary rulings (al-ahkām al-awwaliya) bring unbearable pain and harm to the Islamic society under the jurisprudential rule of "the negation of hardship and harm" (qaida-ye naf-ye usr wa harj).*[14] *It all entails, as hinted above, a rigorous ijtihād—which is defined literally as the "employment of effort, strength, and endeavor to the utmost,"*[15] *and technically in ilm al-usūl as "the process of deriving/deducing divine injunctions from its sources" (amliya-tu istin'bat al-ahkām min masadirihā)*[16]*—on the part of jurists. If the task of discerning maslaha is undertaken without taking into account all the dimension of the situation or in haste, it may end up in violating the primary rules pertaining the issue and in bringing disaster to the society, something which the logic of maslaha itself negates.*

It is evident from the above discussion that maslaha-seeking is not something un-Islamic. It is rather an approach to solve complex issues and to fulfill changing needs of an Islamic government and society in a sharia way. Maslaha, therefore, is not a token for violating sharia in the name of delivering benefit to a Muslim population. The operationalization and employment of the principle of maslaha has certain conditions, chief among which is that it must not violate established theological and jurisprudential principles and rules of the religion. There is no provision in sharia that allow the breach of the Islamic criteria for something which is ostensibly in the interest of a group of Muslims. It is not allowed, for example, to worship idols or drinking wine to rally the support of a non-Muslim powerful state for an Islamic cause. Maslaha, to conclude in a single sentence, is an expedient and rational approach to the problems and needs of a changing world with its own conditions and criteria the negligence of which can turn it into a Machiavellian tool in the hands of corrupt and selfish people.

Conceptualization of Maslaha: The Views of Ghazali, Shahīd al-Thāni, and Imam Khomeini

Abu Hamid al-Ghazali was a prominent Persian philosopher, jurist, theologian, and mystic/sufi. He authored many books on diverse issues. His celebrated book on ilm al-usūl is al-Mustasfa min Ilm al-Usūl. In al-Mustasfa, Ghazali has discussed the principle of maslaha in quite a comprehensive way. His division of maslaha into three type—namely, the one which is accepted/acknowledged by sharia, the one which is rejected by sharia, and the one neither accepted nor rejected by sharia[17]—shows that he has viewed maslaha neither as a monolithic concept nor without confines. While rejecting the notion of maslaha as seeking benefit (jalb al-manfa'a) and avoiding harm (daf al-dharar), he has seen it in a more theological way. For him, maslaha, immanent in the divine law, is the "preservation" of the objectives of the sharia (maqsūd al shar'), comprising of five basic elements (al-usūl al-khamsa) for human beings, namely, "religion, life, intellect (aql), lineage (nas'l) and property (mā'l)'. And, whatever assures the preservation of these five elements is maslaha, and whatever fails to preserve them is maf'sada. The removal of mafsada is, thus, maslaha.[18] As the preservation of the five elements is of the dharoriyāt (lit. overriding necessities), as against hajiyāt (lit. needs) and tahsiniyāt wa tazyenāt (the enhancing and refining), it has the highest degree of maslaha.

Zain al-Din al- Amili, better known as al-Shahīd al-Thāni, was a prominent Shia theologian and jurist of 16th century AD. Much of his work is on theology (ilm al-kalām) and jurisprudence. His commentary on Muhammad b. Makki al-Amili's (734/1333-4-786/1384; well-known as al-Shahīd al-awwal) book Al-Lum'a al-Dimashqiyya fi fiqh al-Imamiya—entitled as Al-Rawda al-Bahiyya fi sharh al-lum'a al-dimashqiyya—is his major work on fiqh. The popularity and significance of this book can be discerned by the fact that it is still taught and debated in Shia religious institutions throughout the world. As to his conception of maslaha, he has discussed it in the first volume of Al-Qawaiˈd wa al-Fawaiˈd. In al-Qawaid, he has stated that divine legislation either seek benefit (jalb

al-nafa') for or avert harm from human beings. And, the two objectives of the sharia are either related to this world or the hereafter. Drawing on the objective of sharia rulings, he has explained the division of ahkām among, inter alia, ibadāt and mu'amalāt in a very interesting fashion. For him, every hukum which is aimed at the hereafter is "ibadat" or "kaf'fara," and every hukum which is directed towards this world is "mu'amala."[19] For al-Shahīd al-Thāni, no divine ruling has been revealed except to safeguard the five objectives (maqāsid al-khamsa) which consists of the preservation of life, religion, intellect, lineage, and property."[20]

The above two paragraphs show that there is a striking similarity between the views of al-Ghazali and Shahīd al-Thāni regarding maslaha. Both have viewed the preservation of life, intellect, linage, religion, and property as the ratio legis of sharia. Both are also of the view that everything which endangers the five objectives/elements is mafsada and, hence, against the essence of Islamic law. They have also opined that if acting on an explicit ruling of sharia is sure to endanger either of the five elements in a general way, that ruling can be forgone temporarily until the imminent (not speculative or imaginary) danger is averted. To cite an example, what if a group of Muslims are held captive and used as a shield (al-turs) by a non-Muslim army against Muslims? For the two, if Muslims have no other way to reach the non-Muslims except by killing the Muslims held in their captivity or not killing the Muslim captives pose threat to dar al-Islam, then Muslim combatants are allowed to do so. Here, Ghazali has asserted that if Muslim combatants do not kill their fellow Muslim captives to break the defense of the enemy, there is every possibility that the infidels or polytheists would kill the latter after the former overrun the Muslim land.[21]

Though Ghazali and Shahedd al-Thāni were writing in a time when the world was divided largely into territorially unstable and fluid empires and there was no idea of sovereign nation states as we have today, their conception of maslaha is still relevant. By properly employing the principle of maslaha a Muslim state can avoid a number of dangers even today. This was something Imam Khomeini

understood after the establishment of an Islamic republic in Iran. One can find a number of reference to the necessity of understanding and applying the principle in his statements. While seeing the traditional way of doing ijtihād inadequate to identify and fulfill the interests of the society,[22] Khomeini advocated bringing in the "factor of time and place" in ijtihād and underlined the need to take into account the changing subject-matters of Islamic commandments/laws (mao'dhuāˈt-e ahkām). While delivering his "Charter of the Clergy" (manshur-e Rūhāniy'yat) on February 22, 1989, he reminded the clerical stratum of the Iranian society that

> *Time and space [zamān-o makān] are the two determining elements of ijtihād…it means that with precise recognition of the economic, social and political relations, the same earlier issue which apparently makes no difference with the one in the past has indeed become a serious subject, which naturally call for a new ruling. The mujtahid should be knowledgeable of the issues of his own time… A mujtahid must have the acumen, tact and sagacity of guiding a grand Islamic and even non-Islamic society… Government is the manifestation of the practical dimension of jurisprudence in dealing with all the social, political, military and cultural questions. Jurisprudence is the real and complete theory of administrating man from cradle up to the grave.[23]*

The nodal point of Khomeini's conception of maslaha was the belief that "Islam adjusts material matters in such a way that they merge with divine affairs."[24] Though opponent of compromising on the ideals of the Islamic revolution, he emphasized the need to identify the masleh of the system and society and act accordingly, paying attention simultaneously to the realities of world politics, requirements of the time, and objectives of the revolution. To him, any negligence of and indifference to the expediencies of the system and people was a potential danger to Islam.[25] Khomeini's acceptance of UNSCR 598 (which he equated with drinking the poisoned chalice)[26] that bring an end to the bloody 8-year-long Iran-Iraq war

can be cited as an obvious example of the application of the principle of maslaha.

Application of the Principle of Maslaha in Foreign Policy of a Muslim State: Theoretical Considerations

There are 195 states in the world, including 193 members of the UN and the state of Palestine and the Holy Sea.[27] *Of the 195 states, 57 are members of the Organization of Islamic Cooperation (OIC) which means they are Muslim-majority countries as per the charter of the OIC.28 These figures show that Muslim states have to interact not only with their fellow Muslim states, but also with non-Muslim-majority states. Given the interdependent nature of international relationships, no Muslim state can envisage having no relations with non-Muslim states (simply 'others' or 'other states' hereafter). Furthermore, Islam does not preach a policy of having no relations with others. Rather, it calls for peaceful coexistence and mutually beneficial interaction (see, al-Quran, 3:64). That said, leaders of Muslim states do not have all the freedom—at least in principle—to formulate their foreign policy objectives and strategies the way they want, that is, they have to be mindful of certain constraints and commitments, outlined by sharia. The theoretical operationalization of the principle of maslaha in foreign policy of a Muslim state should therefore be seen within the context of those constraints and commitments.*

How a Muslim state should determine its foreign policy direction in line with the principle of maslaha in a given situation? Generally speaking, when a Muslim state is faced with an external situation, it has to decide on a course of action which neither contradicts the essence of Islamic moral-legal principles nor jeopardize what Imam Ghazali has termed "al-usūl al-khamsa" or what Al-Shahīd al-Thāni has called "al-maqāsid al-khamsa." In so doing, the leadership of the Muslim state has to undertake a thorough evaluation of (i) the needs and wants of the state-society complex, (ii) its actual capabilities as well as restraints (both material and non-material), (iii) the realities of the external milieu, (iv) and the theoretically possible ramifications

or the consequences of policy choices. Importantly, this all has to be done within the context of the general principles of Islamic law and its underlying objectives. If there arises any inconsistency or conflict between what has been determined as the best possible policy option and the relevant sharia option, the principle of maslaha can solve the dilemma by bringing flexibility to the latter.

Note that the principle of maslaha does not warrant "un-islamization" of foreign policy of a Muslim state. Rather, it prevents self-destruction in the name of Islamic idealism. It requires leaders to be realistic in their foreign policy approach by emphasizing the need to take into consideration both internal and external realities. A classic example of this type of maslaha is the Peace Treaty of Hudaybiy'yah' (Sulh al-Hudaybiy'yah) signed by the Prophet with the pagan Qureshite leaders of Mecca in 628 AD on conditions apparently disadvantageous to Muslims, signified by the opposition and displeasure showed by some of his companions.[29] The signing of this treaty was not by any means a retreat from the right of Muslim to perform pilgrimage (hajj). It was, rather, a well-calculated strategy to safeguard the lives and property of Muslims in a dangerous and unfavorable environment. After all, Islam does not occasion "throwing [yourselves] with your [own] hands into destruction."[30]

One example would suffice to illustrate how the principle of maslaha can guide foreign policy of an Islamic state in modern times. It is evident from the Quran and the Sunnah that helping an oppressed is an Islamic duty. The Quran says, "And what is [the matter] with you that you fight not in the cause of God and [for] the oppressed among men, women, and children… (4:75). In Nahj al-Balāghah, Imam Ali has been reported as having said in his will to his sons, Hasan and Husyn, "be enemy of the zalim (oppressor), and supportive to the muzlūm (oppressed)."[31] Is this Islamic duty be undertaken without any other considerations? What appears is that the fulfillment of this duty has some requirements and conditions, such as

- The struggle of the "oppressed" against the "oppressors" must be just.

- The Muslim state should have the capability to support the "oppressed" because, according a tradition, nine things have been removed [pardoned] from the umma of the Prophet, one among which is "what they are unable to afford/do." [32]
- The "oppressed" should have appealed for help.[33]
- The support from the Muslim state should not cause more oppression on the "oppressed."[34]
- It should not cause the violation of an already agreed accord between the Islamic government and any other government where the "oppressed" class struggles for its rights. In other words, if the Islamic state has signed any accord of non-interference in internal affairs of other states and the support of the "oppressed" is legally regarded as such an interference, the "principle of the fulfillment of covenants" (asal efā al-ahd) takes priority over the support of the "oppressed."[35]

Conclusion

The Islamic world view, informed primarily by the Quran and the Tradition, is based on the well-being, welfare, betterment, and salvation of all human beings regardless of their race, color, and ethnicity. Islam wants to elevate every human being to the possible degree of perfection. This objective is fully reflected in Islamic law or sharia. Sharia seeks what is best for human beings both in this world and the hereafter, and prevents what is detrimental form them in both of worlds. As human beings are essentially social by nature, sharia is also concerned with the management of human society and relations. This includes relations between wider human associations such as states. There were no states in the modern sense during the era of legislation (asr-e tashri) which means one cannot find direct reference in the Quran or the Tradition—the primary sources of Islamic law—to concepts such as foreign policy. Yet, what is included in the two primary sources of the sharia regarding the management of relations between two groups of people or even two individuals is relevant and applicable to that of modern states. Moreover, a great number of general jurisprudential principles and theological tents can also be taken as instrumental guides in directing foreign policy of a

Muslim state. What requires is the exercise of ijtihād by competent and qualified Muslim jurists.

The principle of maslaha is one among many principles that has the potential to salvage Muslim states in their foreign affairs from a number of catastrophes. If employed in its proper theological-jurisprudential setting, it can solve various foreign policy dilemmas of Muslim states by adapting aspects of sharia to the dynamics and realities of international system. While keeping the essence of sharia intact, it can also safeguard the life, property, lineage, intellect, and religions of the Muslim nation (ummah), living in majority in 57 states.

As stated above, maslaha is not a token for violating Islamic law in the name of safeguarding the interests of a Muslim state. It is neither a cost-benefit approach in the sense of political realism to policy options and choices. It is, on the contrary, a rational approach—based on the correlation of reason (aql) and shar'—that provides solutions to emergent problems in accordance with general principles of Islamic jurisprudence. In its pure form, it resonates with the Quranic verse "God intends for you ease (yusr) and does not intends you hardship (usr)" (2:158).

Keeping in view the significance of the principle of the maslaha for the state-society complex of Muslim countries as well as the prospect of it being abused or misused, this article calls for the undertaking of scientific research on the meaning, scope, and application of the principle by scholars well versed in both Islamic and contemporary sciences. It would be an ideal scenario if it is done in some institutional or organizational set-up, gathering ulama from all Islamic schools of jurisprudence, scholars from different disciplines of sociopolitical, economic, and geostrategic fields, experts and practitioners. Governments in Muslim countries can take the initiative and get benefit from it. They can also formalize such an initiative (consider the example of Expediency Council in Iran). As to Pakistan, the government can utilize the existing institutional set-up of Council of Islamic Ideology (CII) to study, debate, and research the principle (including various theoretical and possible dimensions of its

application) as well as to make policy recommendations in line with it. The only requirement is to enlarge the CII to include scholars and experts from the above-recommended scholarly fields and social strata.

REFERENCES

1.Written in Arabic as ”مصلحة.“ When pronounced as a single word, the circular Tā at its end converts into circular Hā.

2.According to Raghib Isfahani, fasād refers to deviation from “a’etidal” (moderation/equilibrium) and “istiqamah” (straightness/balance/stability). Mafsada, for him, is thus something which brings harm by causing deviation from them. See, Imam Raghib Isfahāni, al-Mufʽradāt fi Gharib al-Quran (Beirut: Dar el-Marefah, nd), 379.

3.Louis Ma‘luf, Al-Mun‘jid fi al-Lughah, 19th ed. (Beirut: al-Matba’ah al-Kathulaikiyyah, nd), 432.

4. Ibn-e Manzūr, Lisan al-Arab (Qahirah (Cairo): Dar al-Ma’arif, nd), 2479.

5. Ibid., 3412.

6.. For an account of the lexical and technical meanings of the term see, among other, Abul Qasim Ali Doost, Fiqh wa Maslahat, 4th ed. (Tehran: Sazman-e intisharat pojuhishgah-ye farhangh wa undesha-ye islami, 1395), 82-87.

7.Ayatollah Muhammad Baqir al-Sadr, Durūsun fi Ilm al-Usūl, (Lectures on the Science of Principles), vol. 1 & 2 (Islamabad: al-Mustafa International Center for Translation and Publication, 1434/2015), 63.

8.Jaˈfar b. Khizr Kasshif al-Ghita, Kashf al-Ghita un Mubhamat al-Shariah al-ghar‘ra (Unveiling the cover from ambiguities of the glorious sharia), vol. I, 2nd ed. (Qum: Muassisa Bustan-e Ketab, 1379/2000), 143.

9.Ayatullah Sayyid Fadhel Hosseini Milani, The Core of Islam, 2nd Reprint (Qum: Ansariyan Publications, 2011), 19.

10.See, Al-Sadūq, Iˈlal al-Sharayiˈ, vol.1-2, (Beirut: Dar al-Murtada, 1727/2006). See also, among others, Khizr Muhammad Nabha, Musnad al-Hishām b. al-hakum (Mashhad: Majma al-Bohoth al-Islamiay, 1434/2013), 182-190.

11.Al-Sadr, Dorusun fi Ilm al-Usul, 177.

12.The said qaida is derived from the Quranic verse of “God does not task any soul beyond its capacity” (2:286).

13.See, for example, Ayatollah Muhammad Asif Mohsini, Tawzīh al-Masāˈill-e Siyāsi (The Explanation of Political Issues) (Kabul: Kamesiyūn Farhanghi Shura-ye Ulāma-ye Shia Afghanistan, 1432/2011), 30.

14.For more details on qaida-ye naf-ye usr wa harj see, Sayyid Fadhel Hosseini Milani, Thirty Principles of Islamic Jurisprudence (Qum: Ansariyyan, 2011), 45-49.

15.Imam Raghib Isfahāni, al-Mufʽradāt fi Gharib al-Quran (Beirut: Dar el-Marefah, nd), 101.

16.Al-Sadr, Durūsun fi Ilm al-Usūl, 61.

17.Abu Hamid al-Ghazali, al-Mustasfa min Ilm al-Usūl, 4 vols, (The Chosen from the Science of the Principles of Jurisprudence), vol. 2 (Jeddah: Sharikat al-Madina al-Munawwara li al-taba'ah wa al-nashr, n.d), 471.
18.Al-Ghazali, al-Mustasfa, 482.
19.Al- Shahīd al-Thāni, Al-Qawaiʾd wa al-Fawaiʾd, vol. 1 (Qum: Manshurat-e Maktabah al-Mufid, nd), 30-35.
20.Ibid, 38.
21.See, al-Ghazali, 488. Al-Thāni, Al-Rawda al-bahiyya fi sharh al-lum'a al-dimashqiyya, vol. 2, 12th ed. (Qum: Majme' al-Fikr al-Islami, 1437/2015), 19.
22.See, Institute for Compilation and Publication of Imam Khomeini's Works (hereafter ICPIKWs), Sahifeh-ye Imam, trans. Mansoor Limba, vol. 21 (Tehran: ICPIKWs, 2008), 171.
23.ICPIKWs, Sahifeh-ye Imam, vol. 21, 290.
24.ICPIKWs, Pithy Aphorisms: Wise Sayings and Counsels [of Khomeini], (Tehran: ICPIKWs, 1994), 12.
25.ICPIKWs, Sahifeh-ye Imam, vol. 20, 441.
26.ICPIKWs, Sahifeh-ye Imam, vol. 21, 87-89.
27.See, "United Nations Member States," accessed June 5, 2020, https://visit.un.org/sites/visit.un.org/files/FS_List_member_states_Feb_2013.pdf,
28. For the list of OIC members visit, https://www.oic-oci.org/states/?lan=en.
29. See, Muslim b. al-Hajja, Sahi Muslim (Riyadh: Darrussalam, 1421/2000), 795-797.
30. Al-Quran, 2:195.
31. Al-Sharif al-Radhi, Nahj al-Balaghah (Qum: Muʾassasah al-Rafed, 1431/2010), 560.
32. Al-Sadūq, Al-Tawhīd (Beirut: Dār al-Maʾrifa, nd), 353.
33. Sayyid Sadigh Haghighat, Mabāni, Usūl wa Ahdāf-e Siyāsat-e Kharaji-ye Dawlat-e Islami (Foundations, Principles, and Objectives of the Foreign Policy of the Islamic Government) (Qum: Pajuhishgah-e Ilm wa Farhangh-e Islami, 1385/2006), 93.
34.Ibid., 93.
35.Ibid., 127.

Bibliography:

Al-Ghazali, Abu Hamid. *Al-Mustasfa min Ilm al-Usūl.* 4 vols, (The Chosen from the Science of the Principles of Jurisprudence). vol. 2. Jeddah: Sharikat al-Madina al-Munawwara li al-taba'ah wa al-nashr, n.d.

Al-Hajja, Muslim b. *Sahi Muslim.* Riyadh: Darrussalam, 1421/2000.

Al-Radhi, Al-Sharif. *Nahj al-Balaghah.* Qum: Muʾassasah al-Rafed, 1431/2010.

Al-Sadr, Ayatollah Muhammad Baqir. *Durūsun fi Ilm al-Usūl,* (Lectures on the Science of Principles). vols. 1 & 2. Islamabad: al-Mustafa International Center for Translation and Publication, 1434/2015.

Al-Sadūq, Abu Jafar. *Al-Tawhīd* (Beirut: Dār al-Maʾrifa, nd), 353.

Al-Sadūq, Abu Jafar. *Iʾlal al-Sharayiʾ*. Vol.1-2. Beirut: Dar al-Murtada, 1727/2006.

Al-Thāni, Al- Shahīd. *Al-Qawaiʾd wa al-Fawaiʾd*. vol. 1. Qum: Manshurat-e Maktabah al-Mufid, nd.

Al-Thāni, Al- Shahīd. *Al-Rawda al-bahiyya fi sharh al-lum'a al-dimashqiyya*. Vol. 2, 12th ed. Qum: Majme' al-Fikr al-Islami, 1437/2015.
Doost, Abul Qasim Ali. *Fiqh wa Maslahat*. 4th ed. Tehran: Sazman-e intisharat pojuhishgah-ye farhangh wa undesha-ye islami, 1395/2016.
Haghighat, Sayyid Sadigh. *Mabāni, Usūl wa Ahdāf-e Siyāsat-e Kharaji-ye Dawlat-e Islami* (Foundations, Principles, and Objectives of the Foreign Policy of the Islamic Government). Qum: Pajuhishgah-e Ilm wa Farhangh-e Islami, 1385/2006.
Ibn-e Manzūr, Muhammad b. Mukarram. *Lisan al-Arab*. Qahirah (Cairo): Dar al-Ma'arif, nd.
Institute for Compilation and Publication of Imam Khomeini's Works (ICPIKWs). *Sahifeh-ye Imam*. Translated by Mansoor Limba. Tehran: ICPIKWs, 2008), 171.
Institute for Compilation and Publication of Imam Khomeini's Works (ICPIKWs). *Pithy Aphorisms: Wise Sayings and Counsels [of Khomeini]*. Tehran: ICPIKWs, 1994.
Isfahāni, Imam Raghib. *Al-Muf'radāt fi Gharib al-Quran.* Beirut: Dar el-Marefah, nd.
Kasshif al-Ghita, Jaˈfar b. Khizr. *Kashf al-Ghita un Mubhamat al-Shariah al-ghar'ra.* (Unveiling the cover from ambiguities of the glorious *sharia*). Vol. I, 2nd ed. Qum: Muassisa Bustan-e Ketab, 1379/2000.
Ma'luf, Louis. *Al-Mun'jid fi al-Lughah*. 19th ed. Beirut: al-Matba'ah al-Kathulaikiyyah, nd.
Milani, Ayatullah Sayyid Fadhel Hosseini. *The Core of Islam*. 2nd Reprint. Qum: Ansariyan Publications, 2011.
Milani, Fadhel Hosseini. *Thirty Principles of Islamic Jurisprudence.* Qum: Ansariyyan, 2011.
Mohsini, Ayatollah Muhammad Asif. *Tawzīh al-Masāˈill-e Siyāsi* (The Explanation of Political Issues). Kabul: Kamesiyūn Farhanghi Shura-ye Ulāma-ye Shia Afghanistan, 1432/2011.
Nabha, Khizr Muhammad. *Musnad al-Hishām b. al-hakum.* Mashhad: Majma al-Bohoth al-Islamiay, 1434/2013.

INTERNATIONAL ADVISORY BOARD

Dr. Syed Talmeez Hasnain Rizvi
New Jersey, USA

Dr. Ghulam Hussain Adeel
London, England

Dr. Syed Rashid Abbas Naqvi
Tehran, Iran

Dr. Sukaina Hussain
Australia

Dr. Abid Hussain Haideri
U.P, India

Dr. Ghulam Hussain Meer
MIU, Qum, Iran

NATIONAL ADVISORY BOARD

Dr. Syed Qandil Abbas
SPI R- QAU, Islamabad

Dr. Aafia Mehdi
NUML, Islamabad.

Dr. Muhammad Riaz
University of Baltistan, Skardu.

Saqib Akbar
Chairman Al-Basira Trust، Islamabad.

Dr. Nadeem Ahmad Baloch
MIU, Islamabad

Raziq Hussain
Ph.D. Scholar I.R. QAU, Islamabad.

Assistant Office Affairs:
Tahir Abbas Tahiri

Composer & Designer:
Babar Abbas

MANAGERIAL BOARD

Editor-in-Chief & Publisher:

SYED HASNAIN ABBAS GARDEZI

Researcher, Translator and Chairman Noorul Huda Trust, Islamabad.

Patron:

SYED IMTIAZ ALI RIZVI

Religious Scholar and Director The AIMS School & College, Islamabad.

Patron-in-chief:

SYED ALI MURTAZA ZAIDI

Chairman Health Foundation Gilgit, Foundation for Comprehensive Social Development, Karachi

Assistant Research Affairs:

SYED RAMEEZ UL HASAN MOSVI

Researcher, Translator and Director Noorul Huda Research Center, Islamabad.

EDITORIAL BOARD

Dr. Sh. Muhammad Hasnai Nadir — **Editor**
Researcher & Religious Scholar

Dr. Hafiz Muhammad Sajjad — **Member**
Chairman Interfaith Studies, Department, AIOU, Islamabad.

Dr. Syed Nisar Hussain Hamdani — **Member**
The AJK uni is situated in Muzzafarabad.

Dr. Roshan Ali — **Member**
Assistant Professor Islamabad Model College for Boys, Islamabad,

Dr. Qaiser Abbas Jafri — **Asst. Editor**
Assistant Professor, NDU, Islamabad.

Dr. Abdul Basit Mujahid — **Member**
Department of History, AIOU, Islamabad.

Dr. Sajid Ali Subahani
Jamia Al Raza, Islamabad

Dr. Karam Hussain Wadhoo — **Member**
Member Regional Directorate of Colleges, Larkana.

ISSN 2221-1659 Declaration No: 7334

Quarterly Social & Religious Research Journal

NOOR-E-MAREFAT

Vol. 11 Issue: 2 Continues Issue: 48

April to June 2020 Accordingly Shaban to Shiwal 1441Hijri

Recognized in "Y" Category by

Higher Education Commission, Pakistan.

Editor

Dr. Sh. Muhammad Hasnain Nadir

NoorulHuda Trust® (Islamabad)

E-mail:editor.nm@nmt.org.pk; noor.marfat@gmail.com

ISSN 2221-1659

Quarterly Social & Religious Research Journal

NOOR-E-MAREFAT

Vol. 11 Issue: 2 Continues Issue: 48 April to June 2020

- *PRINCIPLES OF INTERFAITH DIALOGUE*
- *CONTEMPORARY ISLAMIC MOVEMENTS*
- *TRENDS & INFLUENCES OF THE WESTERN CULTURE*
- *SERVING HUMANITY: A SOURCE OF WELLBEING & SALVATION*
- *US HEGEMONIC INTERESTS AND THE STRATEGIC DILEMMA IN IRAQ*
- *THE BOOKS ABOUT THE POLITICAL WRITE-UPS OF HOLY PROPHET (PBUH) & RIGHTEOUS CALIPHS (R.A)*
- *ERADICATION OF POVERTY IN THE LIGHT OF THE SIRAH OF THE PROPHET*
- *CEMETERY OF MAKLI: AN IMPORTANT CULTURAL & LITERATURAL HERITAGE*
- *THE PRINCIPLE OF MASLAHA & THE FOREIGN POLICY OF A MUSLIM STATE*

www.nmt.org.pk NoorulHuda Trust® (Islamabad)